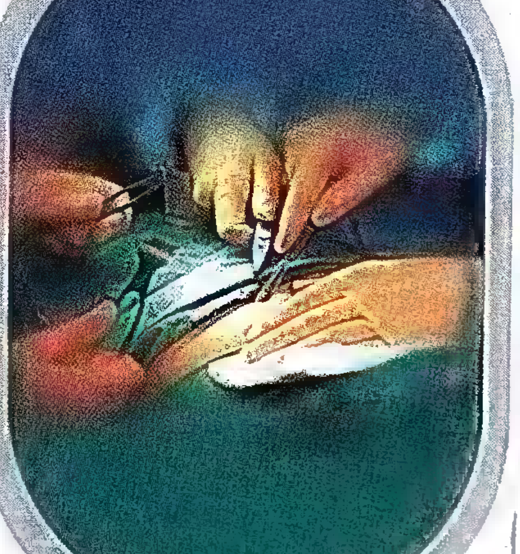
# سرجری اور آپریشن کے شرعی احکام

اپنے موضوع پر پہلی مفصّل و مُدلل کتاب



مؤلف

## مولانا مفتی اقبال حسین صابری

تقاریظ وتاثرات

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب (راولپنڈی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم حقانی صاحب (نوشہرہ)

مفتی محمد طفیل صاحب (جامعہ محمدیہ اسلام آباد)

مکتبہ عثمانیہ

MAKTABA USMANIA RAWALPINDI

اس کتاب میں علاج معالجہ، مریض اور ڈاکٹر سے متعلق ہدایات، انتقال خون، سرجری کی اقسام، سرجری برائے پوسٹ مارٹم، سرجری برائے پیوند کاری، سرجری آپریشن برائے تعلیم، سرجری برائے ولادت، آپریشن برائے نس بندی، آپریشن برائے تبدیلی جنس، سرجری برائے حسن و زیبائش، پلاسٹک سرجری، سرجری سے متعلق متفرق مسائل، بالوں کی پیوند کاری کا شرعی حکم اور سرجری برائے ختنہ کے مسائل واحکام مکمل تفصیل و تحقیق کیساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

# سرجری اور آپریشن کے شرعی احکام


**مؤلف**

مولانا مفتی اقبال حسین صابری


**تقاریظ و تاثرات**

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب (راولپنڈی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب (نوشہرہ)

حضرت مولانا مفتی محمد طفیل اٹکی صاحب (جامعہ محمدیہ، اسلام آباد)


مکتبہ عثمانیہ

اقبال مارکیٹ، اقبال روڈ، کمیٹی چوک راولپنڈی

0333-5141413, 051-5534979

نام کتاب : آپریشن اور سرجری کے شرعی احکام
نام مؤلف : مولانا مفتی محمد اقبال حسین صابری
سن طبع : اپریل ۲۰۱۷ء
نام ناشر : مکتبہ عثمانیہ (کمیٹی چوک، راولپنڈی)

ملنے کے پتے:

| | | |
|---|---|---|
| اسلام آباد | مکتبہ فریدیہ | نزد جامعہ فریدیہ.....اسلام آباد |
| | مکتبہ محمدیہ | نزد جامعہ محمدیہ (F6-4).....اسلام آباد |
| | مکتبہ رحمانیہ | آبپارہ مارکیٹ.....اسلام آباد |
| لاہور | اسلامی کتب خانہ | فضل الٰہی مارکیٹ، چوک اردو بازار.....لاہور |
| | مکتبہ رحمانیہ | غزنی سٹریٹ، اردو بازار.....لاہور |
| | مکتبہ میزان | الکریم مارکیٹ، اردو بازار.....لاہور |
| فیصل آباد | مکتبہ العارفی | نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ.....فیصل آباد |
| | مکتبہ اسلامیہ | امین پور بازار، نزد اٹلس بنک.....فیصل آباد |
| ملتان | مکتبہ حقانیہ | ٹی بی ہسپتال روڈ.....ملتان |
| | مکتبہ امدادالعلوم | ٹی بی ہسپتال روڈ.....ملتان |
| کراچی | ادارۃ المعارف | جامعہ دارالعلوم.....کراچی |
| | مکتبہ عمر فاروق | نزد جامعہ فاروقیہ.....کراچی |
| | مکتبہ لدھیانوی | نیو ٹاؤن.....کراچی |
| پشاور | دارالاخلاص | قصہ خوانی بازار.....پشاور |
| اکوڑہ خٹک | مکتبہ رشیدیہ | نزد جامعہ حقانیہ.....اکوڑہ خٹک |
| مردان | مکتبہ امام محمد | پار ہوتی، نزد خیر المدارس.....مردان |
| کوہاٹ | مکتبہ اشرفیہ | کمال پلازہ.....کوہاٹ |
| کوئٹہ | مکتبہ رشیدیہ | سرکی روڈ.....کوئٹہ |
| مینگورہ | تاج بک ایجنسی | مینگورہ.....سوات |

# اجمالی فہرست

# فہرست موضوعات



## پہلا باب......علاج معالجہ، مریض اور ڈاکٹر سے متعلق ہدایات

## دوسرا باب......انتقال خون کی تحقیق اور اس کے مسائل

## تیسرا باب......سرجری کی اقسام اور ان کے احکام

## چوتھا باب......سرجری آپریشن برائے پوسٹ مارٹم

## پانچواں باب...... سرجری برائے حرام جانوروں کی پیوندکاری



## چھٹا باب...... سرجری آپریشن برائے تعلیم یعنی تشریح الاعضاء

## ساتواں باب......سرجری برائے ولادت

## آٹھواں باب......آپریشن برائے نس بندی

## نواں باب......آپریشن برائے تبدیلی جنس

## دسواں باب...... سرجری برائے حسن وزیبائش/ پلاسٹک سرجری

## گیارہواں باب......سرجری سے متعلق متفرق مسائل



## بارہواں باب......بالوں کی پیوندکاری کا شرعی حکم

## تیرہواں باب......سرجری عمل جراحی برائے ختنہ

# پیش لفظ

میڈیکل یا طب جدید ایک بہت وسیع موضوع ہے، جس کے متعلق علماء کرام اور فقہاء کرام اپنی کتب میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں، میڈیکل کے شعبہ جات میں سے ایک اہم شعبہ آپریشن بھی ہے، آپریشن کے بارے میں بھی علماء کرام نے مختلف فتاویٰ جات میں اس کے شرعی احکامات کے بارے میں لکھا ہے، اس موضوع پر چونکہ کوئی مستقل کتاب بندے کی نظر سے نہیں گزری، موضوع بھی نیا ہے، اللہ کا نام لے کر اس پر لکھنا شروع کیا۔

درحقیقت بندہ نے آج سے کچھ عرصہ پہلے سہ ماہی رسالہ ''المباحث الاسلامیہ بنوں'' کے لئے ایک مقالہ بنام ''آپریشن (سرجری) اقسام واحکام اسلام کی نظر میں'' لکھا تھا جس کی ایک قسط ''المباحث'' میں شائع بھی ہوگئی تھی، لیکن چونکہ ''المباحث'' سید نصیب علی شاہ صاحبؒ کی رحلت کے بعد مزید نہ چل سکا، اس لئے وہ مقالہ ادھورا ہی رہ گیا۔

بعد میں اس مقالہ پر مزید کام کیا اور اس موضوع کو مزید پھیلایا، تو ایک کتاب کی شکل میں کتاب کا مسودہ تیار ہوگیا، سوئے قسمت کہ اس کی کمپوزنگ سب ڈلیٹ ہوگئی، اور یوں وہ مسودہ ضائع ہوگیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کا ایک مسودہ بندہ کی ذاتی کتب کے درمیان سے مل گیا، دوبارہ اللہ کا نام لے کر اس پر کام شروع کیا، اب اللہ کے فضل سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

مفتی محمد طفیل صاحب کے مشورے سے کتاب کو تیرہ (۱۳) ابواب پر مرتب کیا ہے، جس کی تفصیل اجمالی فہرست میں دیکھی جا سکتی ہے، تاکہ اس سے استفادہ میں آسانی ہو۔

بندہ تمام معاونین کا خصوصاً استاد محترم مولانا مفتی خلیل احمد صاحب، مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب اور مولانا مفتی محمد طفیل اٹکی صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے، جنہوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر مسودہ کو بغور دیکھا اور تقریر وتصدیق سے

نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان اہل علم کا سایہ تا دیر رکھے۔ آمین

آخر میں اہل علم علماء و مفتیان عظام سے گزارش ہے کہ چونکہ بندہ اپنی کم علمی کا معترف ہے، اس لئے کتاب میں غلطی کا احتمال موجود ہے، اگر کوئی ساتھی کتاب میں موجود کسی غلطی پر تنبیہ کرے گا، تو بندہ اس کے حق میں شکر گزار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور استدعاء ہے کہ وہ بندہ کی کتاب کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور اسے میرے لئے، میرے والدین اور اساتذہ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

آمین

اقبال حسین صابری

مدیر جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات، قادریہ کالونی، گلی نمبر ۳، راولپنڈی

مفتی و مدرس مدرسہ علوم القرآن، اسامہ مسجد، مصریال روڈ، راولپنڈی

۲ رجب ۱۴۳۳ھ

# تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد طفیل صاحب
(نائب مفتی جامعہ محمدیہ، اسلام آباد)

الحمد لأهله والصلاة لأهلها۔ أما بعد

برادرم مولانا مفتی اقبال حسین صابری صاحب نے اپنی کتاب "سرجری وآپریشن کے شرعی احکام" کا تقاریظ سے مزین مسودہ مجھے اس غرض سے دیا کہ اس پر نظر ثانی کریں اور ترتیب وتحقیق کے لحاظ سے کوئی مشورہ دیں، ارباب علم ودانش اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تدریس وتصنیف وغیرہ کی گوں ناگوں مصروفیات کی وجہ سے کسی ضخیم کتاب پر بالاستیعاب نظر ثانی کرنا کوئی آسان کام نہیں، لیکن ان کے خلوص اور ان سے برادرانہ تعلق کے پیش نظر میرے لئے انکار کرنا مشکل ہوگیا، البتہ یہ گزارش کی کہ ذرا جلدی کام کرنے کا اصرار نہ ہوتو......

بہر حال! میں نے کتاب کو حرف بحرف پڑھا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے متعلقہ مسائل کو بہت اچھے انداز سے مستند مراجع کے حوالوں کیساتھ جمع کیا ہے، جو وقت کی ضرورت کے عین مطابق ہے، البتہ ترتیب، تبویب، تخریج اور تحقیق کے حوالہ سے چند مقامات کی طرف بندہ نے توجہ دلائی، تو انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے نہ صرف تسلیم کیا، بلکہ کتاب کے مسودہ کو اس کے مطابق تبدیل بھی کر دیا، اب ان کی یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک مرتّب، مبوّب، جامع اور مدلل کتاب ہے، جس میں آپریشن وسرجری سے متعلق جدید ابحاث کو احسن طریقہ سے جمع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مفتی صاحب کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور مزید اس طرح کی تحقیقی کتب مرتب کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

بندہ......محمد طفیل

مدرس جامعہ محمدیہ (F6-4) اسلام آباد

۲۶/صفر ۱۴۳۸

# تقریظ

**استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم العالی**

اَلْحَمْدُ لِحَضْرَةِ الْجَلَالَةِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الرِّسَالَةِ ، مخدوم ومکرم حضرت مولانا مفتی اقبال حسین صاحب کی تازہ ترین علمی کاوش ایک عظیم فقہی کوشش ہے، اور اپنے موضوع کے حوالے سے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق بھی علمی مسائل تحقیق وتدقیق اور فقہی منہج میں اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے، احقر اگر چہ تمام کتاب کا مطالعہ نہ کر سکا لیکن جہاں سے بھی دیکھا درست پایا، اس پر قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے تمام کتاب میں ایک ہی اسلوب تحقیق اور اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے۔

تاہم فقہی تحقیقات میں علماء اور فقہاء بھی اختلاف رائے کو رحمت سمجھتے ہیں، علماء، فقہاء اور محققین کی بحث وتحقیق اور مناقشوں کی چھلنی سے جب مسائل نکلتے ہیں، تب انہیں حرف آخر مقام ملتا ہے، تصنیف وتالیف اور وہ بھی فقہی مسائل پھر جدید دور کے مسائل کارے دارد۔ اس موضوع پر وہی اصحاب علم قلم اٹھاتے ہیں جنہیں علم وتحقیق پر درک حاصل ہو، مفتی صاحب موصوف کو علم، قلم، مطالعہ، فقہ، فقہاء اور فتاویٰ سے خصوصی شغف اور ترجیحی بنیادوں پر اشتغال حاصل ہے، جس کا نقد ثمرہ تازہ ترین علمی فقہی کاوش ہے۔

میری دلی دعا ہے اللہ پاک اسے قبول فرمائے اور مفتی صاحب کے علم وقلم میں مزید برکت دے کہ وہ قوم وملت اور امت کی مزید خدمت کر سکیں۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِیْنَ

عبدالقیوم حقانی

جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ، پاکستان

۳ شوال ۱۴۳۳ھ

# تقریظ

## استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب دامت برکاتھم العالیہ

شیخ الحدیث جامعہ عربیہ اسلامیہ، گلستان کالونی، لین نمبر ۷، راولپنڈی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ وَالَاہُ،
حضور ﷺ جہاں دنیا کے لئے معلم اور ہادی تھے وہیں آپ ﷺ انسانیت کے لئے ہر قسم کے امراض ظاہری و باطنی کے لئے طبیب کامل بھی تھے آپ ﷺ نے جہاں تمدن اور معاشرت کے اعلیٰ اصول دنیا کو بتائے، وہیں پاکیزہ اور صحت بخش زندگی کے انمول فارمولے بھی عطاء فرمائے دنیا آج تک آزمودہ نسخوں پر عش عش کر رہی ہے۔

دنیا میں طب نے بڑی ترقی کی اور اس ترقی کی رفتار شب و روز ترقی پذیر ہے آج کے اس دور میں جدید طریقہ علاج میں ایک اہم طریقہ آپریشن و سرجری کا بھی ہے اور یہ طریقہ اگرچہ قدیم زمانے کے اندر بھی موجود تھا۔

عربوں میں اسلام سے قبل بھی علاج بالکی (داغنے کے ساتھ علاج کرنا) کا طریقہ مشہور و معروف تھا اور اس کے بارے میں وہ کہا کرتے تھے کہ علاج صرف داغنے میں ہے خود حضور ﷺ سے اس علاج کے بارے میں دو مختلف روایات مروی ہیں ایک جواز دوسری عدم جواز کی علماء نے احادیث نہی کو ارشاد اور احادیث جواز کو رخصت پر محمول کیا ہے۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ شریعت کی نظر میں علاج بالکی پسندیدہ نہیں اس لئے کہ یہ تعمق فی العلاج ہے جب کہ اہل عرب (کی) پر حد سے زیادہ اعتماد کرتے تھے اور کہتے تھے "آخِرُ الدَّوَاءِ الْکَیُّ" اس لئے شریعت میں علاج بالکی سے احتراز کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں شفاء موہوم اور الم شدید یقینی ہے لیکن فی

نفسہ جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ نے خود بعض صحابہ کا علاج بالکی کروایا، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں ہمارے زمانے میں آپریشن علاج بالکی ہی کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے بغیر ضرورت شدیدہ کے اختیار نہ کرنا چاہئے۔ لیکن اس فن جراحت یعنی آپریشن کے احکامات کے متعلق کوئی جامع کتاب اردو زبان میں احقر کی نظر سے نہیں گزری۔

اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر نصیب فرمائے جناب مفتی اقبال حسین صابری صاحب کو جو کہ ضابطہ کے لحاظ سے اگرچہ میرے شاگرد ہیں لیکن حقیقت میں

"رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ"۔

کا مصداق ہیں، موصوف اس سے قبل بھی متعدد موضوعات پر تحقیقی مقالہ جات تحریر کر چکے ہیں۔ ان کی یہ کتاب بھی ایک جامع و مدلل کتاب ہیں جس میں میڈیکل سے متعلق جدید ابحاث کو احسن طریقہ سے جمع کر دیا گیا ہے اور ان کا یہ علمی اور تحقیقی کام بہت قابل قدر و قابل تعریف ہے اور میں ان کو اس ٹھوس اور مفید کام پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی اس علمی پیشکش سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے اور اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں بہترین اجر وصلہ عطاء فرمائے۔

فقط

العبد...... خلیل احمد...... عفی عنہ

مفتی و مدرس جامعہ عربیہ اسلامیہ، گلستان کالونی، لین نمبر ۷، راولپنڈی

مہتمم جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات، منگتال، راولپنڈی

۲۸ رجب ۱۴۳۳ھ

(۱)

# پہلا باب

## علاج معالجہ، مریض اور ڈاکٹر سے متعلق ہدایات

جو بھی انسان اس دنیا فانی میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر دو طرح کے حالات آتے ہیں، خوشی کے حالات، اور غمی اور پریشانی کے حالات، پریشانیاں ہر انسان کی زندگی کا لازمی جزء ہے، کوئی انسان آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس پر پریشانیاں نہ آتی ہوں، یا اس پر پریشانیاں نہ آئی ہوں، ضرور تکالیف اور پریشانیوں کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ سب سے زیادہ حالات اور پریشانیاں انبیاء علیہم السلام پر آئے ہیں، بیماری اور صحت یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو حالتیں ہیں بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو بیماری سے واسطہ نہ پڑتا ہو۔

اسلام میں بیماری کی حالت میں علاج کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسلام نے علاج کرنے سے روکا نہیں ہے، بلکہ علاج کی افادیت کو بیان کیا ہے۔

حدیث میں شہد کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فِيهَا شِفَاءٌ لِلنَّاسِ"۔(۱)

گویا حضور ﷺ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور اپنی امت کو بطور علاج کے شہد استعمال کرنے کی ترغیب دی، کوئی بھی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے نازل نہ کیا ہو، اگرچہ بعض بیماریاں ایسی ہیں جن کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوا،

(۱) المعجم الكبير ،للطبراني،من مناقب عبدالله بن مسعود،الرقم:[۸۹۱۰].

لیکن ڈاکٹروں کو اسلام نے ترغیب دی کہ وہ ان بیماریوں کا علاج دریافت کریں۔
چنانچہ مسلم شریف میں جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ"۔(۱)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بیماری کے لئے علاج ہے۔
عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث ہے:

"عن عبد الله بن مسعودؓ يبلغ به النبي ﷺ ما أنزل الله داء إلا قد أنزل له شفاء علمه من علمه وجهله من جهله"۔(۲)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کا علاج نہ ہو اور اس کی شفاء نہ ہو، ہاں بعض کو علاج کا علم ہو جاتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا۔
امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفي هذا الحديث اشارة الى استحباب الدواء وهو مذهب اصحابنا وجمهور السلف وعامة الخلف"۔(۳)

اس حدیث میں اشارہ ہے اس طرف کہ علاج کرنا مستحب ہے یہی ہمارے اصحاب (شوافع) کا مذہب ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علاج کرانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ علاج کرانا مستحب اور باعث اجر بھی ہے۔ احادیث میں علاج کرنے کی ترغیب آئی ہے، چنانچہ امام ترمذی نے باب باندھا ہے "باب ما جاء في الدواء والحث عليه" (یہ باب ہے علاج اور اس کی ترغیب کے بیان میں) امام ترمذیؒ اس باب کے تحت اسامہ بن شریکؓ کی حدیث لے کر آئے ہیں:

"قالت قالت الأعراب يا رسول الله! ألا نتداوى ؟ قال نعم يا عباد الله!

(۱) مسلم شریف: ۲/ ۲۲۵۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
(۲) مسند احمد ابن حنبل: ۲/ ۱۲۔ حدیث نمبر: ۳۵۷۸
(۳) حاشیہ مسلم: ۲/ ۲۲۵۔ قدیمی

تداووا، فإن الله لم يضع داءً إلا وضع له شفاءً، أو دواءً إلا داءً واحداً، فقالوا يا رسول الله! وما هو؟ قال الهرم"۔(۱)

اسامہ ابن شریکؓ کہتے ہیں کہ کچھ دیہاتیوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا ہم علاج کرائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں، اے اللہ کے بندو! علاج کراؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی پیدا کی ہے، تو اس کے لئے شفاء یا دواء ضرور پیدا کی ہے، سوائے ایک بیماری کے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ بڑھاپا ہے (کہ اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے)۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱)......اگر انسان کسی بیماری میں مبتلاء ہوجائے تو اپنی طاقت کے بقدر اس کا علاج ضرور کرانا چاہئے، آپ ﷺ نے علاج کرانے کا حکم دیا ہے، مرض کا علاج کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، جس طرح بھوک کے ازالے کے لئے غذا اور پیاس مٹانے کے لئے پانی استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں اسی طرح دفع مرض کے لئے علاج کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں ہے، علاج کرنا اگر توکل کے خلاف ہوتا تو حضور ﷺ ہرگز علاج نہ کراتے، کیونکہ آپ ﷺ سید المتوکلین ہیں لیکن اسکے باوجود بھی حضور ﷺ نے علاج کرایا۔

(۲)......اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفاء اور اس کا علاج نازل فرمایا ہے، اس لحاظ سے کوئی مرض لاعلاج نہیں، بسا اوقات بعض بیماریوں کا علاج انسانوں کو معلوم نہیں ہوتا، تو وہ ان کو لاعلاج مرض قرار دے دیتے ہیں، حالانکہ حقیقتاً وہ مرض لاعلاج نہیں ہوتا۔

(۳)......ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی بھی مرض کا علاج ضرور کرایا جائے لیکن ہر علاج سے ضروری نہیں کہ آدمی صحت مند بھی ہوجائے، صحت اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا حکم ہوگا، اس کے اذن کے بغیر کوئی دواء کارگر نہیں ہوسکتی۔(۲)

---

(۱) ترمذی، کتاب الطب: ۲/۲۴

(۲) معارف ترمذی: ۱/۳۶۱

مفتی انعام الحق صاحب لکھتے ہیں:

''اس کارخانہ کائنات کی کوئی چیز بیکار اور خلاف عقل نہیں بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی فائدہ اور حکمت ضرور ہے، اگر چہ اس کی حکمت کی یافت، ہماری عقل سے بالاتر ہو لیکن ہاں وہ خلاف عقل نہیں ہو سکتی۔ آج نت نئے امراض جنم لے رہے ہیں اور نئی نئی بیماریاں وجود میں آ رہی ہیں، وہیں نئی نئی تحقیقات و انکشافات کے ساتھ علاج ومعالجہ پورے شباب کو پہنچا ہوا ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے اس امر کو منکشف فرما دیا تھا کہ خداوند قدوس کی طرف سے اگر امراض آتے ہیں، تو ہر مرض کی دوا بھی اس نے پیدا کی ہے''۔(۱)

البتہ اگر بیماری ایسی ہو کہ جس کی وجہ سے فرائض اور حقوق شرعیہ کے ادا کرنے میں کوتاہی ہوتی ہو تو اس وقت علاج کرنا واجب ہو جاتا ہے لیکن علاج کرانے میں اعتقاد یہ رکھے کہ شفاء دینے والا اللہ کی ذات ہے بذات خود دواء میں شفاء نہیں ہے۔

دواء علاج کا سبب ہے اور اصل شفاء دینے والا اللہ ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لاشتغال بالتداوی لا بأس به إذا اعتقد أن الشافي هو الله تعالیٰ وأنه جعل الدواء سببا، أما إذا اعتقد أن الشافي هو الدواء فلا (أی فلا يجوز) كذا في السراجيه"۔(۲)

بعض غالی صوفیاء علاج کی مشروعیت سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علاج کرانا تقدیر کے خلاف ہے، لیکن ان صوفیاء کی یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ علاج کرانا بھی تقدیر کا حصہ ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے، ابو خزامہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

"قلت يا رسول الله! أرأيت رقى نسترقيها ودواء نتداوىٰ به وتقاة

(۱) علاج ومعالجہ کے شرعی احکام: ص ۳۸

(۲) فتاوی عالمگیری، کتاب الکراہیۃ: ۳۴۴/۵ ۔ قدیمی کتب خانہ

نتقيها هل ترد من قدر الله شيئا ؟ قال هي من قدر الله"۔(۱)

ترجمہ:

اس سے معلوم ہوا کہ علاج کرنا تقدیر کے خلاف نہیں، بلکہ یہ بھی تقدیر کا حصہ ہے۔

## علاج کی شرعی حیثیت اور مختلف درجات:

شرعاً علاج کا حکم ہر حال میں یکساں نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم بدلتا رہتا ہے اور اس کے حکم کے بدلنے میں چار چیزوں کا عمل دخل ہے:

(۱) مرض کی نوعیت: کہ قابل علاج بھی ہے، یا نہیں؟ یعنی اس کا علاج دریافت بھی ہوا یا نہیں؟

(۲) مرض کی کیفیت: یعنی وہ مرض قابل برداشت وتحمل ہے، یا نہیں؟

(۳) علاج کی نوعیت: یعنی وہ علاج یقینی ہے، یا ظنی اور موہوم؟

(۴) مریض یا ولی مریض کی مالی حیثیت: یعنی وہ علاج کا خرچہ برداشت کرسکتا ہے، یا نہیں؟

ان چار امور کے پیش نظر علاج کی شرعی حیثیت یہ ہے (۱) واجب (۲) مسنون ومستحب (۳) مباح وجائز (۴) مکروہ۔

## علاج واجب کی تفصیل

مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ علاج واجب ہوجاتا ہے:

(۱) مرض ناقابل تحمل ہے، یعنی مریض سخت تکلیف میں ہے، یا اگر علاج نہ کرے، تو ہلاک یا کسی عضوء کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

(۲) مریض علاج کی استطاعت بھی رکھتا ہے۔

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب القدر: ۲۲/۱۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور

(۳) مرض قابل علاج ہے اور اس کا شفایاب ہو جانا بھی یقینی ہے، یا اس کا غالب ظن ہے اور اگر شفایاب ہونے کا ظن غالب نہ ہو، تو علاج سے مریض کی تکلیف میں تخفیف و آرام اور راحت کا ظن غالب ہو۔

نقہ الاسلامی وادلتہ میں وجوبِ علاج کی ایک صورت یہ لکھی ہے کہ مریض ایسے مرض میں مبتلاء ہو کہ اس کا ضرر دوسروں کو منتقل ہو سکتا ہے، جیسا کہ متعدی امراض میں ہوتا ہے۔

لیکن یہ وجوب بھی مطلقاً نہیں ہے، بلکہ اس میں مذکورہ شرائط کا لحاظ ضروری ہے، یعنی وہ مرض نا قابل تحمل ہو اور مریض علاج کی استطاعت بھی رکھتا ہو اور شفاء بھی یقینی یا غالب ہو، اگر وہ مرض ہی معمولی ہے، یا مریض استطاعت نہیں رکھتا، یا علاج کے نتیجے میں شفاء حاصل ہونے کا گمان غالب نہ ہو، تو ایسے مرض کا علاج واجب نہیں ہے، اگرچہ متعدی ہو، اہل خانہ اور متعلقین تعدیہ مرض سے بچنے کے لئے دوسرے طریقے اختیار کریں۔

## مسنون و مستحب علاج کی تفصیل

مرض قابل تحمل ہے اور علاج کی استطاعت بھی ہے اور اگر علاج نہیں کرتا، تو ہلاکت یا عضوء کے تلف ہونے کا خطرہ نہیں ہے، صرف کمزوری کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں علاج مسنون و مستحب ہے، غرضیکہ شرائط وجوب میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو جائے، تو علاج مسنون و مستحب ہوگا، واجب نہ رہے گا۔

## مباح و جائز علاج کی تفصیل

اگر شرائط وجوب مفقود ہوں اور ترکِ علاج کی صورت میں ضعفِ بدن کا خطرہ بھی نہ ہو، تو ایسی صورت میں علاج کرنا محض مباح و جائز ہے، لہٰذا مندرجہ ذیل صورتوں میں علاج مباح ہے:

(۱) مرض معمولی اور قابل تحمل ہے، مثلاً عام سر کا درد وغیرہ، خواہ وہ استطاعت رکھتا ہو اور شفاء کا بھی یقین یا غالب گمان ہو۔

(۲) مرض ناقابل تحمل ہے اور نفس یا عضوء کے ضیاع کا اندیشہ ہے، لیکن اس کی استطاعت نہیں ہے، یا علاج کے نتیجے میں شفاء کا یقین اور غالب گمان نہیں ہے۔

(۳) مرض ناقابل تحمل ہے، اور علاج کی استطاعت بھی ہے، لیکن شفایاب ہونا یقینی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا غالب ظن ہے، بلکہ ظن محض ہے، یعنی شفاء اور عدم شفاء دونوں مساوی ہیں۔

(۴) جن امراض کا علاج دریافت نہیں ہوا، ان کا تجرباتی طور پر علاج کرنا بھی کم از کم مباح ہے۔

ان صورتوں میں علاج کے مباح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر علاج نہ کرے، تو گناہ گار نہیں ہے اور اگر علاج کرتا ہے، تو یہ اضاعتِ مال اور اسراف میں داخل نہیں ہے، لہٰذا علاج کرنے پر گناہ نہ ہوگا۔

## مکروہ علاج کی تفصیل

اس کی صورت یہ ہے کہ ایسا طریقہ علاج اختیار کیا جائے کہ اس میں جس مرض سے نجات مقصود ہے، اس علاج کے نتیجہ میں اس سے زیادہ سخت مرض یا امراض کے لاحق ہونے کا خوف پایا جاتا ہے، جیسا کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے، یہ مطلقاً مکروہ ہے خواہ اصل مرض ختم ہو یا نہ ہو، بلکہ ایسی صورت میں ڈاکٹر کا بھی ایسے مرض کا علاج کرنا درست نہیں ہے، ایسے علاج کا ترک کرنا ضروری ہے۔

حافظ ابن القیمؒ نے طبیب حاذق کی بیس نشانیاں لکھی ہیں، تیرھویں نشانی کے تحت لکھتے ہیں:

" الثالث عشر: أن لايكون كل قصده إزالة تلك العلة فقط، بل إزالتها على وجه لا يأمن معها حدوث علة أخرىٰ أصعب منها، فمتىٰ كان إزالتها لا يأمن معها حدوث علة أخرىٰ أصعب منها أبقاها علىٰ حالها، وتلطيفها هو الواجب، وهذا كمرض أفواه العروق، فإنه متىٰ

عولج بقطعه وحبسه خيف حدوث ما هو أصعب منه"۔(۱)

وضاحت: اگر کوئی مریض لاعلاج مرض میں مبتلاء ہو جائے اور ڈاکٹر کہہ دیں کہ یہ مریض ختم (مرنے) ہونے والا ہے، اب بچ نہیں سکتا تو اس کے علاج کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کا علاج جاری رکھنا اضاعت مال اور مکروہ ہے، یا نہیں؟ ہندیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہے کہ اس صورت میں علاج چھوڑنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

"في الجراحات المخوفة والقروح العظيمة والحصاة الواقعة في المثانه ونحوها إن قيل قد ينجو وقد لا يموت، أو ينجو ولا يموت، يعالج، وإن قيل لا ينجو أصلا لايداوى بل يترك، كذا في الظهيريه"۔(۲)

## میڈیکل میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے:

اطباء (ڈاکٹرز) انسانی بدن کی تندرستی اور حفاظت جیسے اہم فریضہ اور عظیم الشان خدمت کو انجام دیتے ہیں، اس لئے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت نازک ہیں، خصوصاً عصر حاضر میں کہ امراض اور حوادث کی کثرت کی وجہ سے روز بروز اطباء (ڈاکٹرز) کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے، علاج ومعالجہ کی روز افزوں کی وجہ سے کسبِ زر کے لئے اس شعبہ میں بعض ایسے افراد بھی داخل ہو گئے ہیں، جو اس معزز پیشے کے لئے بدنما داغ کے مترادف ہیں۔

ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے، بلکہ واجب ہے کہ وہ فن طب یعنی میڈیکل میں مطلوبہ مہارت حاصل کرے، بغیر مہارت حاصل کئے علاج ومعالجہ کرنا انتہائی خطرناک ہے، اگر دیکھا جائے تو شریعت میں کسی بھی عمل کے لئے بنیادی شرط "اہلیت" ہے۔

اس لئے علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ وہ تین اشخاص پر حجر (پابندی) کے قائل ہیں:

(۱) زاد المعاد: ۴/۱۶۴

(۲) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی والعشرون: ۵/۴۴

۱)......آوارہ فکر مفتی۔ ۲)......جاہل طبیب۔

۳)......اور دیوالیہ شخص۔

اور یہاں تک لکھا ہے کہ یہ ممانعت ان تین حضرات کے حق میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تقاضہ سے ہے۔(۱)

اس لئے اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اہلیت وصلاحیت سے محرومی کے باوجود لوگوں کا علاج کرتا رہتا ہے، تو مریض کی جان ضائع ہونے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا۔

زادالمیعاد میں ہے:

" فإذا تعاطی علم الطب وعمله ولم يتقدم له معرفة فقد هجم بجهله علی إتلاف الأنفس وأقدم بالتهود علی مالم يعمله فيكون قد غرر بالعليل فيلزمه الضمان لذلك وهذا إجماع أهل العلم"۔(۲)

ترجمہ: جو شخص طب کی تعلیم دینے لگے، حالانکہ اس سے پہلے خود اس فن کو حاصل نہ کیا ہو، پس اپنی ناواقفیت کی بناء پر لوگوں کی جانیں ضائع کر رہا ہے اور غیر ذمہ داری کے باعث ایسا کام کر رہا ہے جس سے وہ خود واقف نہیں، تو وہ مریض کو دھوکہ دے رہا ہے، لہٰذا اس پر تاوان واجب ہوگا، اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

طبیب اس وقت تک اہلیت کے کمال درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک یہ دو باتیں اس کے اندر پوری طرح میں نہ پائی جائیں:

(۱) جن امراض کے اندر اس کو خصوصیت اور مہارت حاصل ہو، اس کے مکمل علاج کا علم بصیرت کیساتھ رکھتا ہو۔

(۲) ان امراض کی تطبیق اور وجہ امراض پر قادر ہو۔

ان دو باتوں کی عدم موجودگی میں شریعت طب کی مشق کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور

---

(۱) بدائع الصنائع:(۱۷۲/۶) مکتبہ حقانیہ، پشاور

(۲) زادالمعاد:۱۲۹/۴

بہت سے اہل فن نے طبیب کی اخلاقیات میں ان کو بیان کیا ہے۔

## جاہل اور ماہر معالج کا معیار

شریعت میں بعض اہم مسائل وہ ہیں، جن کا مدار طبیبِ حاذق کے مشورہ اور تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں، نیز کبھی طبیب کا غلط علاج مریض کے لئے جان لیوا، مہلک اور پریشان کن مرض کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے علاج کا حق بھی شریعت نے طبیب حاذق کے ساتھ محدود کر دیا ہے، لہٰذا یہ بات حل طلب ہے کہ کون طبیب حاذق ہے اور کون غیر حاذق وغیر معتبر؟۔

فقہاء کرام نے اپنے اپنے زمانہ اور احوال کے مطابق یہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس معالج کو حاذق کہا جائے اور کس کو جاہل وغیر حاذق؟

فتویٰ کی مشہور کتاب ''فتاویٰ سراجیہ'' میں لکھا ہے:

''وہ معالج جاہل اور غیر حاذق سمجھا جائے گا جو زہر کو دوا سمجھ کر دے دیتا ہے''۔(۱)

علامہ بابرتی لکھتے ہیں:

''وہ معالج جو بیمار کو مہلک دوا پلادے اور اس کے مہلک اور نقصان دہ ہونے کی اس کو معرفت اور پہچان نہ ہو''۔(۲)

بعض نے یہ لکھا ہے:

''جاہل معالج وہ ہے کہ اگر اس نے غلط دوا دے دی، تو اس کے منفی اثر (ری ایکشن) کو دور کرنے کی صلاحیت و معرفت نہ رکھتا ہو''۔(۳)

ان تینوں باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جس معالج کو دواؤں کی صحیح پہچان نہ ہو، محض تجربہ کی بناء پر دواء دیتا ہو اور ری ایکشن کو ختم کرنے کی صلاحیت نہ ہو، تو ایسے شخص کو جاہل طبیب

(۱) فتاویٰ السراجیہ: (ص:۱۴۰)

(۲) العنایہ علی الہدایہ: (۳/۳۵۴)

(۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ: (۵/۴۴۹)

قرار دیا جائے گا۔

لیکن یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ متقدمین فقہاء کے زمانے میں فن معالجہ اس قدر پیچیدہ نہیں تھا اور نہ اس قدر پھیلے ہوئے طرح طرح کے امراض تھے، اس لئے اس دور میں چند کتابوں کا پڑھ لینا اور کسی تجربہ کار معالج کے پاس وقت گزار لینا فن طب کے لئے اور اس کے مستند ہونے کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا اور اسے "طبیب حاذق" متصور کیا جاتا تھا، اسی لحاظ سے اوپر جاہل معالج کا معیار اور مدار نقل کیا گیا ہے، لیکن موجودہ دور میں فن طب ترقی کے بام عروج پر ہے، نیز اس وقت بنیادی طور پر میڈیکل سائنس تین چیزوں سے بحث کرتی ہے:

(۱) امراض کی علامت وشناخت۔

(۲) دوا اور اس کے ایجابی اور سلبی اثرات (ایکشن اور ری ایکشن)

(۳) مریض کے جسم میں دواؤں کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ اگر ہے، تو کس درجہ میں؟

ان تینوں پہلوؤں کے اعتبار سے اس دور میں علاج ومعالجہ کی عجیب عجیب شکلیں وجود میں آچکی ہیں اور اب اس فن میں ادنیٰ غلطی موت کا سبب، یا کسی عضو کے مثلا بینائی کے بیکار ہوجانے کا ذریعہ بن جاتی ہے، جیسا کہ اس دور میں ڈاکٹر کی ادنیٰ بے توجہی اور کم علمی کی بناء پر مریضوں کے دردناک حالات وواقعات سننے میں آتے رہتے ہیں، اس لئے اس دور میں تعلیم وتعلم کے بغیر محض تجربہ کی بنیاد پر اس پیشہ میں کسی بھی معالج کو طبیب حاذق نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہی شخص طبیب کہلانے کا مستحق ہوگا، جس کو طبی کالج اور محکمہ صحت کی طرف سے علاج ومعالجہ کی سند اور اجازت حاصل ہو۔(۱)

## غیر سند یافتہ ڈاکٹر کے نقصان پر تاوان لازم ہوگا:

اگر کوئی شخص فن طب کے معیار کے مطابق ڈاکٹر نہیں، بلکہ محض مطالعہ، کتب بینی اور کسی

(۱) علاج ومعالجہ کے شرعی احکام: ص ۵۴

ڈاکٹر کے ساتھ رہنے سے کچھ معلومات حاصل کر کے ڈاکٹری کا پیشہ شروع کر دیتا ہے، ایسے شخص نے اگر کسی کا علاج کیا اور اس علاج کی بناء پر اس کو غیر معمولی نقصان پہنچا، تو اس خود ساختہ ڈاکٹر پر تاوان حسبِ نقصان لازم آئے گا، فرمان نبوی ہے:

"أیما طبیب تطبب علی قوم لایعرف له تطبب قبل ذلك فاعنت فهو ضامن"۔(۱)

جس معالج نے لوگوں علاج کیا، حالانکہ پہلے سے اس کو اس فن میں معرفت نہیں تھی، چنانچہ اس کا علاج باعث نقصان بنا، تو وہ اس کا ضامن ہوگا، یعنی بقدر نقصان جرمانہ اس کو دینا ہوگا۔

اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ جو شخص صلاحیت اور اہلیت سے محرومی کے باوجود لوگوں کا علاج کرتا رہتا ہے، تو مریض کی جان جانے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا، چنانچہ سنن ابوداؤد میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من تطبب ولایعلم منه طب فهو ضامن"۔(۲)

ترجمہ: جو شخص لوگوں کا علاج کرے اور علاج کرنا اس کو نہ آتا ہو، تو وہ ضامن ہوگا۔

علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ بذل المجہود میں فرماتے ہیں:

"قال الخطابی: ولا أعلم خلافا فی أن المعالج إذا تعدی فتلف المریض کان ضامنا والمتعاطی علما أو عملا لایعرفه فهو معتد فإذا تولد من فعله التلف ضمن الدیة"۔(۳)

ترجمہ: علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ اس بارے میں کوئی اختلاف ہو کہ اگر معالج (ڈاکٹر) جب تعدی کرے اور مریض کو ضائع کر دے

(۱) سنن ابوداؤد: ۲/۶۳۰

(۳) بذل المجہود شرح سنن ابوداؤد: ۶/۱۸۷، مکتبہ قاسمیہ ملتان

(۲) ابوداؤد: ۲/۲۸۲

،تو وہ ضامن ہوگا اور جو علم یا عملی مشق کے لحاظ سے جاہل ہو اور طب نہ جانتا ہو، تو وہ حد سے آگے بڑھنے والا ہے، جب اس سے کوئی نقصان پیدا ہوگا، تو وہ ضامن ہوگا۔

پس طبیب کے لئے مریض کا علاج کرنا اس وقت تک جائز نہیں، جب تک اس کو بیماری کا علم نہ ہو، جاہل ہو، علم طب سے واقف نہ ہو، یا علم طب میں تجربہ نہ ہو، تو مریض کا علاج کرنا اور دواء تجویز کرنا اس کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے، اس کا یہ اقدام جرم شمار کیا جائے گا، اس لئے کہ مسلمان کا خون، مال اور عزت لوٹنا شریعت میں حرام ہے، بخاری شریف میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے یوم النحر کو ارشاد فرمایا:

”فإن دماكم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام، كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا، في بلدكم هذا“۔(۱)

ترجمہ: بے شک تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں، جیسے اس دن کی حرمت، اس مہینے کی حرمت، اور اس شہر کی حرمت۔

اس لئے حکومتِ وقت کو چاہئے کہ ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھے اور جاہل طبیبوں پر پابندی لگائے، تاکہ لوگوں کی جان محفوظ ہو اور ایسے لوگوں کو حکومت تعزیری سزاء بھی جاری کرے، بلکہ حکومت وقت ایسے لوگوں کو جیل میں ڈال دیں۔

## جعلی ڈاکٹر جانتے ہوئے علاج کرانے پر تاوان لازم نہیں:

اگر مریض کو یہ بات معلوم ہے کہ فلاں معالج نے باضابطہ فن طب پڑھا نہیں ہے، بلکہ کتب بینی اور ڈاکٹروں کے ساتھ رہتے رہتے اسے کچھ تجربہ ہے، یہ معلوم ہونے کے باوجود اگر مریض نے اس سے علاج کرایا اور اسے نقصان پہنچا تو اس صورت میں خود ساختہ ڈاکٹر پر کوئی تاوان اور جرمانہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں ڈاکٹر کی طرف سے دھوکہ دہی

(۱) بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع: ۱/۱۶۔ دارالحدیث ملتان

نہیں پائی گئی، البتہ حکومت کی طرف سے سزا اور تعزیر کا ضرور مستحق ہوگا۔

## ماہر ڈاکٹر سے نقصان پر تاوان کب؟

مستند اور ماہرین فن طبیب نے علاج میں اپنی طرف سے کسی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کیا، لیکن پھر بھی کوئی نقصان پہنچا، تو اس پر کوئی تاوان لازم نہیں ہوگا۔(۱)

لیکن اگر مریض کے علاج کرنے میں اس نے فنی کوتاہی اور بے احتیاطی سے کام لیا اور اس کی وجہ سے مریض کو ضرر پہنچ گیا، تو ڈاکٹر پر تاوان لازم ہوگا، چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ معالج نے ختنہ کرنے، دانت نکالنے اور علاج کرنے میں کوتاہی کی، تو اس صورت میں تاوان و جرمانہ لازم ہوگا۔(۲)

علامہ ابن قدامہؒ نے اس موقع پر ایک اصولی بات لکھی ہے کہ علاج و معالجہ میں اگر دو شرطیں پائی جائیں، پھر بھی نقصان ہو، تو ڈاکٹر ضامن نہ ہوگا۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی، تو ڈاکٹر کو تاوان دینا ہوگا:

(۱) معالج اپنے فن طب میں بصیرت اور مہارت رکھتا ہو (یعنی اس کی مہارت مشہور ہو)۔

(۲) ان امراض کی تطبیق اور وجہ امراض پر قادر ہو۔

اس کے علاج میں کوتاہی سے کام نہ لیا ہو، گویا بے بصیرتی کے ساتھ علاج کرنا بھی جائز نہیں اور مہارت کے باوجود کوتاہی بھی نا قابل معافی ہے۔(۳)

اس لئے ایک سرجن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس چیز کا آپریشن کر رہا ہے، اس میں اس نے تجربہ کار اساتذہ کی نگرانی میں سرجری کرنا سیکھا ہو، سرجری آپریشن اور انسانی علاج و معالجہ انتہائی اہم کام ہیں، جو انتہائی توجہ کا متقاضی ہے، اس سارے عمل میں ڈاکٹر کو پوری توجہ سے کام کرنا چاہئے اور کسی لمحے بھی سستی نہیں کرنی چاہئے اور نہ کسی قسم کا لالچ اور طمع کرنا

(۱) زاد المعاد: ۴/۱۳۹

(۲) شرح الصغیر: ۴/۴۷

(۳) المغنی: ۵/۳۱۲

چاہئے، جو کسی انسان کی موت کا باعث بنے۔

ہمارے ہاں حکومتی سطح پر یہ قانون موجود ہے کہ سرجری سے قبل مریض کے لواحقین سے رضامندی حاصل کر لی جائے کہ دوران سرجری یا بعد از سرجری اگر مریض کو کچھ ہو جاتا ہے، تو ڈاکٹر اس کا ذمہ دار نہیں۔ ایسی صورت میں مریض کے لواحقین بھی دستخط کر دیتے ہیں، چلو یہ تو معاملہ ہے ایک قانون اور ملکی تحفظ کا، لیکن اس سے ڈاکٹر کو یہ اختیار نہیں دے دیا گیا کہ وہ اب مریض کو اسٹریچر پر لٹا کر کسی بھی قسم کی سستی یا کوتاہی کا ارتکاب کرے، اگر کسی ڈاکٹر کی سستی یا کوتاہی کی وجہ سے کسی شخص کی موت واقع ہو جاتی ہے، تو ٹھیک ہے قانون تو اس کو تحفظ فراہم کرے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا شخص مجرم ہے، جس کی غلطی سے مریض ہلاک ہوا ہے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہئے ایسی خبریں اکثر اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں کہ ڈاکٹر اور ہسپتال کے عملے کی کوتاہی کی وجہ سے کئی افراد کی موت واقع ہوگئی، ایک ڈاکٹر کو انسانی خدمت کے جذبے سے سرشار ہونا چاہئے۔

## آپریشن کی ابتداء:

دور حاضر میں فن جراحت (Surjery) نے بے حد ترقی کی، نازک سے نازک آپریشن ہو رہے ہیں، لیکن ان کا سہرا مغرب کے سر نہیں ہو سکتا، وہ تو ہماری ابتداء کی ترقی ہے، اس کا سہرا تو اسلام کے سر ہے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مریض کی عیادت کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک شخص کی کمر میں پھوڑے کا ورم تھا اور اس میں پیپ پڑ چکی تھی، حضور ﷺ نے مجھے اس میں تیر سے شگاف کرنے کا حکم دیا، میں نے اسی وقت شگاف (آپریشن) کر دیا، اور حضور ﷺ وہاں موجود تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جراحت (آپریشن) کے بڑے ماہر تھے، تب ہی تو حضور ﷺ ان سے یہ کام لیا کرتے تھے، ایک مقام پر استسقاء کے مریض کے پیٹ

سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہتھیار سے پانی نکالنے کا واقعہ موجود ہے۔(۱)

اسی طرح حضور ﷺ کے زمانے ہی سے فن جراحت (آپریشن) کے ماہرین موجود تھے، ابن رمثہ تیمی یہ حضور ﷺ کے زمانے میں آپریشن میں متخصص اور ماہر تھے۔

"وابن رمثة التيمي وكان في عهد الرسول الكريم متخصصا في الجراحة بارعا فيها"۔(۲)

## حکیم جالینوس کی خدمات وایجادات:

فن جراحت اور طب یونان والوں نے اہل مصر سے سیکھا، حکیم جالینوس نے علم طب مدرسہ اسکندریہ میں جا کر سیکھا، اس وقت مصر میں فن جراحت کے ماہرین موجود تھے، حتیٰ کہ مدرسہ اسکندریہ اس زمانے میں میڈیکل کالج بن گیا تھا، جہاں پر بے شمار اطباء اور جراحین (سرجن) موجود تھے۔

حکیم جالینوس (galenus) مختصر (galen) ۱۳۱ء تا ۲۰۰ء کا نام طب میں نہایت ہی معزز اور ممتاز ہے، وہ علم تشریح میں ایرا سیطر، اطرس اور ہیرافیلوس کا معتقد اور پیرو تھا، اس نے کئی مردہ بندروں، کئی دیگر حیوانات، ایک مردہ ہاتھی اور کسی ایک انسانی مردہ لاشوں کو چیرا۔ نظام عصبی کی تشریح میں اس نے خصوصیت سے بہت تحقیقات کیں، چنانچہ دماغی بطون کے اندر چند ایک باریک وریدیں اب تک اسی کے نام سے مشہور ہیں، یعنی اوردہ جالینوسیہ (وینی گیلیانی) کہلاتی ہیں۔

حکیم جالینوس سب سے پہلا شخص ہے، جس نے افعال الاعضاء کو طب کے دوسرے شعبوں سے علیحدہ کیا اور مستقل مضمون قرار دے کر منافع الاعضاء پر جالینوسی کتاب لکھی، اور تشخیص امراض کو امتحانی افعال الاعضاء (ایکس پیری منٹل فزیالوجی) پر منحصر کیا، غرضیکہ وہ ایک جدت پسند عالم تشریح ومنافع الاعضاء اور ایک قابل ونامور جراح (سرجن) تھا۔

(۱) اسلام اور جدید میڈیکل سائنس: ۲/ ۳۵۵

(۲) لمحۃ عن الجراحۃ فی فجر الاسلام دکتور ہنری امین عوض مصر

مسلمانوں کے دور ترقیات میں ابوالقاسم زہراوی، ابن زہر، زکریا رازی اور علاء الدین ایرانی وغیرہ کئی ایک نامور حکیم گزرے ہیں، جو فن جراحت (سرجری) سے بھی بخوبی واقف تھے، لیکن علم تشریح و منافع الاعضاء میں ان کی معلومات یونانیوں کی کتابوں تک محدود رہیں اور عملی تشریح کی طرف ان کی توجہ نہ ہوئی۔ (۱)

## زہراوی کی خدمات وایجادات:

الزہراوی پہلے سرجن ہیں جنہوں نے آپریشن کیا ہے، ایک دفعہ انہوں نے ایک آنکھ والے آدمی کے موتیابند کا نازک آپریشن کیا۔

الزہراوی نے علاج بالکی یعنی زخموں کو جلانے یا داغنے (cauterization) مثانہ کی پتھری کو پیسنے اور آپریشن کے ذریعہ اسے نکالنے، آنکھوں اور دانتوں کی سرجری، قطع اعضاء اور پٹی باندھنے کے عملی طریقے بیان کیے، نیز انہوں نے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے اور ٹوٹی ہوئی چپنی کی ہڈی کو آپریشن سے الگ کرنے کے طریقوں کی وضاحت کی۔

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جراحی آلات کے ذریعے وضع حمل کرانے کا طریقہ ایجاد کیا ، جیسے آج walcher position کہتے ہیں، انہوں نے کٹی ہوئی شریانوں کا خون بند کرنے کے لئے انہیں باندھنے اور ہڈیوں کو جوڑنے کے بعد ان پر پلستر چڑھانے کے طریقے بتائے۔ زخموں کو ٹانکنے کے لئے موزوں دھاگوں اور تانتوں کا استعمال کرنا بھی انہی کا اختراع ہے۔

مزید برآں آپریشن سے پہلے مریض کو مسکن دوائی (بے ہوشی والی دوائی) کھلانا بھی الزہراوی کی ہی ایجاد ہے، الزہراوی نے آلات جراحی کی ساخت پر بھی توجہ دی، وہ جراحی میں درکار آلات قرطبہ کے کاریگروں سے اپنی نگرانی میں تیار کرواتے تھے، یہ آلات اعلیٰ قسم کے فولاد سے بنائے جاتے تھے، انہوں نے اپنی کتاب میں تقریبا دوسو ایسے آلات کی تصویریں دی ہیں، جو عمل جراحی میں درکار ہوتے ہیں۔

(۱) فزیالوجی ص ۵ پروفیسر طبیب بشیر احمد ظفر

ان میں سے اکثر آلات انہوں نے خود ایجاد کئے، سرجری میں آج بھی انہیں استعمال کیا جاتا ہے، ابوالقاسم الزہراوی نے جراحی کے اصول وقواعد وضع کر کے اسے فن کی شکل عطاء کی، یہی وجہ ہے کہ انہیں سرجری کا موجد مانا جاتا ہے، مغرب کے اہل قلم اکثر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرون وسطیٰ کے اس مسلم سائنسدان نے سرجری کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔

الزہراوی کے اثرات کا اعتراف فضلائے یورپ وامریکہ نے بھی کیا، کستاولی لی بان کا بیان ہے کہ البقاسس کا نام یورپ میں پندرھویں صدی میں پہنچا، لیکن اس نے اس وقت بڑی شہرت حاصل کی۔

ہالر لکھتا ہے کہ ان کل جراحوں کا جو چودھویں صدی کے بعد گزرے ہیں، اسی کی تصنیفات پر دارومدار تھا، ول دوران کا کہنا ہے کہ ابوالقاسم الزہراوی خلیفہ عبدالرحمٰن سوم کے طبیب، عیسائی دنیا میں ابوالکاسس کے نام سے سرفراز ہوئے، وہ عظیم ترین مسلم سرجن تھے، ان کی ضخیم کتاب ''التصریف'' میں سرجری پر تین فصلیں شامل ہیں، جن کا لاطینی ترجمہ کئی صدیوں تک معیاری نصاب بنا رہا۔(۱)

جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر فتح ہوا، تو اس فن کو یونانی زبان سے عربی میں منتقل کیا گیا، جراحت اور ولادت پر سب سے پہلے، بولس الاحنطی نے کتب لکھی، حنین ابن اسحاق العبادی نے اس کی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان کو عربی میں منتقل کیا۔

"وبتطور الجراحة سريعا نجد حنين ابن اسحاق العبادى قام بترجمة كتب الجراحة والولادة التى الفها الجراح بولس الاحنطى"۔(۲)

مقصد یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ فن طب میں اہل اسلام کا کوئی حصہ نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں میں بڑے بڑے طبیب (ڈاکٹر) گزرے ہیں، جو طب کے ہر شعبے میں ماہر تھے۔

---

(۱) مسلمانوں کے سائنسی کارنامے: (ص:۲۳۶)

(۲) لمحۃ عن الجراحۃ فی فجر الاسلام دکتور ھنری امین عوض مصری

## آپریشن (سرجری) کا معنی

آپریشن (surjery) کو عربی میں جراحہ کہتے ہیں، جُرح اور جراحۃ کا معنی آتا ہے: زخم، گوشت کا چیرنا اور جراح کہا جاتا ہے زخم کی دواء کرنے والا یعنی سرجن۔(۱)

## سرجری کی مشروعیت کی شرائط:

مسئلہ: میڈیکل سرجری بسا اوقات مریض کی موت وہلاکت یا کسی عضوء کے تلف ہونے کا سبب بن جاتی ہے، اس لئے فقہاء کرامؒ نے اس کی مشروعیت اور جواز کے لئے آٹھ شرائط بیان کیے ہیں:

(۱) سرجری مشروع اور جائز ہو، یعنی جو آپریشن کیا جا رہا ہے، وہ شرعاً جائز بھی ہو، اسلام میں اس کے کرنے کی اجازت بھی ہو۔

(۲) مریض سرجری کا محتاج بھی ہو، یعنی واقعتاً سرجری کی ضرورت بھی ہو۔

(۳) مریض آپریشن کرنے کی اجازت بھی دے، بغیر اجازت کے آپریشن کرنا جائز نہیں ہے (اجازت کے مسائل آگے آ رہے ہیں)

(۴) سرجن اور اس کے مددگار ڈاکٹرز اور اہلکاروں میں اہلیت کاملہ بھی موجود ہو، یعنی ڈاکٹر خود سرجن ہو اور اس کے اہل کار بھی ایسے ہوں جو اس سے پہلے آپریشن کر چکے ہوں، سند یافتہ سرجن ہو۔

(۵) سرجن کو سرجری کے کامیابی کا غالب گمان ہو۔

(۶) سرجری کا ایسا متبادل نہ پایا جائے، جو ضرر میں اس سے خفیف ہو، یعنی اس کے علاوہ نقصان میں کم درجے کا علاج موجود نہ ہو۔

(۷) سرجری پر مصلحت مرتب ہو۔

(۸) سرجری کی وجہ سے ایسا ضرر (نقصان) لاحق نہ ہو، جو موجودہ ضرر اور بیماری سے

---

(۱) لغات الحدیث: ۱/ ۲۸۴

بڑھ کر ہو۔

مسئلہ: اگر تجربہ کار سرجن کو میڈیکل سرجری کی وجہ سے مریض کے ہلاک ہونے کا غالب گمان ہو، تو اس وقت میڈیکل سرجری کرنا حرام ہوگی، کیونکہ مسلمان کی جان بچانا ضروری ہے، اور اس صورت میں ایک جان کو مارنا لازم آئے گا۔

## کیا ڈاکٹر کے لئے آپریشن سے پہلے اجازت لینا ضروری ہے؟

اگر ڈاکٹر کی رائے کے مطابق زیر علاج مریض کا آپریشن ضروری ہو، تو ڈاکٹر کو چاہئے کہ وہ مریض یا مریض کے قریبی رشتہ داروں (اولیاء) سے آپریشن کی اجازت لے، اگر اجازت لینا ممکن ہو (عموماً ڈاکٹر مریض کا بغیر اجازت کے آپریشن نہیں کرتا) اگر اجازت لئے بغیر ڈاکٹر نے آپریشن کر ڈالا اور آپریشن ناکام ہوا اور وہ آپریشن مہلک ثابت ہوا جس سے وہ مریض فوت ہو گیا، یا وہ عضو جس کا آپریشن کیا گیا ہے، وہ بیکار ہو گیا، تو ایسی صورت میں ڈاکٹر (سرجن) مریض کو پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر چہ وہ قانونی طور پر آپریشن کا مجاز ہو اور تجربہ بھی رکھتا ہو، تب بھی ضامن ہوگا، اس لئے خود مریض سے یا اس کے اولیاء سے اجازت لینا ضروری ہے، اگر چہ ولایت کا تعلق تو دراصل نکاح کے ساتھ ہے، لیکن فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج اور جسمانی تصرف کے باب میں بھی اس کی اہمیت کچھ کم نہیں ہے، چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

"قال اقطع يدى فقطعه لا شيء عليه "۔(۱)

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ دو، اس نے کاٹ دیا، تو کاٹنے والے پر کچھ ضمان نہیں ہوگا، ضمان اس لئے نہیں کہ اس نے صراحتاً اجازت دی ہے، اگر بغیر اجازت کے کاٹتا تو دیت لازم ہوتی۔

علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

"وإن اختتن صبيا بغير إذن وليه فسرت جناية ضمن، لأنه قطع غير

(۱) فتاویٰ بزازیہ: ۶/۳۸۳

ماذون فيه"۔(۱)

اگر ولی کی اجازت کے بغیر بچے کا ختنہ کیا اور اس کا زخم پھیل گیا، تو وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے بغیر اجازت کے کاٹا ہے۔

عبدالقادر عودہ تحریر کرتے ہیں:

''مریض کے جسم میں قطع و برید وغیرہ کا ایسا عمل جس سے اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اگر مریض یا مریض کے متعلقین کی اجازت کے بغیر انجام دیا گیا، جب کہ وہ موجود ہیں اور ان سے اجازت لینا ممکن بھی ہے، تو طبیب کی مہارت کے باوجود نقصان کی صورت میں اس پر ضمان واجب ہوگا''۔

## بغیر اجازت آپریشن پر تاوان:

مفتی انعام الحق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

''مریض کسی مرض میں گرچکا ہے اور اس کے لئے آپریشن ناگزیر ہے، تو اس صورت میں خود مریض یا اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر آپریشن کرنا جائز نہیں ہوگا، لہٰذا مریض یا اولیاء سے اگر اجازت لینا ممکن تھا، پھر بھی بغیر اجازت ڈاکٹر نے آپریشن کر دیا اور وہ آپریشن مضر یا مہلک ثابت ہوا، تو ضمان لازم ہوگا''۔

"ويستفاد بمجموع الروايتين اشتراط عدم التجاوز، والإذن لعدم وجوب الضمان، حتىٰ إذا عدم أحدهما أو كلاهما يجب الضمان"۔(۲)

## اجازت کی صورت:

اجازت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ سرجن (ڈاکٹر) مریض یا اس کے وارث اور ولی سے

(۱) المغنی: ۵/۳۱۲

(۲) البحر الرائق: ۱/۲۹۔ بحوالہ علاج و معالجہ کے شرعی احکام، ص: ۶۰

اجازت نامے پر دستخط لے لیتا ہے، جب تک اس پر دستخط نہ ہو، ڈاکٹر سرجری شروع نہیں کرتا، اجازت نامے کا نمونہ کچھ یوں ہوتا ہے۔

## رضامندی برائے آپریشن

ہارٹس انٹرنیشنل ہسپتال راولپنڈی

میں ........... کے عارضہ میں مبتلاء ہوں، جس کے لئے........... آپریشن تجویز کیا گیا ہے، مجھے ڈاکٹر ........... نے اس آپریشن کے بارے میں جملہ فوائد اور خدشات سے جن میں جان کا خطرہ اور جسمانی معذوری بھی شامل ہے، آگاہ کر دیا ہے، میں ہارٹس انٹرنیشنل ہسپتال راولپنڈی میں اس آپریشن اور اسی دوران حسب ضرورت دوسرے متعلقہ طریقہ کار اور اضافی آپریشن کے لئے ہر قسم کی بے ہوشی میں پورے طور پر تیار اور رضاء مند ہوں، مجھے اس سلسلے میں قطعی طور پر کوئی گارنٹی نہیں دی گئی کہ آپریشن اور دوسرا طریقہ کار یا عمل بے ہوشی کوئی خاص ڈاکٹر ہی کرے گا۔

مریض کے دستخط اور تاریخ　　　　ڈاکٹر یا وارڈ سسٹر کے دستخط اور تاریخ

## اجازت دینے کی دو صورتیں

میڈیکل سرجری کے لئے اجازت دینے کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اذن مطلق: یعنی مطلق اجازت۔

(۲) اذن مقید: وہ اجازت جو کسی قید یا شرط یا مخصوص مرض کیساتھ مقید و مشروط ہو۔

پہلی قسم اذن مطلق: یہ وہ اذن ہے کہ مریض ڈاکٹر سے کہے کہ آپ جو بھی مرض پائیں، اس کا جس طرح بھی علاج کرنا چاہیں، میری طرف سے اس کی اجازت ہے، یہ اجازت آپریشن کو بھی شامل ہوگی مطلق ہونے کی وجہ سے، اگر ایسا مرض ہو جس میں آپریشن کی ضرورت ہو، تو ڈاکٹر آپریشن کرنے کا مجاز ہوگا۔

دوسری قسم اذن مقید: وہ اذن ہے کہ مریض ڈاکٹر کو کسی خاص مرض کی سرجری کرنے کی

اجازت دے۔

## مریض کی اجازت کی دو شرطیں

مسئلہ: مریض کی اجازت قبول کرنے کے لئے بھی دو شرطیں ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ مریض اذن کا اہل ہو، یعنی مریض عاقل، بالغ ہو اور ہوش کی حالت میں اجازت دے، تب اس کی اجازت معتبر ہوگی۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مریض ابتداءً اذن پر قادر ہو۔

اگر مریض میں یہ دو شرطیں پائی جاتی ہیں، تو اس کے اولیاء کی اجازت معتبر نہ ہوگی، مریض سے صراحۃً اجازت لینا ضروری ہوگا۔

مسئلہ: بچے، مجنون، اور نشے میں مدہوش شخص کی اجازت قبول نہیں ہوگی، ایسی صورت میں اس کے ولی کی اجازت ضروری ہوگی۔

مسئلہ: ولی کی ولایت تب معتبر ہوگی جب مریض اذن کی اہلیت نہ رکھتا ہو، اولیاء میں اذن کی ترتیب باعتبارِ عصبات کے ہوگی، جیسے ولایت نکاح میں ہوتا ہے، ولی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اس میں بھی اہلیت موجود ہو، یعنی ولی عاقل، بالغ ہو لہٰذا نابالغ اور مجنون ولی کی اجازت کا اعتبار نہ ہوگا۔

مسئلہ: ولی یا مریض جب اجازت دے، تو ایسے الفاظ سے اجازت دے جو سرجری پر صراحۃً دلالت کر رہے ہوں، یا وہ الفاظ ہوں جو سرجری کے قائم مقام ہو اور ساتھ اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ مریض جس سرجری کی اجازت دے رہا ہے، وہ شرعاً جائز بھی ہو۔

علامہ وھبہ الزحیلی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

"ویشترط إذن المریض إذا کان تام الاھلیة، فإذا کان عدیم الأھلیة أو ناقصھا اعتبر إذن ولیه، حسب ترتیب الولایة الشرعیة ووفقاً لأحکامھا التی تحصر تصرف الولی"۔(۱)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ

روایت نمبر۱:

"عن ابن مجاهد عن أبيه إن علياً قال في الطبيب: إن لم يشهد على ما يعالج فلا يلومن إلا نفسه يقول يضمن"۔(۱)

ترجمہ: حضرت علی نے فرمایا کہ اگر طبیب علاج کے عمل پر گواہ نہ بنائے (اجازت نہ طلب کرے) تو اپنے آپ کو ملامت کرے، علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ ضامن ہوگا (اگر بغیر اجازت علاج کرے گا)

روایت نمبر۲:

"عن الضحاك بن مزاحم قال: خطب علي الناس، فقال: يا معشر الأطباء البياطرة والمتطببين! من عالج منكم إنساناً أو دابة فليأخذ لنفسه البراءة، فإنه إن عالج شيئاً ولم يأخذ لنفسه البراءة فعطب، فهو ضامن"۔(۲)

حضرت علیؓ نے دوران خطبہ اطباء اور پنساریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص بھی کسی انسان یا جانور کا علاج کرے، تو اپنے لئے اجازت لے لے، اگر کسی نے اجازت کے بغیر علاج کیا اور مریض ہلاک ہوگیا، تو اس پر ضمان ہے۔

## ضرورت کی بناء پر بلا اجازت آپریشن

اگر مریض یا اس کے اولیاء واعزہ سے آپریشن کی اجازت لینا ممکن نہ ہو، اور مرض کی نوعیت ایسی ہو کہ بغیر آپریشن کے کوئی چارہ نہ ہو اور مزید تاخیر کرنے کی گنجائش بھی نہ ہو، تو ڈاکٹر کے لئے ایسی صورت میں بغیر اجازت کے آپریشن کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ ممکن حد تک نفس انسانی کو بچانے کی کوشش کرنا خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازم قرار دیا گیا ہے، گو

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۹/۴۴۱۔ باب الطبیب کتاب العقول، حدیث نمبر: ۱۸۰۴۶

(۲) حوالہ بالا

کہ اس صورت میں ڈاکٹر انسان کی طرف سے ماذون (اجازت یافتہ) نہیں، لیکن شارع کی طرف سے ماذون (اجازت یافتہ) تصور ہوگا، انسانی جان بچانے کی کوشش کس درجہ کا اہم فریضہ ہے، اس کا اندازہ اس مسئلے سے کیا جاسکتا ہے، جسے علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں ذکر کیا ہے، علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

"إن اضطر إلى طعام و شراب لغيره فطلبه منه فمنعه إياه مع غنائه عنه في تلك الحال فمات ضمنه المطلوب منه "۔(۱)

ترجمہ: اگر کوئی آدمی دوسرے کے کھانے یا پینے کی چیز کی طرف مضطر ہوگیا اور اس سے وہ چیز طلب کی، اس نے اس وقت مستغنی ہونے کے باوجود منع کردیا، اور اس کی موت واقع ہوگئی، تو جن صاحب سے مانگا تھا، وہ ضامن ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو موقع ہلاکت میں دیکھ کر باوجود قدرت وطاقت کے اس کو بچانے کی کوشش نہ کی، تو گناہ گار تو ہوگا ہی، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کو انسانی فریضہ سے غفلت کی وجہ سے اس کا ضمان بھی ادا کرنا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر کو ایسے موقع پر غفلت وتاخیر سے کام نہیں لینا چاہئے، بلکہ اگر آپریشن سے اس کی جان بچ سکتی ہو، تو بلا اجازت بھی مریض کا آپریشن ڈاکٹر کرسکتا ہے۔

مفتی انعام الحق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

"کوئی مریض ایسے مرض ومصیبت میں مبتلاء ہے کہ ماہر معالج کی رائے میں فوری آپریشن ضروری ہے، ورنہ تاخیر سے اس کی جان جانے یا کسی عضوء کے تلف ہونے کا شدید خطرہ ہے، جبکہ نہ تو مریض اس اپوزیشن میں ہے کہ اجازت دے سکے اور نہ ہی وہاں اس کے اولیاء موجود ہیں، تو ایسی صورت میں ڈاکٹر کے لئے بلا اجازت آپریشن کرنے کی اجازت ہوگی، اگر اس آپریشن میں مریض کو نقصان پہنچا، تو ڈاکٹر پر کسی قسم کا تاوان لازم نہیں ہوگا"۔(۲)

---

(۱) المغنی: ۸/ ۲۳۸

(۲) علاج معالجہ کے شرعی احکام: (ص:۶۱) زمزم پبلشر کراچی

## طبیب کی اقسام اور ان کا حکم:

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ طبیب کی دو قسموں کا حکم لکھتے ہیں:

طبیب حاذق کا حکم: اس کے لئے علاج کرنا جائز ہے اور اس سے رفع ضمان کے لئے دو شرائط ہیں:

(۱) مریض یا اس کے ولی نے علاج کی اجازت دی ہو۔

(۲) علاج اصول طبیہ کے مطابق کی ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو اور مریض کا نقصان ہو جائے، تو ضمان واجب ہے، اگر بلا اذن علاج کیا، تو پورا ضمان واجب ہے اور اذن سے کیا ہو، تو اس میں یہ تفصیل ہے:

(۱) علاج کا پورا طریقہ اور عمل اصول طبیہ کے خلاف ہو، تو اس صورت میں اگر مریض ہلاک ہو گیا، تو پوری دیت لازم ہوگی، اور اگر کوئی عضو تلف ہو گیا، تو بحسب تفصیل فقہاء کے ضمان واجب ہوگا۔

(۲) کچھ عمل اصول طبیہ کے مطابق کیا اور کچھ اس کے خلاف کیا، تو اس صورت میں مریض ہلاک ہو گیا، تو نصف دیت واجب ہوگی اور اگر عضو تلف ہو گیا، تو پورا ضمان واجب ہوگا، اور اگر عضو میں نقصان آیا موضع معتاد سے تجاوز کی وجہ سے جو نقصان ہوا اسی کے بقدر ضمان آئے گا۔

طبیب جاہل کا حکم: اس کے لئے علاج کرنا جائز نہیں، بہر صورت پورا ضمان واجب ہوگا، خواہ اصول طبیہ کے مطابق علاج کرے، یا اس کے خلاف مریض یا اس کے ولی کی اجازت سے علاج کرے یا بلا اجازت۔

تنبیہ: وجوب ضمان اس صورت میں ہے کہ علاج میں ڈاکٹر یا طبیب کا اپنا ہاتھ استعمال ہوا ہو، مثلاً آپریشن کیا ہو، انجکشن لگایا ہو، یا اپنے ہاتھ سے دواء پلائی ہو۔ اور دواء بنا کر یا لکھ کر مریض کو دیدی مریض نے خود اپنے ہاتھ سے دوائی

پی، تو ضمان واجب نہ ہوگا، البتہ تعزیز بہر صورت واجب ہے"۔(۱)

## ایک اہم ضابطہ

شریعت کا ضابطہ ہے کہ جس پر جو کام واجب ہو اگر واجب کی ادائیگی میں کوئی نقصان پہنچا تو اس عامل پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر سے جب علاج کی بات کر لی اور اس نے علاج کرنے کو قبول کر لیا صراحۃً یا دلالۃً، جیسے اس کے پاس جانا اور اس کا دیکھنا وغیرہ یہ رضامندی کی علامت ہیں، علاج کی صورت میں نقصان پہنچا تو چونکہ وہ اس علاج کرنے کا اہل تھا، بلکہ علاج واجب ہو چکا تھا، اس لئے نقصان کی صورت میں تاوان عائد نہ ہوگا، البتہ اگر بے توجہی کی، تو تاوان لازم ہوتا ہے۔

## صحیح ہونے کی شرط پر آپریشن

علاج یا سرجری (آپریشن) وغیرہ کرانے میں خود مریض یا اس کے اولیاء ڈاکٹر سے اگر یہ شرط لگالیں کہ علاج یا آپریشن اس شرط پر کرو کہ مریض صحت مند ہو جائے گا اور بچ جائے گا اور بالفرض ڈاکٹر نے اس شرط کو منظور بھی کر لیا، لیکن سوءِ اتفاق کہ مریض مر گیا یا اس کے جسم کا کوئی حصہ ضائع ہو گیا، تو اس صورت میں شرط کے باوجود ڈاکٹر پر کوئی تاوان نہیں آئے گا۔

## ڈاکٹر کا بلا ضرورت آپریشن کرنا:

بسا اوقات مریض ایسا ہوتا ہے کہ بغیر آپریشن کے بھی اس کا علاج موجود ہوتا ہے، ایسی صورت میں ڈاکٹر کا مریض کو آپریشن کا مشورہ دینا یا اس کے لئے آپریشن تجویز کرنا جائز نہیں ہے، ہمارے معاشرے میں ایسے بے شمار ڈاکٹر موجود ہیں جن کا مقصد صرف اور صرف پیسہ کمانا ہے، حالانکہ ایک معالج (ڈاکٹر) کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا مقصد اصلی مال کمانا نہ ہو، بلکہ ایک انسان کی جان بچانے کو وہ اپنا فریضہ سمجھے اور حبِّ مال میں اندھے پن سے

(۱) احسن الفتاویٰ: ۸/ ۵۱۷۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

اجتناب کرے، ایک سرجن کے لئے ایسا آپریشن کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، جہاں پر دوسرے طریقہ سے علاج بغیر آپریشن کے موجود ہو۔

ایسے بے شمار سرجن ہیں جو بغیر ضرورت کے صرف اور صرف پیسوں کی خاطر غریبوں کو لوٹتے ہیں، اگرچہ ڈاکٹر اور سرجن کے لئے علاج و معالجے پر مناسب فیس لینا بالکل جائز ہے، لیکن بعض افراد حب مال میں اس قدر راندھے ہوجاتے ہیں، کہ اس مقدس پیشے کو صرف تجارت اور کاروبار بنالیتے ہیں، حالانکہ یہ شعبہ دکھی انسانیت کی خدمت کا شعبہ ہے، حضور ﷺ کے ارشادات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک انسان کی خیرخواہی اور خدمت کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک پسندیدہ عمل ہے۔ ڈاکٹر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس پسندیدہ عمل کو دیانتداری سے انجام دے، کیونکہ اگر ڈاکٹر مریض کو سرسری طور پر دیکھ کر ادھر ادھر کی دوائی لکھ کر ٹرخا دے، یا پھر دوائی سے علاج تو ہوسکتا تھا زیادہ رقم وصول کرنے کی غرض سے آپریشن تجویز کر ڈالا، یا سرکاری ہسپتال میں مریض ڈاکٹر کے پاس آیا، وہاں پر اس کے علاج و معالجے کی سہولیات موجود ہیں، لیکن ڈاکٹر نے فیس وصول کرنے کی غرض سے مریض کو پرائیویٹ کلینک پر آنے کو کہا، تو ایسا کرنا بدترین خیانت ہے، جو ہرگز جائز نہیں ہے۔

## حب مال کے کرشمے

حب مال سے مغلوب افراد عوام کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے عوام کو لوٹتے ہیں، جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) بلاضرورت محض رقم کی خاطر آپریشن کو لازم کردینا۔

(۲) گردوں کی چوری کرنا۔

(۳) بلاضرورت کمیشن کی خاطر ایکسرے اور مختلف ٹیسٹ تجویز کرنا۔

(۴) بلاضرورت کمیشن کی خاطر مریضوں کو دوائی دینا یا تجویز کرنا۔

(۵) سرکاری ہسپتال میں کام کرنے والے ڈاکٹرز کا مریض سے علاج اور آپریشن کا معاوضہ لینا۔

(۶) سرکاری ہسپتال میں علاج ممکن ہے، لیکن پرائیویٹ کلینک میں علاج کے لئے مریض کو مجبور کرنا۔

(۷) سرکاری ہسپتال سے ڈیوٹی کے دوران غائب رہنا اور پرائیویٹ کلینک میں علاج معالجہ کا کام کرنا۔

(۸) مریض سے بار بار مشورہ فیس لینے کی غرض سے بار بار بلاضرورت مشورہ کے لئے بلانا۔

(۹) کمیشن کی خاطر غیر معیاری ادویات تجویز کرنا۔

(۱۰) غلط میڈیکل سرٹیفکیٹ جاری کرنا۔

(۱۱) پوسٹ مارٹم رپورٹ غلط لکھنا۔

(۱۲) مؤثر اور سستی ادویات کی موجودگی میں صرف دوا ساز کمپنی سے گفٹ یا کمیشن کی وصولی کی خاطر اس کی مہنگی ادویات مریض کو دینا یا تجویز کرنا۔

یہ تمام صورتیں حبِ مال کے کرشمے اور باطل طریقے پر دوسروں کا مال کھانے کے ذرائع ہیں جو ناجائز ہونے کیساتھ ساتھ ڈاکٹری کے پیشے کے بھی منافی ہیں۔

## آپریشن سے پہلے مریض کو بے ہوش کرنا

مسئلہ: جو چیز نجس العین ہے، یعنی خود ناپاک ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب، شراب، مردار اور اس کا گوشت چربی وغیرہ اور خنزیر کا گوشت وغیرہ اس کا نہ تو خارجی استعمال درست ہے اور نہ ہی داخلی استعمال درست ہے۔

نشہ آور ادویات کا بھی یہی حکم ہے، ان کو بلاضرورت استعمال نہ کیا جائے، ایسی ادویات جو نشہ لانے کے لئے ہوتی ہیں، ان میں بھی الکحل ملی ہوتی ہے اور الکحل جو انگور سے تیار کیا ہوا ہو، وہ بالاتفاق حرام اور ناپاک ہے اور نجاست غلیظہ ہے، عام حالات میں ان کا استعمال درست نہیں، البتہ بطور علاج کے بوقت ضرورت استعمال درست ہے۔

سرجن حضرات آپریشن سے پہلے مریض کو بے ہوش کرتے ہیں، جس کے مختلف طریقے

ہوتے ہیں، بعض اوقات پورے جسم کو بے ہوش کیا جاتا ہے، جبکہ بعض اوقات صرف اس حصے کو سُن کیا جاتا ہے، جس کا آپریشن ہو رہا ہوتا ہے، یہ بے ہوشی تو بسا اوقات کم وقت کے لئے ہوتی ہے، اور بسا اوقات زیادہ دیر کے لئے ہوتی ہے، عموماً انجکشن لگا کر مریض کو بے ہوش کیا جاتا ہے، جس کے بعد دوران آپریشن مریض کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

تمام مروجہ طریقہ ہائے علاج ایلو پیتھی، ہومیو پیتھی، اور یونانی علاج میں ہونے والی ادویات مختلف اجزاء سے مل کر تیار ہوتی ہے، جن میں جڑی بوٹیاں، معدنیات، نسوڈز، انسان اور حیوانی اجسام سے نکلنے والے مختلف مواد اور رطوبتیں، سارکوڈز انسانی اور حیوانی اجسام کے مختلف بیمار حصے اور مواد، تیز اور ہلکی ہریں اور دیگر مختلف چیزیں شامل ہوتی ہیں جن کو مختلف کیمیکل کے مراحل اور تبدیلیوں سے گزار کر ادویاتی معیار پر لایا جاتا ہے، جو صحت انسانی کا باعث بنتی ہیں۔

اور بعض داوئیاں صرف بے ہوشی اور غنودگی پیدا کرنے کے لئے تیار کی جاتی ہیں، جو دوران سرجری یا پھر شدت مرض کے وقت مریض کو سلانے کی غرض سے استعمال ہوتی ہیں، بوقت ضرورت ان دوائیوں کو بطور علاج کے تو استعمال کر سکتے ہیں، مثلاً سرجری کے دوران ان کا استعمال کرنا جائز ہے، لیکن اس کے علاوہ ان دوائیوں کو کسی اور مقصد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان دوائیوں میں نشہ ہوتا ہے اور حضور ﷺ نے ہر نشہ کی چیز کو حرام قرار دیا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ"۔(۱)

## ہر نشہ والی چیز حرام ہے:

مسئلہ: بے ہوش کرنا اصلاً حرام ہے، اس لئے کہ اس میں وقتی طور پر عقل زائل ہو جاتی ہے، جیسے افیون، گانجا، حشیش، شراب سے عقل زائل ہوتی ہے، دونوں میں علت ایک ہی ہے، تو حکم بھی ایک ہی ہوگا۔

(۱) بخاری شریف، کتاب الاحکام، باب امر الولی اذا وجہ امیر الی ان یتطاوعا

آپریشن کے لئے مریض کو بے ہوش کرنے کی تین صورتیں بنتی ہیں اور تینوں میں بے ہوش کرنے کی اجازت ہے:

(۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) ضرورت اور حاجت سے ادنیٰ درجہ

(۱) ضرورت: مریض کی ایسی حالت ہو کہ بے ہوش کئے بغیر سرجری کرنا محال ہو، جیسے ہارٹ کا آپریشن یا اس جیسے خطرناک آپریشن کہ اگر مریض کو بے ہوش نہ کیا جائے، تو دوران آپریشن یا آپریشن کے تھوڑی دیر بعد مریض کی موت کا خوف ہو، تو ایسی صورت میں بے ہوش کرنا جائز ہے۔

(۲) حاجت: مریض کی ایسی حالت ہو کہ بے ہوش کئے بغیر سرجری کرنا محال نہ ہو، ممکن ہو، سرجری کی جا سکتی ہو اور نہ ہی موت اور ہلاکت کا خطرہ ہو، لیکن مشقت شدیدہ کا سامنا کرنا پڑتا ہو، تو ایسی حاجت کو بمنزلہ ضرورت قرار دے کر بے ہوش کرنا جائز ہوگا۔

(۳) حاجت اور ضرورت سے ادنیٰ درجہ: مریض کی ایسی حالت ہو کہ اس کو بے ہوش کئے بغیر سرجری کرنا ممکن ہو، اس میں مشقت تو ہو لیکن ایسی مشقت نہ ہو کہ اس پر صبر کرنا ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں بھی مریض پر آسانی کا معاملہ کرتے ہوئے بے ہوش کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

جدید طبی مسائل میں ہے:

> ”آج کل ہسپتالوں میں آپریشن وغیرہ کے موقع پر مریض کو بے ہوش کرنے والی ادویات دی جاتی ہیں، بعض اوقات مریض کو بے ہوش کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات صرف متاثرہ عضوء کو بے حس کر دیا جاتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مریض کو کم سے کم تکلیف محسوس ہو، شرعاً یہ جائز مقصد ہے اور شریعت کی رو سے کسی بھی جائز مقصد کے لئے بے ہوش اور بے حس کر دینے والی ادویہ کا استعمال جائز ہے“۔ (۱)

---

(۱) جدید طبی مسائل، ص: ۱۳۴۔ مکتبہ عثمانیہ

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: کلوروفارم کا استعمال کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ کلوروفارم کے متعلق جناب ڈاکٹر صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ مرکب چونا سے ہے، اس میں مُسکِر (نشے والی) کوئی چیز نہیں، فقط اعضاء کو بے حس کرتا ہے۔

جواب: کلوروفارم بے ہوش کرنے کے لئے استعمال کرنا ضرورتاً مباح ہے۔(۱)

مسائل بہشتی زیور میں ہے:

''کلوروفارم وغیرہ سونگھا کر آپریشن کے لئے بے ہوش کرنا درست ہے''(۲)

## دوران بے ہوشی قضاء شدہ نمازوں کا حکم:

آپریشن کے لئے مریض کو بے ہوش کرنے میں ڈاکٹر حضرات کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ معاملے کا بغور جائزہ لیں، اگر نماز کا وقت قریب ہے، تو آپریشن کو لیٹ کرلیں، تاکہ مریض نماز پڑھ سکے، اگر نماز میں وقت کافی ہو اور آپریشن لیٹ کرنا ممکن نہ ہو، تو پھر ڈاکٹر آپریشن کا عمل شروع کردے۔

مریض کو ڈاکٹر نے آپریشن کے لئے بے ہوش کیا اور اسی بے ہوشی میں کئی نمازیں قضاء ہوگئیں، تو کیا مریض ان نمازوں کی قضاء کرے گا یا نہیں؟

اگر بے ہوشی کی حالت میں پانچ یا پانچ سے کم نمازیں رہ گئیں، یعنی قضاء ہوگئیں، تو مریض ان نمازوں کی قضاء کرے گا، ان نمازوں کی قضاء اس کے ذمے لازم ہوگی، لیکن اگر بے ہوشی لمبی ہوجائے اور اس دوران چھ یا چھ سے زیادہ نمازیں قضاء ہوجائیں، تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسا مریض جس کی بے ہوشی دوائی کی وجہ سے ہو اور پانچ

(۱) کفایت المفتی: ۹/۱۵۱ کتاب الحظر والاباحہ

(۲) مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم/ ۲۹۸

نمازوں سے زیادہ ہو، تو وہ ان نمازوں کی قضاء کرے گا، امام ابوحنیفہ ؒ کا یہی مذہب ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"ومن جن أو أغمي ولو بفزع من سبع أو آدمي يوما وليلة قضى الخمس، وإن زاد وقت صلاة سادس لا للحرج، ولو أفاق في المدة، فإن لإفاقته وقت معلوم قضى وإلا لا، زال عقله ببنج أو خمر أو دواء لزمه القضاء، وإن طالت، لأنه بصنع العباد كالنوم"۔(۱)

ترجمہ: اور جو مجنون ہوا، یا اس پر بے ہوشی طاری ہوئی، اگر چہ کسی درندے یا آدمی سے ڈر کر ہو، ایک دن اور رات بے ہوشی رہی اور اگر چھٹی نماز کا وقت زیادہ ہو گیا، تو اس کی قضاء نہیں حرج کی وجہ سے اور اگر اس دوران اس کو افاقہ بھی ہوا، تو اگر افاقہ کی مدت معلوم ہو، تو پھر تو ان نمازوں کی قضاء کرے گا، ورنہ نہیں کرے گا، کسی کی عقل بھنگ پینے سے یا شراب یا دواء پینے سے زائل ہوگئی (یعنی بے ہوشی طاری ہوگئی) تو اس کے ذمہ قضاء لازم ہوگی، اگر چہ یہ بے ہوشی لمبی ہو (پانچ نمازوں سے زیادہ ہو) کیونکہ یہ بے ہوشی بندے کے اپنے فعل کی وجہ سے ہے نیند کی طرح۔

مسائل بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ: اگر شراب پی اور اس کے نشے کی وجہ سے ایک دن رات سے زیادہ عقل جاتی رہی، تو اسے نماز ساقط نہیں ہوگی، خواہ بے عقلی کتنے ہی زیادہ زمانے تک رہے اور خواہ شراب دوائی سمجھ کر پی ہو، یا کسی نے مجبور کر کے پلا دی ہو، تب بھی قضاء واجب ہے کیونکہ بندوں کے فعل سے اللہ تعالیٰ کا حق ساقط نہیں ہوتا

مسئلہ: یہی حکم آپریشن کے لئے بے ہوش کرنے کا بھی ہے (یعنی اگر بے ہوشی پانچ نمازوں سے زیادہ ہو، تب بھی قضاء کرے گا)۔(۲)

(۱) درمختار: ۲/۶۹۲ باب صلاۃ المریض

(۲) مسائل بہشتی زیور: حصہ دوم، ص: ۲۶۳

الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے:

"ومن استتر عقله بسكر حرام كالخمر ونحوه فإنه يجب عليه قضاء ما فاته من الصلاة اثناء سكره، وكذا من استتر عقله بدواء مباح كالبنج إذا ستعمله بقصد السكر فإنه يجب عليه القضاء على الراجح"۔(١)

اور جس کی عقل پر پردہ چھا گیا حرام نشہ کرنے کی وجہ سے، جیسے شراب اور اس جیسی دوسری چیزیں تو اس پر ان نمازوں کی قضاء واجب ہوگی، جو نشے کے دوران اس کی نمازیں فوت ہوگئی ہیں اور اسی طرح جس کی عقل پر پردہ چھا گیا مباح دواء کی وجہ سے جیسے بھنگ، جب اس کو استعمال کیا ہو نشہ کے ارادے سے، تو اس پر ان نمازوں کی قضاء واجب ہوگی صحیح قول کے مطابق۔

لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اگر دوائی کھانے سے نشہ آگیا اور بے ہوشی طاری ہوگئی، تو پانچ سے زیادہ نمازیں بے ہوشی کی حالت میں رہ جائیں، تو ان کی قضاء اس کے ذمے نہیں ہے، یعنی ان نمازوں کی قضاء نہیں کرے گا۔

"قال في الشامية: وعند محمدؒ يسقط القضاء بالبنج والدواء لأنه مباح صار كالمريض كما في البحر وغيره، والظاهر إن عطف الدواء على البنج عطف تفسير، وإن المراد شرب البنج لأجل الدواء أما لو شربه للسكر، فيكون معصية بصنعه الخمر"۔(٢)

اور امام محمدؒ کے نزدیک قضاء ساقط ہو جائے گی بھنگ اور دواء پینے کی وجہ سے، اس لئے کہ بھنگ بذات خود مباح ہے، یہ مریض کی طرح ہو جائے گا، جیسے کہ البحر الرائق وغیرہ میں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں الدواء کا بنج پر عطف یہ عطف تفسیری ہے اور بھنگ کے پینے سے بطور دوائی کے پینا مراد ہے، اور اگر

(١) الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ١/ ٤٢٨۔ وحیدی کتب خانہ پشاور
(٢) رد المحتار: ٢/ ٦٩٢۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

کسی نے نشے کے لئے بھنگ کو پیا، تو یہ گناہ اور معصیت ہے، جیسے شراب کو اپنے اختیار سے پینا"۔

راجح تو یہی ہے کہ مریض جو بے ہوش ہے دوائی پینے کی وجہ سے، اس کے ذمے پانچ سے زیادہ نمازیں سب بے ہوشی کی وجہ سے رہ جائے، تو ان کی قضاء نہیں ہے، البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ ان نمازوں کی قضاء کرلے، کیونکہ اتنی لمبی بے ہوشی آپریشن کے لئے شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: آپریشن کے لئے مریض کو بے ہوش کیا جاتا ہے، تو کیا بے ہوشی کی حالت میں اس کی جو نمازیں قضاء ہوں گی، ان کی قضاء ضروری ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب: اگر بے ہوشی ایک دن یا اس سے کم رہی، تو اس وقت کی نمازیں قضاء کی جائیں گی اور اگر چھٹی نماز کا وقت بھی بے ہوشی کی حالت میں گزر جائے، تو اس صورت میں اختلاف ہے، اس لئے قضاء کرلینا بہتر ہے، یہ حکم اپنے اختیار سے بے ہوش کرنے کا ہے، قدرتی بے ہوشی میں اگر پانچ نمازوں سے زیادہ قضاء ہوگئیں، تو بالاتفاق ان نمازوں کی قضاء معاف ہے۔

"قال فی التنویر: ومن جن أو أغمی ولو بفزع من سبع أو آدمی یوما ولیلة قضی الخمس، وإن زاد وقت صلاۃ سادس لا للحرج، ولو أفاق فی المدۃ فإن لإفاقته وقت معلوم قضیٰ و إلا لا، زال عقله ببنج أو خمر أو دواء لزمه القضاء وإن طالت لأنه بصنع العباد کالنوم"۔

"وفی الشامیه: أی وسقوط القضاء عرف بالأثر إذا حصل بآفة سماویة فلا یقاس علیه ما حصل بفعله، وعند محمد﷫ یسقط القضاء بالبنج والدواء، لأنه مباح صار کالمریض، کما فی البحر وغیره

والظاهر إن عطف الدواء على البنج عطف تفسير، وإن المراد شرب البنج لأجل الدواء أما لو شربه للسكر فيكون معصية بصنعه، كالخمر"۔(۱)

## کیا ڈاکٹر مریض کی جان بچانے کے لئے نماز قضاء کرسکتا ہے:

اگر مریض کی حالت خراب ہو، مثلاً ایمرجنسی آپریشن کرنا ضروری ہو، اور مریض کی جان کو خطرہ ہو، تو ایسی صورت میں سرجن یا ڈاکٹر مریض کی جان بچانے کی خاطر نماز قضاء کرسکتا ہے۔

## اس بارے میں جامعہ دارالعلوم کراچی کا فتویٰ:

سوال: ڈاکٹر سرجن ہے اور بعض آپریشنوں میں کئی گھنٹے لگتے ہیں، اور وہ بھی اس نوعیت کی ہے کہ اس کمرے سے نکلنا ممکن نہ رہے اور کرنے میں مریض کو جانی نقصان کا غالب گمان ہے۔ اس صورت میں نماز کا کیا مسئلہ ہوگا؟ مثلاً (آپریشن) قبل العصر شروع ہوا اور عشاء کے وقت میں جا کر ختم ہوا۔
بعض صورتوں میں آپریشن (بطنی علاج) میں وقت کو بدل بھی نہیں سکتے ہیں، مثلاً عورت دردزہ میں ہو اور کچھ پتہ نہیں کہ بچہ کی ولادت میں کتنی دیر لگے گی اور (آپریشن) کب ختم ہوگا۔ اس صورت میں فرض نماز کا کیا مسئلہ ہے؟
جواب: ڈاکٹر یا سرجن کو چاہئے کہ جہاں تک ان کا اختیار ہے، وہ نماز کا انتظام کریں تاکہ نماز وقت کے اندر ادا کی جاسکے، مثلاً ایک سرجن نماز پڑھے اور دوسرا آپریشن کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو، اور مریض کو جانی نقصان پہنچنے کا غالب گمان ہو، تو پھر گنجائش ہے کہ وہ ایک نماز آخر وقت میں ادا کرے اور دوسری نماز پہلی وقت میں پڑھ لے۔

(۱) ردالمحتار: (۱/۵۶۳)۔ احسن الفتاویٰ: (۴/۵۲) طا یچ ایم سعید کمپنی

البتہ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو، تو نماز مؤخر کرلے اور جب وقت ملے اس کو پڑھ لے اور امید ہے کہ جان بچانے کے عذر کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا۔

"فی البحر ( ٢ /٢٦٧ ): واستدل فی المجتبیٰ بحدیث المغیرة أن النبی ﷺ شغل عن أربع صلوات یوم الخندق، فصلاهن بعد ما مضین اللیل، ولو جاز مع القتال لما أخرهن عن وقتهن، وأشار المصنف إلی أن السابح فی البحر إذا لم یمکنه أن یرسل أعضائه ساعة، فإنه لا یصلی، فإن صلی لا تصح، وإن أمکنه ذلك، فإنه یصلی بالإیماء، کذا فی المجتبیٰ"۔(١)

(١) بحوالہ حلال غذا، جدید طب اور سائنس، ص:١١٣۔ مولانا سرفراز محمد

(۲)

# دوسرا باب

# انتقال خون کی تحقیق اور اس کے مسائل

## دوران سرجری انتقال خون یعنی خون کا چڑھانا

اکثر آپریشن ایسے ہوتے ہیں جس میں دوران سرجری خون کی ضرورت پڑتی ہے، چونکہ سرجری کرتے وقت مریض کا کافی خون بہہ جاتا ہے، تو مریض کی جان بچانے کے لئے خون دینا لازمی ہو جاتا ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر چھوٹا آپریشن ہو، تو خون کی ضرورت نہیں بھی پڑتی، اگر اس دوران مریض کو خون نہ چڑھایا، تو اس کی جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات موت یقینی ہو جاتی ہے، اس لئے اکثر سرجن حضرات آپریشن سے پہلے مریض کا خون گروپ ٹیسٹ کرتے ہیں اور پھر آپریشن سے پہلے ہی وہی خون مریض کے اولیاء کے ذمے پہنچانا لازمی ہوتا ہے۔

مسئلہ: دوران آپریشن انسانی بدن سے کاٹے ہوئے اعضاء کو یوں گندگی میں نہ پھینکا جائے، بلکہ اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اس کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے، اس کو پھینکنا انسانی اعضاء کی بے حرمتی ہے اور انسان قابل تکریم واحترام ہے، اس کی تائید فقہ کے اس جزئیہ سے ہوتی ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

”وإن وجد نصفه من غير الرأس أو وجد نصفه مشقوقا طولا ، فإنه لا

یغسل ولا یصلی علیہ، ویلف فی خرقة، ویدفن فیها، کذا فی المضمرات "۔(۱)

اور اگر میت کا آدھا حصہ سر کے بغیر پایا جائے، یا اس کا آدھا حصہ لمبائی میں کاٹا ہوا پایا جائے، تو اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور ایک کپڑے میں اس کو لپیٹ لیا جائے گا اور اسی میں دفن کر دیا جائے گا۔

## انسانی خون

انسان کا خون بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے، ایک حصہ مائع، دوسرا حصہ خلیات، یا خون کے ذرات بناتے ہیں، مائع حصہ کو پلازما کہا جاتا ہے، جس میں تقریباً ۹۰ فیصد پانی اور دس ۱۰ فیصد خون۔

خون میں تین طرح کے خلیات پائے جاتے ہیں:

(۱) سرخ ذرات Red blood cells

(۲) سفید ذرات White blood cells

(۳) پلیٹلیٹس platelets

خون کے سرخ خلیوں میں ایک خاص قسم کا مادہ ہیموگلوبن ہوتا ہے، جو جسم کے مختلف حصوں میں آکسیجن کی ترسیل کا کام کرتا ہے، یہ مادہ آئرن (haem) اور پروٹین (globin) سے مل کر بنتا ہے۔ خون میں ہیموگلوبن کی کمی ہی دراصل Anaemia یا خون کی کمی کہلاتی ہے۔

خون کے سرخ ذرات کا دورانیہ حیات ایک سو بیس دن ہے۔

خون کے سفید ذرات پانچ قسم کے ہوتے ہیں، جن کا بنیادی کام بیماریوں کے خلاف تحفظ فراہم کرنا ہے، ان میں سے بعض اینٹی باڈیز بناتے ہیں، بعض ذرات بیکٹریا، دوسرے

(۱) فتاویٰ عالمگیری (۱۰۹:۱) وهكذا في الخانية (جلد ۲ص ۱۷۸)

خوردبینی جاندار اور ضعیف خلیوں کو نگل لیتے ہیں۔

بعض ذرات وائرس اور طفیلیوں (parasites) کے خلاف تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ اور بعض ذرات الرجی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، خون میں سفید خلیوں کی کمی مدافعتی نظام کو کمزور کر دیتی ہے اور جسم مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

ایڈز کے مرض میں ایچ ائی وی (HIV) وائرس جسم کے خلیوں پر حملہ آور ہوتا ہے اور ان کی شدید کمی کا باعث بنتا ہے، اس طرح جسم کی قوت مدافعت تقریباً ختم ہو جاتی ہے اور جسم بیماریوں کا مرقع بن جاتا ہے۔

ہمارے ہاں بوقت ضرورت خون کا حاصل کرنا ایک دشوار مرحلہ ہوتا ہے، یعنی کوئی خون دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس کی ایک بڑی وجہ خون کے بارے میں عوام الناس کے ہاں درست اور صحیح معلومات کی عدم دستیابی ہے، جس کی وجہ سے لوگ خون دینے سے ڈرتے ہیں، بعض سنی سنائی باتیں ہیں، جو ہمارے معاشرے میں مشہور ہوگئی ہیں، جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خون دینے سے انسان کی صحت پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، آیئے اس بارے میں چند ضروری وضاحتیں کرتے ہیں جو مختلف سینئر ڈاکٹر صاحبان سے حاصل کی گئی ہیں، امید ہے کہ اس کے بعد انشاء اللہ حصول خون کا مسئلہ کسی حد تک آسان ہو جائے گا:

(۱) ۱۸ سال سے لے کر ۶۵ سال تک ہر صحت مند انسان خون کا عطیہ دے سکتا ہے۔

(۲) ہر شخص بغیر کسی تکلیف کے ہر تین ماہ بعد خون کا عطیہ دے سکتا ہے۔

(۳) ہر انسان میں تقریباً پانچ لیٹر خون ہوتا ہے۔

(۴) ہر انسان میں آدھا لیٹر خون ایسا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ریزرو کے طور پر رکھا ہوا ہے، جو کسی کی جان بچانے کے لئے دیا جا سکتا ہے۔

(۵) ہر خون دینے والے سے ہمیشہ آدھے لیٹر سے بھی کم خون لیا جاتا ہے۔

(۶) خون کے بیشتر اجزاء ایسے ہوتے ہیں جو خون دینے کے بعد ۲۴ گھنٹے سے ۴۸ گھنٹے کے اندر پورے ہو جاتے ہیں۔

(۷) خون کے وہ تمام اجزاء جن کی زندگی قلیل ہوتی ہے تمام عمر جسم میں بنتے رہتے ہیں

(۸) آٹھ بار سے زیادہ خون دینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

(۹) نشے اور مختلف بیماریوں میں مبتلاء لوگوں کا خون ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۰) درست طریقے سے محفوظ کیا گیا معیاری بلڈ بینک کا خون ۲۲ دن تک قابل استعمال ہوتا ہے۔

ہر انسان کے بدن میں تین بوتل اضافی خون کا ذخیرہ ہوتا ہے، ہر تندرست فرد ہر تیسرے مہینے خون کی ایک بوتل عطیہ میں دے سکتا ہے، جس سے اس کی صحت پر مزید بہتر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کا کولیسٹرول بھی قابو رہتا ہے، تین ماہ کے اندر ہی نیا خون ذخیرہ میں آجاتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ نیا خون بننے کے ساتھ ساتھ بدن میں قوت مدافعت کے عمل کو بھی تحریک ملتی ہے، مشاہدہ ہے کہ جو صحت مند افراد ہر تیسرے ماہ خون کا عطیہ دیتے ہیں، وہ نہ تو موٹاپے میں مبتلاء ہوتے ہیں، اور نہ ہی انہیں جلد کوئی اور بیماری لاحق ہوتی ہے، لیکن انتقال خون سے پہلے خون کی مکمل جانچ پڑتال ضروری ہے، کیونکہ بہت سی مہلک بیماریاں جیسے ایڈز اور ہیپاٹائٹس جیسے امراض انتقال خون کی وجہ سے ایک دوسرے تک منتقل ہوتے ہیں۔

## انتقال خون کا تاریخی پس منظر:

یورپ میں آپس کی جنگوں کے دوران ایک فرانسیسی نے انتقال خون کی پہلی کوشش کی، لیکن وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی، اس وقت تک خون کے گروپ اے، بی، اے بی، اور او کا علم نہیں ہوا تھا، اور نہ ان کی ذیلی مثبت اور منفی اجزاء کا علم تھا، جیسے جیسے طبی علوم میں ترقی ہوتی رہی، خون کے گروپ ان کے دیگر فیکٹرز اور ان میں مطابقت کا انکشاف ہوتا رہا کہ کون سے

گروپ والا کس فیکٹر کے حامل کو خون عطیہ میں دے سکتا ہے، جس سے متعلقہ فرد کے بدن میں کوئی ردعمل نہ ہو۔

۱۹۳۰ء میں انتقال خون کے سلسلے میں سکی فوسوکی انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنس نے ماسکو میں ایک انوکھا تجربہ کیا، ایک ساٹھ سالہ فرد جو ایک حادثہ میں مر چکا تھا، ۱۲ گھنٹے کے اندر اس کا خون ایک ایسے نوجوان کے بدن میں منتقل کر کے اس کی جان بچالی گئی جس نے اپنی دونوں کلائیاں کاٹ کر خودکشی کی کوشش کی تھی۔

اس طرح پھر ۱۹۳۲ء میں مینو کلینک انگلستان میں کیمکل اسٹریٹ ڈالا ہوا خون مریضوں میں منتقل کیا گیا، ۱۹۳۶ء میں اسپین میں خون بنک کے موبائل وین کے ذریعہ خون اسپتالوں میں پہنچایا جانے لگا، ان موبائل وینز میں خون کو دیر تک کارآمد رکھنے کے آلات لگے ہوئے تھے۔

۱۹۳۹ء میں انگلستان کے ایک ڈاکٹر فلپ نے خون میں اینٹی باڈی کا موروثی طور پر منتقل ہونا دریافت کیا۔

۱۹۴۰ء ڈاکٹر ایڈون کوہن نے خون کے مختلف حصوں مثلاً پلازما اور سرخ خلیوں کو علیحدہ کرنے اور اسٹور کرنے کے طریقے معلوم کیے۔

پھر ۱۹۴۱ء میں ریڈ کراس نے بلڈ بنک کے قیام کا آغاز کیا، اس کے بعد ۱۹۴۳ء میں ڈاکٹر ہال بی سن نے انکشاف کیا کہ یرقان ہیپاٹائٹس کے امراض کا خون ایسے امراض سے مبرا مریضوں میں منتقل کرنے سے ان میں عطیہ خون کے ساتھ عطیہ امراض بھی منتقل ہو جاتا ہے، ۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر کیری والٹر نے خون کی بوتلوں کی جگہ پلاسٹک کی تھیلیوں کا استعمال شروع کیا۔

## بلڈ بنک:

دنیا کے پہلے بلڈ بنک کے قیام کا سہرا ایک کینیڈین ڈاکٹر نارمل بیتھیون کے سر ہے، جس نے ہسپانوی جنگ کے دوران اسے قائم کیا، اس کے بعد پہلی جنگ عظیم کے دوران بنک

میں اسٹور کیے گئے خون کو زخمیوں کی جان بچانے کے لئے استعمال کیا گیا، البتہ باقاعدہ رضا کارانہ طور پر خون کے عطیات اسٹور کرنے کے لئے پہلا بلڈ بنک ۱۹۲۲ء میں انگلستان میں قائم ہوا تھا، سویت یونین دنیا کا پہلا ملک تھا، جس نے ہسپتالوں میں داخل مریضوں کو فراہمی خون کے لئے دنیا کا پہلا خون بنک قائم کیا۔

## بلڈ گروپ:

اس وقت انسانی خون کی ۲۹ مختلف سسٹم (system) کے تحت درجہ بندی کی جاسکتی ہے، جس میں روز مرہ زندگی میں ABO اور RH یعنی Rhesus سسٹم سب سے زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔

ABO سسٹم میں خون کے چار گروپ ہوتے ہیں یعنی Ab,B,A اور O جبکہ RH سسٹم ان ہی چار گروپ کو Positive یا Negative میں تقسیم کر دیتا ہے۔

## ABO سسٹم:

جن لوگوں کا بلڈ گروپ A ہوتا ہے، ان کے خون کے سرخ خلیات RBC پر A اینٹیجن Antigen موجود ہوتا ہے، جب کہ ان کے پلازمہ میں اینٹی B این ٹی باڈی antibody پائی جاتی ہے جو حاملہ ماں سے اس کے بچے تک نہیں پہنچ سکتی۔

جن لوگوں کا بلڈ گروپ B ہوتا ہے ان کے خون کے سرخ خلیات RCB پر B اینٹی جن antigen موجود ہوتا ہے جبکہ ان کے پلازمہ میں این ٹی A Antibody این ٹی باڈی پائی جاتی ہے جو حاملہ ماں سے اس کے بچے تک نہیں پہنچ سکتی۔

جن لوگوں کا بلڈ گروپ AB ہوتا ہے ان کے خون کے سرخ خلیات RCB پر A اور B دونوں اینٹی جن antigen موجود ہوتے ہیں جب کہ ان کے پلازمہ میں دونوں اینٹی باڈی A antibody نہیں پائی جاتی۔

جن لوگوں کا بلڈ گروپ O ہوتا ہے ان کے خون کے سرخ خلیات RCB پر دونوں

اینٹی جن antigen موجود نہیں ہوتے جبکہ ان کے پلازمہ میں دونوں اینٹی باڈی antibody پائی جاتی ہے۔

| Genotype | phenotype |
|---|---|
| AA or AO | A |
| BB or BO | B |
| AB | AB |
| OO | O |

اینٹی اے A اینٹی باڈی antibody خون کے ان سرخ خلیات RCb پر عمل کرتے ہیں، جن پر A اینٹی جن antigen موجود ہوتا ہے، اور انہیں باہم چپکا کر توڑنے کا سبب بنتی ہیں agglutinate اسی طرح اینٹی B اینٹی باڈی antibody بلڈ گروپ B کے سرخ خلیات کی دشمن ہوتی ہیں۔

## انتقال خون اور آر، ایچ، فیکٹر (R.H facter)

انتقال خون کے وقت آر، ایچ، فیکٹر کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے، یہ ایک مخصوص قسم کا اینٹی جن ہے جو ایک خاص قسم کے بندر کے خون میں پایا جاتا ہے۔ یہ فیکٹر ۸۵ فیصد انسانوں کے خون میں بھی پایا جاتا ہے لیکن ۱۵ فیصد لوگوں کے خون میں یہ اینٹی جن نہیں ہوتا اگر کسی ایسے مرد کی شادی جس کا خون (+ Rh) ہو ایسی عورت سے ہو جائے جس کا خون (-RH) ہو تو ایسے جوڑے سے پیدا ہونے والا بچہ خون کے لحاظ سے (+RH) ہوگا۔ ایسی صورت میں ماں کے خون میں (-RH) کے مخالف اجزاء جنہیں اینٹی باڈیز کہا جاتا ہے پیدا ہو جائیں گے، جو بچے کے خون میں داخل ہو کر خون کے سرخ زرات تباہ کرتے رہیں گے، چنانچہ ایسی عورت کو اکثر اوقات اسقاط حمل ہو جاتا ہے، اور یہ بار بار ہوتا ہے اگر بچہ صحیح سالم اور پورے دنوں کا پیدا بھی ہو جائے تو وہ کچھ عرصہ کے بعد مر جائے گا۔ ایسا بچہ سست، کمزور، زرد رنگ، یرقان والا اور تھیلی میسیا کا مریض ہوگا، ایسے بچے کی جان بچانے کے مختلف

طریقے ہیں کہ اس کو دو تین ماہ کے بعد تازہ (+RH) خون دیا جائے۔

سرکاری اور غیر سرکاری چلڈرن سینٹروں میں اس کا انتظام ہوتا ہے، جہاں سے یہ خون دستیاب ہوسکتا ہے یا خود (+RH) گروپ کا آدمی تلاش کرنا پڑے گا۔

اسی طرح اگر آپریشن کے دوران (-RH) والی عورت کو (-RH) خون مل جائے تو اس خون میں خون کے خلاف ایک اینٹی باڈیز پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر بعد میں پھر کبھی اس عورت کو خون دینے ضرورت پڑ جائے اور غلطی سے اسے (-RH) خون دے دیا جائے تو ردعمل سخت ہوگا، جو جان لیوا بھی ہوسکتا ہے اس لئے لیبارٹری ٹیسٹ کے بغیر خون ہرگز استعمال نہ کیا جائے پرائیویٹ ہسپتالوں کو یہ ٹیسٹ توجہ سے کرنا چاہئے کیونکہ مریض اور اس کے لواحقین اس سے بے خبر ہوتے ہیں، خون کے گروپ کے لحاظ سے ان میں مطابقت اور احتیاط نہایت ضروری ہے، کیونکہ ہر انسان میں ایک ہی قسم کا خون نہیں ہوتا اس لئے یہ جانے بغیر کہ دو افراد کا خون ایک دوسرے سے مطابقت بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ بغیر سوچے سمجھے ایک فرد کا خون دوسرے کے جسم میں منتقل کردینا جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے۔

## خون کے استعمال کا شرعی حکم:

خون ان چار اشیاء میں سے ہے، جن کی حرمت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (۱)

ترجمہ: تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کا نام پکارا جائے، جو کوئی مجبور ہو وہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۷۳

عام حالات میں خون استعمال کرنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے، البتہ اضطراری حالت میں قرآن مجید میں اس کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے اگر کسی شخص کو خون کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً طاقت کے لئے کوئی شخص خون چڑھاتا ہے، تو اس کی اجازت ہرگز نہیں ہے، اس صورت میں خون چڑھانا حرام ہوگا۔

ایک انسان کا خون دوسرے انسان کو منتقل کرنے کا اصل حکم یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے اور ناجائز ہونے کی دو بڑی وجوہات ہیں:

(۱) خون نجاست غلیظہ ہے اور نجاست کا خارجی اور داخلی استعمال شرعاً ممنوع ہے۔

(۲) خون، انسان کا ایک جزء ہے اور انسان کے بدن کا ایک حصہ ہے اور عام حالات میں انسانی اجزاء کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، مطلقاً حرام ہے، کیونکہ یہ انسان کی شرافت اور تکریم کے منافی ہے، اس میں انسان کی تذلیل ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز ، قيل للنجاسة ، وقيل للكرامة ، وهو الصحيح ، كذا في جواهر الأخلاطي"۔(۱)

یعنی آدمی کے کسی جزء کا استعمال جائز نہیں ہے اور اس کی وجہ وعلت میں دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں ناپاک ہونے کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں انسان کی شرافت اور کرامت کی وجہ سے اور یہ وجہ زیادہ صحیح ہے۔

اگر خون چڑھانے کو استعمال داخلی مان لیا جائے، تو عدم جواز کی ایک وجہ یہ ہے کہ خون حرام اجزاء میں شامل ہے اور عام حالات میں تداوی بالحرام جائز نہیں ہے، لیکن چونکہ بعض فقہاء نے اضطراری حالت میں حرام چیزوں سے علاج معالجہ کرنے کی اجازت دی ہے، اور اسی پر فقہاء نے فتویٰ بھی دیا ہے، چند شرائط کے ساتھ انسانی خون چڑھانے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، وہ چند شرائط یہ ہیں:

(۱) خون صرف حالتِ ضرورت یا حالتِ حاجت میں منتقل کیا جائے، حالت ضرورت

(۱) فتاویٰ عالمگیری، الباب الثامن عشر فی التداوی: (۵/۳۵۵)

کا مطلب یہ ہے کہ مریض کو خون کی اس قدر ضرورت ہے کہ اگر اس وقت خون نہ دیا جائے، تو یقین یا غالب گمان یہ ہے کہ وہ مر جائے گا، یا مرنے کے قریب ہو جائے گا، یا اس کا کوئی عضو ضائع ہو جائے گا، یا ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا، اور حاجت یہ ہے کہ اگر خون نہ دیا جائے، تو سخت مشقت اور شدید تکلیف لاحق ہو سکتی ہے۔

(۲) ماہر دیندار ڈاکٹر کہے کہ اگر خون نہ دیا جائے، تو مریض ہلاک ہو جائے گا، یا شدید تکلیف لاحق ہو گی۔

(۳) مذکورہ ضرورت و حاجت صرف انتقال خون سے مرتفع ہوتی ہو اور اس کا کوئی دوسرا متبادل موجود نہ ہو۔

(۴) خون لگانے سے جان بچ جانے یا افاقہ مل جانے کا غالب گمان ہو۔

(۵) خون بقدر ضرورت منتقل کیا جائے۔

(۶) خون دینے والے کی جان یا صحت کو خطرہ نہ ہو۔

(۷) اس سے انسانی خون کی ارزانی اور خرید و فروخت کا اندیشہ نہ ہو۔

فائدہ: بہت سارے فقہاء نے طبیب حاذق مسلم کی قید لگائی ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں صراحۃ طبیب مسلم کی شرط موجود ہے، فتاوی عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

”ویجوز للعلیل شرب الدم والبول وأکل المیتة للتداوی إذا أخبره طبیب مسلم إن شفاء فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه، وإن قال الطبیب یتعجل شفاء ك ففیه وجهان“۔(۱)

بیمار کے لئے بغرض علاج خون، پیشاب اور مردہ کھانا جائز ہے، بشرطیکہ مسلمان طبیب نے بتایا ہو کہ اس کی شفاء اسی میں ہے اور اس کا کوئی متبادل دوا نہیں ہے اور اگر مسلمان طبیب کہے کہ حرام کے استعمال میں جلد شفاء ہے، تو اس میں دو اقوال ہیں۔

---

(۱) فتاوی عالمگیری: ۵/۳۵۵

ہماری رائے میں طبیب مسلم کی شرط اب لازمی نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ بہت سارے ایسے علاقے بھی ہیں جہاں مسلمان آباد ہیں، لیکن وہاں مسلمان ڈاکٹر موجود نہیں ہوتے، اس لئے ایسے علاقوں میں جہاں مسلمان ڈاکٹر موجود نہ ہو، وہاں غیر مسلم ڈاکٹر کی بات بھی قبول ہونی چاہئے۔ جدید طبی مسائل میں ہے:

''فقہاء کرام نے مسلم حاذق دیندار اور عادل ڈاکٹر کی رپورٹ کو معتبر قرار دیا ہے، اطباء اور ہومیو ڈاکٹرز میں دیندار اور عادل مل جاتے ہیں، لیکن انگریزی ڈاکٹروں میں اس کی بہت کمی ہے، جبکہ ان سے واسطہ بہت پڑتا ہے، ایسی صورت میں دیانتدار، ماہر و حاذق غیر عادل ڈاکٹر کی رپورٹ پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور اس پر اس دور میں بلا نکیر عمل ہو رہا ہے۔

نیز غیر مسلم ممالک میں مسلمان ڈاکٹر دستیاب نہیں ہوتے، اگر غیر مسلم ڈاکٹر دیانتدار اور ماہر ہو، تو اس کی رپورٹ بھی معتبر ہے، مقصود یہ ہے کہ ڈاکٹر غلط بیانی نہ کرے، غیر مسلم ڈاکٹر بھی اپنے شعبہ کی حد تک دیانتداری کا پاس کرتے ہیں، اگر چہ ان کا مقصود اپنی شہرت، نیک نامی اور لوگوں کے ہاں مقبولیت حاصل کرنا ہے''۔(۱)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: [۸۸۳۷] شرعاً ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں بطور علاج داخل کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ جبکہ ڈاکٹروں کی رائے میں مریض کی جان بچنا مشکل ہو رہی ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً: ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں داخل نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس میں اجزاء انسانی سے انتفاع لازم آتا ہے اور اجزاء انسانی سے انتفاع حرام ہے۔

---

(۱) جدید طبی مسائل، ص: ۲۵۲۔ مکتبہ عثمانیہ راولپنڈی

"(قوله: وان حرام استعماله) أی استعمال جلده أو استعمال الآدمی بمعنی أجزاء ه وبه یظهر التفریع بعده"۔(۱)

البتہ اگر اس کے بغیر جان بچنا دشوار ہو، تو بقدر ضرورت اس کی اجازت ہے۔(۲)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

"انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا (یعنی استعمال کرنا) دو وجہ سے حرام ہے:

(۱) خون انسان کا ایک جزء ہے، اس لئے واجب التکریم ہے۔

(۲) انسان کا خون بدن سے نکال لیا جائے، تو وہ نجس ہے، لہذا عام حالات میں جب کہ کوئی اضطراری صورت نہ ہو، آیت قرآنی ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ کے پیش نظر اس کا استعمال حرام ہوگا، البتہ جب کسی مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو، تو ایسی اضطراری حالت میں بقدر ضرورت مریض کو خون دینا جائز ہے، اور ایسی اضطراری صورت میں کوئی مسلمان دوسرے کو (یعنی مریض کو) اپنا خون مفت دے، تو اس کی بھی گنجائش ہے، بشرطیکہ خود کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، محض منفعت یا زینت یا قوت وطاقت بڑھانا مقصود ہو، تو ایسی صورت میں خون استعمال کرنا اور خون دینا ہرگز جائز نہیں۔(۳)

کفایت المفتی میں ہے:

"ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا ناجائز ہے، کیونکہ اس میں انتفاع بجزء الانسان اور انتفاع بالنجس دونوں علتیں ہیں اور دونوں ناجائز

---

(۱) فتاویٰ شامی: ۱/۱۸۸

(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۳۳۰۔ دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

(۳) فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۱۷۴۔ دارالاشاعت کراچی

ہیں......لیکن اگر کسی مریض کی جان کا خوف ہو اور کوئی طبیب مسلم حاذق کہہ دے کہ اس کے بدن میں خون پہنچانا اس کی جان بچانے کا ذریعہ ہوسکتا ہے، تو اس وقت یہ مباح ہوگا"۔(۱)

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:

"انسانی خون یا اجزاء کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اہل علم کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ تمام انسانی اجزاء کے استعمال کا حکم خواہ وہ انسان مسلم ہو یا غیر مسلم دوسری سب چیزوں کے احکام سے مختلف ہے، یعنی احترام انسانیت کی وجہ سے عام حالات میں انسان کے تمام اجزاء کا استعمال شرعاً ممنوع ہے، اسی بنیاد پر فقہاء نے انسانی جسم کے پاک اجزاء کا بھی (حتیٰ کہ باندی کے دودھ کا بھی) استعمال اور ان کی خرید وفروخت کو ناجائز بتایا ہے، فقیہ ابن ہمام جیسے محقق فرماتے ہیں:

" لایجوز بیعه......إذا استغنیٰ عن الرضاع ، لایجوز شربه والانتفاع به یحرم "۔(۲)

"جب بچے کا کام انسانی دودھ کے بغیر چل سکتا ہو، تو (یعنی مدت رضاعت کے بعد) بچے کے لئے بھی انسانی دودھ کا پینا جائز نہیں ہے"۔

جب پاک اجزائے انسانی کا یہ حکم بتایا گیا ہے، تو وہ اجزاء جو ناپاک ہیں (مثلاً خون) ان کے استعمال سے تو اور بھی زیادہ سختی کے ساتھ روکا جانا چاہئے، پھر بظاہر اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ کسی بھی حالت میں انسانی خون کے استعمال کی اجازت نہ ہو، لیکن چونکہ فقہائے متاخرین نے انسانی دودھ کے دواء کے طور پر استعمال کی اجازت دے دی ہے (دلیل آگے آرہی ہے) اس پر قیاس کرتے ہوئے عصر حاضر کے اکثر ممتاز علماء نے مثلاً مشہور فقیہ ومحقق حضرت

(۱) کفایت المفتی: ۹/۱۵۶

(۲) فتح القدیر: ۲/۲۰۱، مطبوعہ مصر

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (سابق مفتی اعظم پاکستان) نے بحالت اضطرار صرف مریض کی جان بچانے کی غرض سے کچھ شرطوں کے ساتھ جن میں سے دو اہم شرطیں یہ ہیں: (۱) اس سے خون دینے والے کی جان یا صحت کو خطرہ پیش نہ آئے۔ (۲) اور اس سے انسانی خون کی ارزانی (بیع وشراء کا دروازہ کھل جانے کا) اندیشہ بھی نہ ہو۔ انسانی خون مریض کے بدن میں منتقل کرنے کو بھی جائز بتایا ہے، مسئلہ چونکہ اہم اور تفصیلات طلب ہے، اس لئے یہاں مفتی صاحب کی عبارت کا ایک طویل اقتباس نقل کیا جارہا ہے۔

خون اگرچہ اجزاء انسانی ہے، مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے انسانی اعضاء میں کانٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور دوسرے کے بدن میں ڈالا جاتا ہے، اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی، جو بدن انسانی سے بغیر کسی کانٹ چھانٹ کے نکلتا اور دوسرے کے بدن میں ڈالا جاتا ہے...... بوجہ ضرورت اس کے استعمال کی اجازت بچوں کے لئے دی گئی ہے اور علاج کے طور پر بڑوں کے لئے بھی، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

"ولا بأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء"۔(۱)

اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے، تو کچھ بعید از قیاس نہیں، کیونکہ دونوں جزء انسانی ہونے میں مشترک ہے، فرق صرف یہ ہے کہ دودھ پاک ہے اور خون ناپاک، تو حرمت کی پہلی وجہ یعنی جزء انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت نہ رہی، صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا، علاج ودواء کے معاملے میں بعض فقہاء نے خون استعمال کی بھی اجازت دی ہے، اس لئے انسانی خون دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز

---

(۱) فتاوی عالمگیری، کتاب الکراہیۃ، باب التداوی والمعالجات: (۳۵۵/۵) قدیمی

نہیں، مگر علاج ودواء کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے، اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو، اور کوئی دوسری دواء اس کی جان بچانے کے لئے مؤثر یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن احادیث وآثار میں حرام سے شفاء نہ ہونے کی خبر دی گئی ہے (مثلاً شراب کو دواء کے بجائے حدیث میں داء (بیماری) بتایا گیا ہے، اس میں فقہاء کے اس فیصلے میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ خیر عطاء فرمائے علماء امت کو کہ انہوں نے اس کا حل بھی بتادیا اور تضاد رفع کر دیا، اس بارے میں سب سے زیادہ سیر حاصل بحث علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی کی احقر کے مطالعے میں آئی، اس کے بعض ضروری حصوں کو پیش کر دینا شاید مناسب ہو۔

"والتداوی بمنزلة الضرورة، وقد قال الله تعالیٰ ﴿وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا ما اضطررتم اليه﴾ فما اضطر المرء اليه فهو غير محرم عليه من الماكل المشرب......واما روی عن النبی ﷺ ان الله لم يجعل شفائكم فيما حرم عليكم ......ولو صح لم يكن فيه حجة لان فيه الخمر ليست دواء اذليست دواء فلا خلاف بيننا فی ان ما ليس دواء فلا يحل تناوله اذا كان حراماً ...... وما اباحه الله تعالیٰ عند الضرورة فليس فی تلك الحال خبيثا......لان الحلا ل ليس خبيثا ...... وقد جاء اليقين باباحة الميتة والخنزير عند خوف الهلاك من الجوع فقد جعل تعالیٰ شفاء نا من الجوع المهلك فيما حرم علينا فی غير تلك الحال......فاذا اضطررنا اليه فلم يحرم علينا حينئذ بل هو لنا حينئذ شفاء"۔(۱)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ فقہاء نے اشیاء محرمہ کی دوا

(۱) المحلی: (۲۱۳/۱) مطبوعہ مصر

استعمال کی بضرورت اجازت قرآن مجید کی ان آیات کی بنیاد پر دی ہے، جن میں حرام اشیاء کے استعمال کی مضطر کے لئے اجازت دی گئی ہے، اس طور پر کہ ان آیات کے اندر بھوک سے موت کا یقینی خطرہ پیدا ہو جانے کی حالت میں جان بچانے کے لئے میتہ (مردار) خنزیر، خون وغیرہ حرام اشیاء کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، تو بیماری کی وجہ سے جان ختم ہو جانے کا یقینی خطرہ پیدا ہو جانے کی حالت میں کسی حرام چیز کے بطور دواء استعمال کرنے کا جواز بھی دلالۃً ثابت ہوتا ہے۔(۱)

بوقت ضرورت انسانی خون کے استعمال کرنے کی اجازت بہت سے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً فتاویٰ عالمگیری المعروف بالفتاویٰ الہندیہ میں لکھا ہے:

"یجوز للعلیل شرب الدم والبول وأکل المیتة للتداوی إذا أخبره طبیب مسلم إن شفائه فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه"۔(۲)

## خون دینے سے خونی رشتہ

زوجین میں سے اگر کوئی ایک کسی دوسرے کو خون دے، کسی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے تو خون دینا جائز ہے اور اس سے زوجین کے درمیان نہ تو خونی رشتہ قائم ہوتا ہے اور نہ ہی میاں بیوی ایک دوسرے پر حرام ہوتے ہیں، یعنی خون دینے سے آپس میں کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ رشتے کا سبب اور ذریعہ ہے، اسی طرح خون دینے سے حرمت مصاہرت بھی ثابت نہیں ہوتی۔

## ساس یا سسر کا خون داماد میں منتقل ہو تو؟

اگر ساس یا سسر کا خون داماد میں منتقل کیا گیا، یا اس کے برعکس کیا گیا، تو اس سے داماد

(۱) موجودہ زمانے کے مسائل کا شرعی حل، ص:۲۴۶۔ الفیصل۔ لاہور
(۲) فتاویٰ عالمگیری: ۳۵۵/۵۔ مکتبہ رشیدیہ

کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، چنانچہ کفایت المفتی میں ہے:

سوال: اگر ساس کا خون داماد میں یا شوہر کا زوجہ کے بدن میں داخل کیا گیا، تو حرمت نکاح ثابت ہوگی یا نہیں؟

جواب: اگر زوج کے بدن میں بیوی کا خون یا ساس کا خون داخل کر دیا جائے تو اس سے حرمت زوجہ کا شبہ کرنا درست نہیں، کیونکہ حرمت رضاعت بھی دودھ کے مدت متعینہ میں پینے سے پیدا ہوتی ہے، اگر زوج بڑی عمر میں اپنی بیوی یا ساس کا دودھ بھی پی لے، تو یہ فعل تو اس کا حرام ہوگا، لیکن بیوی اس پر حرام نہیں ہو جائے گی، پس اس علاج کا اثر نکاح پر کسی صورت میں نہیں پڑے گا۔(۱)

## کافر و فاسق کا خون منتقل کرنا:

مسلمان کے بدن میں کافر کا خون اور صالح اور عادل آدمی کے بدن میں فاسق فاجر اور کافر کا خون منتقل کرنا یا چڑھانا فی نفسہ جائز ہے، عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، مگر بسا اوقات اس خون کے اثرات بد ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے ہر ممکن صورت بچنا چاہئے، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوہ کے ناظم و صدر شعبہ تفسیر ندوۃ العلماء حضرت مولانا برہان الدین صاحب رقم طراز ہیں:

"اصولاً مسلم اور غیر مسلم دونوں کے خون کا حکم یکساں ہے، لیکن یہ الگ بات ہے کہ کسی دیندار شخص کے جسم میں بے دین کا خون داخل کر دینے کے نتیجہ میں غلط اثرات مرتب ہونے کا خطرہ ہو (جیسا کہ بعض واقعات سننے میں آئے ہیں) تو پھر اس وجہ سے اسے ناپسند قرار دیا جانا ہی شریعت کا تقاضا ہوگا"(۲)

نظام الفتاویٰ میں ہے:

(۱) کفایت المفتی: ۹/۱۵۴

(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۳۷۴

''اگر حاذق طبیب (ڈاکٹر) یہ تشخیص کر دے، اور یہ کہہ دے کہ اس مرض کا یہی علاج ہے کہ اس جسم میں خون چڑھایا جائے، تو اس تشخیص کے مطابق خون چڑھانے کی گنجائش ہو جائے گی، اور چونکہ مریض کے جسم میں جس نمبر اور جس درجہ کا خون ہوتا ہے، اسی نمبر اور اسی درجہ کا خون چڑھانا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اسی نمبر کا خون خواہ مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا مرد کا ہو، یا عورت کا، جس کا بھی ہو وہی دینا ضروری ہوگا، محض مسلمان ہی کا خون دینا ضروری نہ ہوگا''۔(۱)

## خون انسانی کی خرید و فروخت

کسی مسلمان کا اپنا خون کسی شخص یا ادارہ پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ فعل ناجائز ہے اور اس کے عوض جو ثمن اور قیمت وصول ہوگی، وہ حرام ہوگی، اسی طرح خون خریدنا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض اداروں نے جو خون کی خرید و فروخت کو ذریعہ کسب بنایا ہوا ہے اور خون کی با قاعدہ تجارت کرتے ہیں، یعنی لوگوں سے خون خرید کر بیماروں پر مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں، شرعاً ایسی تجارت حرام ہے، اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ مال بھی حرام ہے۔

"عن عون ابن ابی جحیفه عن ابیه عن النبی ﷺ نهی عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب البغیٰ"۔(۲)

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خون کی قیمت اور کتے کے ثمن اور زانیہ کی کمائی اجرت سے منع فرمایا ہے۔

الفقہ الحنفی میں ہے:

"وكان سيدی الشيخ محمد الحامدؒ يحض علی التبرع بالدم للمريض المحتاج إليه، ويمنع أخذ المتبرع عوضا ماليا علی تبرعه،

(۱) نظام الفتاوی: ۱/۲۹۔مکتبہ رحمانیہ لاہور

(۲) صحیح البخاری، کتاب اللباس باب من لعن المصور: ۲/۸۸۱

و قد قال فی ذلك : ألا فليبادر شبابنا الأقوياء الدمويون إلى التبرع بدمائهم ماجورين مبرورين غير خاذلين لإخوانهم ، فإن النبی ﷺ قال فی الصحيح : المسلم أخو المسلم لا يخذله ولا يظلمه ولا يسلمه أی فلا يقبض يدا عن استبقائه دون ما خذلان أو ظلم أو تركه فريسه للعدو المحتال ـ لا يخشى هولاء المتبرعون ضيما فإن التخفيف فی الامتلاء الدموی من أسباب الصحة "۔(۱)

ہمارے استاذ شیخ حامدؒ ضرورت مند مریض کو مفت خون دینے کی بڑی ترغیب دیتے تھے اور خون کے بدلے مال معاوضہ لینے سے منع کرتے تھے، اس بارے میں وہ فرماتے ہیں: ہمارے صحت مند خون رکھنے والے نوجوانوں کو اجر وثواب کی نیت سے مفت خون دینے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہئے...... خون دینے والوں کو کمزوری سے نہیں ڈرنا چاہئے، کیونکہ خون میں کمی کرنا صحت کے اسباب میں سے ہے۔

## خون دینے میں فرض عین اور فرض کفایہ:

اگر کسی مریض کی زندگی خون پر موقوف ہے اور اس کے بغیر اس کا مرنا یقینی یا ظن غالب کے درجہ میں ہے اور ایک شخص کا خون اس سے ملتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے، یا موجود تو ہے، لیکن اس کا خون مریض کے خون سے ملتا ہی نہیں، اور وہاں کسی کے خون سے تبادلہ کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں شخص مذکور پر مریض کو خون دینا فرض عین ہے، اگر وہ نہیں دیتا، تو سخت گناہ گار ہوگا، ایسی صورت میں حاکم وقت اسے خون دینے پر مجبور بھی کرسکتا ہے۔

لیکن اگر اس کے علاوہ بھی خون کا بندوبست ہوسکتا ہے، تو پھر اس پر خون دینا ضروری نہیں ہے، اس صورت میں خون دینا فرض کفایہ ہے، کوئی ایک شخص بھی دے دے، تو سب

(۱) الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۵۶/۴

گناہ سے بچ جائیں گے اور اگر کوئی بھی نہ دے، تو سب گناہ گار ہوں گے۔(۱)

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:

"اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جن حالتوں میں انسانی خون کے استعمال کی اجازت ہے، کیا ان میں اس کے خون کی خرید وفروخت بھی جائز ہے،؟ اس کا جواب ذیل میں دیا جارہا ہے، یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ کسی چیز کا استعمال جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا خرید وفروخت کرنا بھی جائز ہو، جیسا کہ اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے۔

"لا يجوز بيع شعر الخنزير، لأنه نجس العين، فلا يجوز بيعه إهانة له، ويجوز الانتفاع للخرز"۔(۲)

خنزیر کے بال کا بیچنا جائز نہیں ہے، اگر چہ اس کے بال جوتے کے سینے میں بضرورۃ استعمال ہوسکتے ہیں۔

اور علامہ شامی نے بھی یہ جزئیہ ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد جزئیات اس بارے میں ملتے ہیں۔ مثلاً:

"عن الإمام أن الانتفاع بالعذرة الخاصة جائز...... مع أنه لا يجوز بيعها"۔(۳)

گو گوبر کا بیچنا جائز نہیں ہے، اگر چہ اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے (کھاد وغیرہ کے طور پر)

اس سے بھی یہی مفہوم ہوا کہ "ضرورۃ" کے طور پر جن چیزوں کے استعمال کی گنجائش شریعت میں دی گئی ہے، ان کی بیع کا جواز لازمی نہیں ہے، ہاں! اگر وہ چیز ضرورت کے وقت بغیر قیمت دیئے ہوئے نہ ملتی ہو، تو اضطرار کی حالت

---

(۱) جدید طبی مسائل، ص:۲۶۲

(۲) ہدایہ:۴/۱۱۳

(۳) فتح القدیر:۵/۲۰۲

میں مضطر کے لئے اس کی قیمت دینا تو جائز ہوگا، مگر لینے والے کے لئے وہ قیمت حلال نہ ہوگی۔(۱)

آگے لکھتے ہیں:

''اس پر قیاس کرتے ہوئے صورت مسئولہ کا بھی حکم یہی معلوم ہوتا ہے کہ اضطرار کی حالت میں انسانی خون اور اس جیسی دیگر اشیاء محرمہ کا استعمال تو جائز ہے، مگر خرید وفروخت جائز نہیں، البتہ بوقت ضرورت یہ اشیاء اگر بلا قیمت نہ مل سکیں، تو ضرورت مند کے لئے قیمت دے کر بھی ان کا استعمال جائز ہوگا، مگر قیمت لینا درست نہ ہوگا''۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جب مریض کو خون کی ضرورت ہو اور خون بلا قیمت نہ مل رہا ہو، تو مجبوری کی صورت میں مریض کی جان بچانے کے لئے خون کسی شخص سے بھی خرید سکتے ہیں اور بلڈ بینک سے بھی خرید سکتے ہیں۔

چنانچہ مفتی انعام الحق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

''مریض کو خون کی سخت ضرورت پیش آئی اور تبرعا فری خون نہ مل سکا، تو مجبوراً قیمت دے کر حاصل کرنا جائز ہوگا، مگر خون دینے والے کے لئے قیمت لینا درست نہیں''۔(۳)

---

(۱) موجودہ زمانے کے مسائل کا شرعی حل، ص:۲۵۲

(۲) موجودہ زمانے کے مسائل کا شرعی حل، ص:۲۵۲

(۳) علاج ومعالجے کے شرعی احکام: (ص:۱۱۳)

# (۳)

# تیسرا باب

# سرجری کی اقسام اوران کے احکام

## آپریشن (سرجری) کا معنی

آپریشن (surjery) کو عربی میں جراحۃ کہتے ہیں، جُرح اور جراحۃ کا معنی آتا ہے: زخم، گوشت کا چیرنا اور جراح کہا جاتا ہے زخم کی دواء کرنے والا یعنی سرجن۔(۱)

## سرجری کی مشروعیت کی شرائط:

مسئلہ: میڈیکل سرجری بسا اوقات مریض کی موت وہلاکت یا کسی عضوء کے تلف ہونے کا سبب بن جاتی ہے، اسلئے فقہاءؒ نے اس کی مشروعیت اور جواز کے لئے آٹھ شرائط بیان کیے ہیں:

(۱) سرجری مشروع اور جائز ہو، یعنی جو آپریشن کیا جارہا ہے، وہ شرعا جائز بھی ہو، اسلام میں اس کے کرنے کی اجازت بھی ہو۔

(۲) مریض سرجری کا محتاج بھی ہو، یعنی واقعتا سرجری کی ضرورت بھی ہو۔

(۳) مریض آپریشن کرنے کی اجازت بھی دے، بغیر اجازت کے آپریشن کرنا جائز نہیں ہے (اجازت کے مسائل آگے آرہے ہیں)

(۱) لغات الحدیث: (۱/۲۸۴)

(۴) سرجن اور اس کے مددگار ڈاکٹرز اور اہلکاروں میں اہلیت کاملہ بھی موجود ہو، یعنی ڈاکٹر خود سرجن ہو اور اس کے اہل کار بھی ایسے ہوں جو اس سے پہلے آپریشن کر چکے ہوں، سند یافتہ سرجن ہو۔

(۵) سرجن کو سرجری کے کامیابی کا غالب گمان ہو۔

(۶) سرجری کا ایسا متبادل نہ پایا جائے، جو ضرر میں اس سے خفیف ہو، یعنی اس کے علاوہ نقصان میں کم درجے کا علاج موجود نہ ہو۔

(۷) سرجری پر مصلحت مرتب ہو۔

(۸) سرجری کی وجہ سے ایسا ضرر (نقصان) لاحق نہ ہو، جو موجودہ ضرر اور بیماری سے بڑھ کر ہو۔

مسئلہ: اگر تجربہ کار سرجن کو میڈیکل سرجری کی وجہ سے مریض کے ہلاک ہونے کا غالب گمان ہو، تو اس وقت میڈیکل سرجری کرنا حرام ہوگی، کیونکہ مسلمان کی جان بچانا ضروری ہے، اور اس صورت میں ایک جان کو مارنا لازم آئے گا۔

عام حالات میں انسانی جسم کی کانٹ چھانٹ، قطع وبرید، جراحی اور آپریشن درست نہیں ہے، کیونکہ شریعت کی رو سے انسانی جسم قابل تکریم وتعظیم ہے اور آپریشن اس کی تعظیم کے منافی ہے، لہٰذا محض حسن وجمال میں اضافہ کرنے کے لئے آپریشن اور اعضاء کی سرجری درست نہیں ہے، کیونکہ یہ کوئی ضرورت نہیں، یہ زیب وزینت کا درجہ ہے، جس کے لئے شریعت قطع وبرید کی اجازت نہیں دیتی، البتہ علاج ومعالجہ کے لئے بوقتِ ضرورت آپریشن درست اور جائز ہے، کیونکہ اس میں خود جسم انسانی کی حفاظت مقصود ہے اور ایسی ضرورت کے لئے آپریشن کرنا حدیث سے ثابت ہے:

"عن جابرؓ قال: بعث النبی ﷺ إلی أبی طبیبا فقطع منه عرقا"۔(۱)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ابی بن کعب کے پاس ایک

---

(۱) سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی قطع العرق: ۱۸۴/۲

طبیب بھیجا، اس نے ان کی ایک رگ کاٹ دی۔

☆ حضرت مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:

''ہر وہ آپریشن کرنا جائز ہے جس سے مریض صحیح ہو جاتا ہے، یا کبھی صحیح ہو جاتا ہے اور کبھی مر جاتا ہے اور اگر بیمار حصہ چھیڑنے سے مریض جانبر نہ ہوتا ہو، تو پھر ایسا آپریشن کرنا جائز نہیں ہے''۔(۱)

فقہاء کرام نے آپریشن کے جواز کی یہ شرط لگائی ہے کہ اس کے نتیجہ میں صحیح ہونے کا غالب گمان ہو، آج کل عمومی نوعیت کے جو آپریشن ہوتے ہیں، ان میں صحت وسلامتی کا گمان غالب ہوتا ہے، لہٰذا وہ جائز ہیں۔

آپریشن وسرجری کی مختلف اقسام ہیں، جن میں سے بعض جائز اور بعض ناجائز ہیں، ہم ان اقسام میں سے ہر ایک کا حکم الگ الگ بیان کریں گے۔

## آپریشن سرجری کی اقسام

(۱) آپریشن سرجری برائے علاج وضرورتِ شدیدہ ۔

(۲) عمل جراحی (Esseullal, surgery) بر بنائے علاج وضرورتِ خفیفہ

(۳) جراحاتِ صغریٰ برائے علاج ومعالجہ۔

(۴) آپریشن سرجری برائے تشخیص مرض۔

(۵) آپریشن برائے پوسٹ مارٹم۔

(۶) سرجری آپریشن برائے تعلیم، یعنی تشریح الاعضاء ۔

(۷) آپریشن سرجری برائے ولادت۔

(۸) آپریشن برائے نس بندی۔

(۹) آپریشن برائے تبدیلی جنس۔

(۱۰) سرجری برائے حسن وزیبائش، یعنی پلاسٹک سرجری۔

(۱) مسائل بہشتی زیور: ۲/۴۴۴

(۱۱) سرجری ہیر ٹرانسپلانٹ، یعنی بالوں کی پیوندکاری۔
(۱۲) آپریشن برائے ختنہ۔

## آپریشن سرجری برائے علاج وضرورت شدیدہ:

ایسا آپریشن جو بغرض علاج کیا جاتا ہے، اگر آپریشن کرنے کی واقعی ضرورت ہو، تو بغرض علاج آپریشن کرنا، کرانا جائز ہے بلکہ بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں آپریشن ضروری ہوجاتا ہے، اگر آپریشن کرنے کی سخت ضرورت ہو، مثلاً مریض کی حالت بیماری کی وجہ سے ایسی خستہ ہو چکی ہو کہ اگر آپریشن نہ کیا جائے، تو اس مرض میں مریض کی موت واقع ہوجائے، تو اس مرض کو دور کرنے اور مریض کی جان بچانے کے لئے سرجری آپریشن کرنا بلا شبہ جائز، بلکہ لازم اور ضروری ہے، اس سرجری کو "اَلْجِرَاحَةُ الْعِلَاجِيَةُ الضَّرُوْرِيَّةُ" کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: ہر وہ آپریشن کرنا جائز ہے جس سے مریض صحیح ہو جاتا ہے، یا کبھی صحیح ہو جاتا ہے اور کبھی مر جاتا ہے اور اگر بیمار حصہ چھیڑنے سے مریض جانبر نہ ہوتا ہو، تو پھر ایسا آپریشن کرنا جائز نہیں"۔(۱)

اس قسم آپریشن کو عربی میں "الجراحۃ العلاجیہ" کہتے ہیں، جیسے دل کے بند شریانوں کا آپریشن اگر نہ کیا جائے، تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

## بند شریانوں کا آپریشن سے علاج:

دل کے شریانوں کا بائی پاس آپریشن گزشتہ ۲۵ تیس برس سے بہت عام ہوتا جارہا ہے، اندازاً ۵ لاکھ سے زیادہ بائی پاس آپریشن دنیا بھر میں ہر سال ہوتے ہیں، ان میں سے اڑھائی لاکھ تو صرف امریکہ میں ہوتے ہیں، اگر خدانخواستہ آپ کو دل کی شریانوں کی بیماری ہے اور وہ اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ اسے ادویات سے قابو میں نہیں رکھا جاسکتا، یا آپ کے

(۱) مسائل بہشتی زیور: ۲/۴۴۴

دل کی بائیں مرکزی شریان میں رکاوٹ بڑھ چکی ہے، یا پھر تینوں شاخیں بند ہو چکی ہیں، تو آپ کو بائی پاس آپریشن کی ضرورت ہے۔

بائی پاس آپریشن کا تمام تر عمل اب تجربہ کار سرجنوں کے ہاتھوں پوری طرح محفوظ ہو چکا ہے، ۱۹۶۰ء کے عشرے کے اواخر میں سب سے پہلے بائی پاس آپریشن کے بعد سے سرجری کرانے والے مریضوں کی اوسط عمر پندرہ سال بڑھ چکی ہے، آپریشن کے بعد اچھی صحت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

اب آپ کو ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے سینکڑوں مریض نظر آئیں گے، جو بائی پاس کے بعد اچھی صحت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، امریکہ میں ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۸ء کے درمیان ۹۰۰ مریضوں کے کوائف نوٹ کیے گئے، بائی پاس آپریشن کی وجہ سے اس کے دوران مرنے والوں کی شرح ۵۔۲ فیصد نکلی۔ ۹۰ فیصد سے زیادہ مریض آپریشن کے بعد ۵ سال سے زیادہ عرصہ زندہ رہے، آپریشن کی بہتر سہولتوں اور بہتر ادویات اور تربیت کی بدولت آپریشن میں مرنے والوں کی تعداد محض ایک فیصد رہ گئی ہے، یعنی ۹۹ فیصد مریض آپریشن کے مرحلے سے کامیابی سے نکل آتے ہیں اور صحت مند زندگی گزارتے ہیں۔

بائی پاس آپریشن ایک یا ایک سے زیادہ شریانوں کا کیا جاتا ہے، آپریشن کا مقصد بند شریان کی جگہ نئی پیوند لگانا ہے، یہ پیوند عموماً ٹانگ کی ایک خون کی نالی نکال کر دل کی بیرونی سطح پر اس طرح لگایا جاتا ہے کہ اس کا ایک سرا رکاوٹ کے مقام سے پہلے اور دوسرا سرا رکاوٹ کے آگے بند شریان میں داخل کر دیا جاتا ہے، اس طرح خون کا بہاؤ رکاوٹ کے مقام کو بائی پاس کر کے آگے دل کے پٹھے میں پہنچنے لگتا ہے۔

پیوند کاری یا بائی پاس آپریشن کے لئے سرجن مریض کی چھاتی کو کاٹ کر چھاتی کھول لیتا ہے، دل کو بجلی کا جھٹکا اور ادویات دے کر عارضی طور پر دھڑکنے اور کام کرنے سے روک لیا جاتا ہے، ایک ہارٹ لنگ مشین اس عرصہ کے دوران خون کی سپلائی جسم کے تمام حصوں کو جاری رکھتی ہے، بائی پاس یا شریان کی پیوندکاری میں بند شریان میں رکاوٹ کے مقام کے آگے خون کی رسد بحال کرنے کیلئے ٹانگ سے نکالی ہوئی خون کی نالی کا ایک سرا شریان

اعظم یعنی دل کی مرکزی خون کی نالی میں اور دوسرا بند شریان میں رکاوٹ کے مقام کے آگے اسی شریان میں داخل کر کے سی دیا جاتا ہے۔

## بائی پاس آپریشن کے نقصانات:

بائی پاس آپریشن کی تکنیک اب بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے، لیکن یہ طریقہ کار بہر حال ابھی تک پیچیدگیوں سے آزاد نہیں ہوسکا، کچھ عام مسائل ایسے ہیں جن سے مریض کو واسطہ پڑتا ہے، ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

### ھارٹ اٹیک

پیوند کی جانی والی شریان کو ٹانکے لگانے میں اگر چہ بہت احتیاط اور توجہ سے کام لیا جاتا ہے، لیکن اگر معمولی سی رکاوٹ بھی بن جائے، تو دل کے پھٹے کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں ہارٹ اٹیک ہوسکتا ہے، چونکہ تمام مریض آپریشن کے بعد کڑی نگرانی میں ہوتے ہیں، اس لئے زیادہ تر مریض ہارٹ اٹیک سے جانبر ہو جاتے ہیں۔

### ذہنی الجھاؤ اور عدم توازن

اگر چہ آپریشن کے دوران دماغ کو خون کی سپلائی کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رہتی ہے، لیکن آپریشن کے نفسیاتی اثرات سے بھی مریض محفوظ نہیں رہتے، بائی پاس آپریشن کے بعد ۵ سے ۱۰ فیصد مریض کچھ عرصہ تک ذہنی توازن اور الجھاؤ کے شکار رہتے ہیں، خوش قسمتی سے یہ کیفیت ادویات کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور مریض چند دنوں میں بحال ہو جاتا ہے۔

### ھائی بلڈ پریشر

دل کا آپریشن ایک بڑا دباؤ ہوتا ہے، دباؤ پیدا کرنے والے ہارمونز کے زیادہ اخراج کی وجہ سے بلڈ پریشر عارضی طور پر ۳۰ فیصد تک بڑھ جاتا ہے، اس کو ختم کرنے کے لئے انتہائی طبی نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ ہسپتال کا عملہ اس طرف خصوصی توجہ دیتا ہے۔

## پیوند شدہ شریان کا سکڑ جانا

بائی پاس کے لئے پیوند کی گئی خون کی نالی شریان کا سکڑ جانا، یا اس میں رکاوٹ پیدا ہوجانا ایک سنگین مسئلہ ہوتا ہے، دراصل بائی پاس آپریشن دل کی شریانوں کے مرض کا حتمی علاج نہیں ہے، نئی شریان دل کو خاص عرصہ تک خون پہنچانے کا کام سرانجام دیتی ہے، طویل عرصے تک پریشانی سے بچنے کا یہی حل ہے کہ پیوند شدہ نئی شریان نہ سکڑے، یا اس میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔(۱)

## بائی پاس آپریشن کا حکم

ایسا آپریشن کرنا بلاشبہ جائز ہے، اس کے جواز میں کوئی شک وتردد نہیں ہے، بلکہ مریض کی جان بچانے کیلئے ایسا آپریشن ضروری ہوجاتا ہے۔

## عمل جراحی بر بنائے علاج وضرورت خفیفہ

وہ بیماری جس میں مریض کی موت کا خوف ہو، یا اس مرض کی شدت میں اضافہ کا خوف ہو، تو ایسی بیماری کو ختم کرنے کے لئے جو سرجری (آپریشن) کی جاتی ہے اس کو "اَلْجَرَاحَةُ الْعِلَاجِيَةُ الْحَاجِيَةُ" (Esseullal, surgery) کہتے ہیں۔

اس سرجری کی دو قسمیں ہیں:

۱)......ایسی بیماری جس کی وجہ سے مریض کو سخت ضرر پہنچتا ہو، خواہ وہ ضرر دائمی ہو یا وقتی ہو، جیسے ٹی بی کی صورت میں پھیپھڑوں میں پیپ پڑ جائے، تو آپریشن کرکے پیپ نکالنا جائز ہے۔

## Lungs (پھیپھڑے)

پھیپھڑے سانس کے عمل کے دو اہم اعضاء ہیں، یہ تعداد میں دو ہوتے ہیں، یہ مخروطی

(۱) بائی بلڈ ویسٹرول، ص ۱۸۶، ادارہ تخلیقات ہیلتھ سیریز

شکل کے ہوتے ہیں، یہ سینے کے جوف (Chest cavity) میں ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ہوتا ہے، پھیپھڑوں کی رنگت سرخ ہوتی ہے، یہ دل کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

پھیپھڑوں کی بیرونی سطح محدب (convex) ہوتی ہے، جبکہ اندرونی سطح (concave) ہوتی ہے، دائیں پھیپھڑے کے تین لوبز ہوتے ہیں، جس سے ایک بڑا لوب بنتا ہے، ان لوبلز میں چھوٹی چھوٹی نالیاں ہوتی ہیں، جن کو برونکیل ٹیوب کہتے ہیں، پھر یہ مزید تقسیم ہو کر چھوٹی نالیوں کے سروں پر ہوا کی تھیلیاں بن جاتی ہیں، جن کو alveoli کہتے ہیں، ان ہوادانوں میں باریک نالیاں ہوتی ہیں، جن کے درمیان گیسوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔

ہر پھیپھڑے کی اندرونی طرف (medial side) کہتے ہیں، یہ حصہ جہاں سے پھیپھڑے میں خون داخل اور خارج ہوتا ہے، وہ ہائلس کہلاتا ہے۔

جب ٹی وی کے مریض کے پھیپھڑوں میں پانی یا پیپ پڑ جائے، تو اس سے مریض کو سخت تکلیف ہوتی ہے، مریض انتہائی ضرر میں مبتلا ہو جاتا ہے، عموماً ایسا مریض کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور مریض پر دواء کا اثر نہیں ہوتا، ایسا مریض روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے، ڈاکٹر حضرات ایسے مریض کو پانی یا پیپ نکالنے کا مشورہ دیتے ہیں، اگر پھیپھڑوں میں پانی جمع ہو گیا ہو، تو عموماً یہ پانی سرجن حضرات سرنج سے نکالتے ہیں، لیکن اگر پانی گاڑھا ہو جائے، یعنی پیپ بن جائے، تو پھر یا تو سرجن حضرات چھوٹا آپریشن کر کے ٹیوب کے ذریعے پیپ نکالتے ہیں، لیکن اگر ٹیوب کے ذریعہ بھی مکمل صفائی نہ ہو، تو سرجن مریض کو آپریشن کا مشورہ دیتا ہے، آپریشن سے تقریباً مکمل صفائی ہو جاتی ہے، پہلے دو طریقے عموماً ناکام ہی ہوتے ہیں، البتہ تیسرا طریقہ کامیاب ذریعہ علاج ہے، جس سے پیپ مکمل نکل جاتی ہے۔

## ایسے آپریشن کا حکم:

ایسا آپریشن کرنا ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، عموماً یہ آپریشن انتہائی مجبوری کی حالت

میں کیا جاتا ہے، جب دوسری کوئی صورت نہ ہو، اس لئے شرعاً ایسا آپریشن کرنا جائز ہے۔

اگر صرف پانی پھیپھڑوں میں پڑ گیا ہو اور سرنج کے ذریعہ پانی نکل سکتا ہو، تو ایسی صورت میں یہ آپریشن کرنا جائز نہ ہوگا، یعنی آپریشن کر کے پانی نکالنا جائز نہ ہوگا، لیکن اگر ماہر سرجن کہہ دے کہ بغیر آپریشن کے پیپ نہیں نکلے گی، تو آپریشن کر کے پیپ نکالنا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

دوسری مثال جیسے اپنڈیسائٹس کا آپریشن کرنا بسا اوقات ضروری ہو جاتا ہے، اگر بر وقت اپنڈکس کا آپریشن نہ کیا جائے، تو زہر پورے پیٹ میں پھیل جاتا ہے، جس سے ہلاکت کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

اپنڈیسائٹس عام ایمرجنسی کنڈیشن ہے، یہ تمام عمر لوگوں کو خصوصاً ۱۵ اور تیس سال کے عمر کے جوانوں کو ہوتی ہے، اگر کسی شخص کی اپنڈکس نہیں نکالی گئی، تو اپنڈکس کو دوسری بیماری کی تشخیص کرتے وقت دیکھا جائے، کیونکہ یہ کسی وقت بھی ظاہر ہو سکتی ہے، یہ کنڈیشن مردوں میں زیادہ ہوتی ہے، اور عورتوں میں کم ہوتی ہے، یہ کنڈیشن اپنڈکس کے اندرونی راستے کے اندر پاخانے کی خشک رطوبت کی رکاوٹ سے ہوتی ہے، اس سے اپنڈکس کے اندر سوزش پیدا ہوتی ہے، اس سے پتھری بھی بن سکتی ہے، خون کا دورہ رک جاتا ہے اور بافتیں مردہ پڑ جاتی ہیں، اگر اپنڈکس پھٹ جائے، تو اس کا زہر سارے پیٹ میں پھیل جاتا ہے، اس سے مریض کی حالت بڑی خطرناک ہوتی ہے۔

جب اپنڈکس پھٹ جائے، تو مریض کے پیٹ کے اوپر والے حصے کے مرکز میں اچانک سخت درد شروع ہو جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں پیٹ کے دائیں طرف نچلے حصے میں منتقل ہو جاتا ہے، ایسی حالت انتہائی خطرناک ہوتی ہے، اس وقت مریض کا آپریشن کر کے مریض کی جان بچانا بلاشبہ جائز ہے، اگر اپنڈکس پھٹا نہ ہو، لیکن پھول گیا ہو، جس سے مریض تکلیف میں مبتلا ہو، تو اگر دوائی کے ذریعہ اس کی تکلیف دور کرنا ممکن ہو اور دوائی سے اس کی تکلیف دور ہو سکتی ہو، تو اس وقت آپریشن کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں اگر دوائی سے علاج ممکن نہ ہو، تو پھر بلاشبہ آپریشن کر سکتے ہیں جائز ہے۔

مسئلہ: صحت اور تندرستی کی حالت میں محض مستقبل میں ضرر کا خوف کرتے ہوئے اور مستقبل کی تکلیف سے بچنے کے لئے اپنڈکس کا آپریشن کرنا حرام اور ناجائز ہے، جواز کا حکم یقین پر لگتا ہے، محض وہم اور شک پر نہیں۔

۲)......دوسری قسم: ایسی بیماری جس سے فی الحال اس کا کوئی ضرر نہ ہو، لیکن مستقبل میں ضرر کا خوف ہو اور اس خوف کا حدوث متوقع ہو، شک اور وہم کے درجے میں نہ ہو، بایں طور کہ اگر سرجری نہ کی جائے، تو یہ مرض اس کے کسی عضوء کو لاحق ہو کر اس عضوء کی منفعت کو بالکلیہ ختم کر دے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولا بأس بقطع العضوء إن وقعت فيه الأكلة لئلا تسرى ولا بأس بشق المثانة إذا كانت فيها حصاة"۔(۱)

ترجمہ: اگر کسی عضوء میں سڑن پیدا ہو جائے، تو اس کی نشو ونما کو روکنے کے لئے عضوء کو کاٹ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور مثانہ میں پتھری ہو، تو اس کے آپریشن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر کسی عضوء کو کاٹنے کے بارے میں ماہر معالج کی رائے میں کوئی اور علاج نہ ہو، تو وہ عضوء کاٹنے کی گنجائش ہے۔

سوال: بعض دفعہ بیماری کی وجہ سے مریض کے ہاتھ ٹانگ کا کاٹنا پڑتا ہے، تاکہ یہ بیماری پورے جسم میں سرایت نہ کرے، تو کیا شرعی لحاظ سے مریض کے کسی عضوء کا کاٹنا صحیح ہے؟

جواب: جب ماہر معالج کی رائے میں عضوء کاٹنے کے علاوہ کوئی اور علاج نہ ہو، تو شرعاً اضطراری حالت میں بقدر ضرورت عضوء کاٹنے کی گنجائش ہے۔

"وفي فتاوى النوازل للشيخ الفقيه أبي ليث السمرقندي عن هشام أنه لا بأس بقطع اليد من الأكلة وشق البطن والمثانة وما يجري

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۱۱۴/۴۔ پشاور

محـراه يخشى التلف وإن لم يفعل ذلك قيل قد ينجو أو قد يموت أو قيـل يـنجو أو لا يموت يعالج وإن قيل لا ينجو أولا يموت يعالج وإن قيـل لا يـنـجـو أو لا يـمـوت يعـالـج وقيـل لا ينجو أصلا يجوز ترك المعالجة "۔(۱)

## جراحات صغریٰ برائے علاج ومعالجہ(minor surgery):

ایسی بیماری کا آپریشن کرنا جو نہ ضرورت کے درجے کو پہنچے اور نہ حاجت کے، بایں طور کہ وہ مرض انسان کو نہ موت تک پہنچا سکتا ہو اور نہ اس میں موت کا خوف ہو، لیکن اس مرض کو یونہی چھوڑے رکھنا تکلیف وپریشانی کا سبب بن سکتا ہے، اور یہ تکلیف وپریشانی متوقع ہو، جیسے ناک میں زائد گوشت کا بڑھ جانا، اگر اس زائد گوشت کو نہ نکالا جائے، تو یہ بڑھ کر تکلیف مشقت کا سبب بن سکتا ہے، اس لئے آپریشن کی یہ صورت شرعاً جائز ہے۔

## ناک کی ہڈی کا ٹیڑھا ہونا:

اگر کسی مریض کی ناک کی ہڈی ٹیڑھی ہو، تو اس کی ناک اکثر بند رہتی ہے، گلے میں خراش پیدا ہو جاتی ہے، چہرے اور کانوں میں درد اور سونگھنے کی قوت کم ہو جاتی ہے، اس کا علاج بھی آپریشن کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اس آپریشن کو MSR کہتے ہیں، اگرچہ اس آپریشن سے مریض ٹھیک ہو جاتا ہے، لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپریشن کرنے کے باوجود یہ تکلیف دور نہیں ہوتی۔ اسی طرح بسا اوقات ناک میں لمبی لمبی غدودیں نکل آتی ہیں، جن کو نواصیر کہتے ہیں، یہ ناک کو بند کر دیتی ہیں، اور بیماری سے سونگھنے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے، سر میں درد رہتا ہے، یادداشت خراب ہونے لگتی ہے، اور کسی چیز پر توجہ دینے میں مشکل پیش آتی ہے، ناک کی شکل مینڈک کی سی ہو جاتی ہے، اس بیماری کا صحیح علاج بھی آپریشن ہی ہے، یہ آپریشن کرنا بھی شرعاً جائز ہے۔

---

(۱) جدید میڈیکل کے مسائل کا حل، ص:۷۶

## آنکھ کا آپریشن اور اس کے متعلقہ مسائل:

آنکھ جسم کا ایک اہم عضوء ہے، اس کی حفاظت بہت ضروری ہے، اگر آنکھ ضائع ہوجائے، تو یہ دنیا آدمی کے لئے اندھیر نگری ہے، آنکھ میں کالا موتیا بند ہوجانا یہ ایک عام بیماری ہے، آنکھ کے اندر جب فلورائڈ کا پریشر ہو، اس سے آپٹک نرو optic nerve کمزور ہوجاتا ہے اور نظر پر اثر انداز ہوتا ہے، اس بیماری سے آنکھ کی بینائی بہت کم ہوجاتی ہے، جب آنکھ سرخ ہو جاتی ہے، تو اس موقع پر اس کا آپریشن کیا جاتا ہے، یعنی اس کا آپریشن کرنا ضروری ہوجاتا ہے، بلکہ اس کا علاج ہی صرف آپریشن ہے، دوسرے ذرائع سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اس آپریشن میں سرجری کے ذریعے آئرس کو کاٹ دیا جاتا ہے، جس سے نظر بحال ہوجاتی ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ جب اس کا علاج اور کوئی دوائی کی صورت میں موجود نہ ہو اور یہی اس کا حتمی علاج ہو، تو اس ضرورت کیلئے آپریشن کرنا شرعاً جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے

## سفید موتیا کیا ہوتا ہے:

ہر آنکھ میں ایک عدسہ ہوتا ہے، جو بالکل شفاف ہوتا ہے، اور نظر آنے والی چیزوں کی تصویر پردہ بصارت پر بناتا ہے، مختلف وجوہات کے باعث یہ بے رنگ اور شفاف عدسہ گدلا ہوکر سفید موتی کی شکل اختیار کرلیتا ہے، جس سے بینائی متاثر ہوجاتی ہے، بینائی اسی تناسب سے متاثر ہوتی رہتی ہے، جس تناسب سے شفافیت کم ہوتی جاتی ہے، اسی بیماری کا نام سفید موتیا ہوتا ہے۔

اس مرض کا علاج: اس کا علاج آپریشن کے علاوہ اور کوئی ایجاد نہیں ہوا، ۲۵، ۳۰ سال پہلے آپریشن کا طریقہ یہ تھا کہ خراب عدسے کو نکال دیا جاتا تھا اور اس کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی تھی، لینز نہیں ڈالا جاتا تھا، چنانچہ اسی عدسہ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے موٹے موٹے شیشوں والی عینکیں استعمال کی جاتی تھی، یہ عینکیں بذات خود معذوری کا باعث ہوتی تھی،

لیکن کافی عرصہ سے اب قدرتی عدسہ کے نکلنے سے خالی ہونے والی جگہ پر مصنوعی عدسہ لگا دیا جاتا تھا۔

لیکن آج کل سائنس کی ترقی کی وجہ سے آپریشن میں بھی کافی آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں، چنانچہ آج کل سفید موتیا کا آپریشن شعاعوں سے کیا جاتا ہے، اس کو فیکو سرجری کہا جاتا ہے۔

اس کا حکم: یہ سرجری کرنا آنکھ کی روشنی بحال کرنے کے لئے شرعا درست اور جائز ہے، اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ یہ آپریشن اللہ کی ایک نعمت ہے، اس آپریشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آنکھ کی قدرتی ساخت میں بہت کم تھوڑ پھوڑ کی جاتی ہے، اس لئے آنکھ بہت جلد اپنی اصلی حالت میں آجاتی ہے۔

## آپریشن کے بعد وضوء کرتے ہوئے آنکھ پر مسح کرنا

اگر آنکھ کے آپریشن کے بعد وضو کرسکتا ہو، تو نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے، اگر خود وضو نہ کرسکتا ہو، تو اس کو کوئی شخص وضو کرائے، اگر اس کو وضو کرانے والا بھی کوئی نہ ہو اور خود بھی وضو نہ کرسکتا ہو، تو تیمم کرلے۔

اگر وضوء کرسکتا ہے، لیکن آنکھ کو دھو نہیں سکتا، یعنی زخم کی وجہ سے آنکھ کا دھونا ممکن نہ ہو، تو اس صورت میں چہرے کے جن حصوں کو بآسانی دھو سکتا ہو، ان حصوں کو دھولے اور جس حصے کے دھونے سے پانی آنکھ میں جانے کا خطرہ ہو، تو اس حصے پر تر (گیلا) ہاتھ پھیر لے، یعنی مسح کرلے اور آنکھ پر جو پٹی بندھی ہے، اس پر مسح کرلے، اگر پٹی پر مسح کرنا بھی مضر ہو، تو مسح بھی ترک کردے۔

"وفي مختارات النوازل: وإنما يجوز المسح عليها إذا كان الماء يضر الجراحة إذا غسلها فإذا أضر يمسح على الجراحة وإن أضر يمسح على الجبيرة، وإن أضر المسح على الجبيرة سقط المسح"۔(۱)

(۱) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ۱/۱۱۳

ترجمہ: مسح کرنا زخم پر اس وقت جائز ہے جب دھونا نقصان دیتا ہو، پس جب دھونے سے نقصان اور ضرر، ہو تو زخم پر مسح کر لے اور اگر وہ بھی نقصان پہنچائے، تو پٹی پر مسح کر لے اور اگر پٹی پر مسح کرنا بھی نقصان کرتا ہو، تو مسح ساقط ہو جائے گا۔

## آنکھ کے آپریشن کے بعد نماز کس طرح پڑھے:

موتیا یا کسی اور مرض کی بناء پر آنکھ کے آپریشن کے بعد ڈاکٹر کا یہ تاکیدی مشورہ ہوتا ہے کہ زیادہ حرکت نہ ہو، خاص کر جھکنا، سجدے وغیرہ میں جانا، ان چیزوں کو ڈاکٹر حضرات بہت زیادہ نقصان دہ بتاتے ہیں، اگر واقعتاً رکوع اور سجدہ کرنے سے مریض کو نقصان پہنچتا ہو، یا خاطر خواہ فائدہ نہ ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں جب تک نقصان کا خطرہ ہو بیٹھ کر نماز ادا کی جائے، اگر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی نقصان دہ ہو، تو پھر لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے۔

حضرت عمران ابن حصینؓ جب بیمار ہوئے، تو حضور ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، تو عمران بن حصینؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول! میں نماز کیسے پڑھوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں، تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہیں، تو پہلو پر لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھو اور اگر اس کی بھی تجھ میں طاقت نہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ عذر قبول کرنے والے ہیں (یعنی پھر نماز مؤخر کر دی جائے)(۱)

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یصلی المریض قائماً إن استطاع، فإن لم یستطع صلی قاعداً، فإن لم یستطع أن یسجد أوماء، وجعل سجوده أخفض من رکوعه"۔(۲)

(۱) مبسوط، سرخسی: ۱۰۲/۱۰

(۲) ذکرہ الحافظ ابن حجر فی تلخیص الحبیر: ۲۶۶/۱

ترجمہ: مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے، اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں، تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں، تو اشارے سے نماز پڑھے اور سجدے میں رکوع سے زیادہ جھکے۔

اگر مریض ایسا ہو کہ وہ سر کے اشارے سے بھی نماز نہ پڑھ سکتا ہو، مثلاً آنکھ کے آپریشن میں ڈاکٹر نے ہلنے سے منع کر دیا، سر کا اشارہ بھی نہ کر سکتا ہو، تو ایسی صورت میں مریض نماز قضاء کر دے، نماز قضاء کرنے کا گناہ اس پر نہ ہوگا، اگر اس حالت میں پانچ یا پانچ سے کم نمازیں رہ گئیں، تو وہ بعد میں ان پانچ نمازوں کی قضاء کرے گا۔

چنانچہ حضرت علیؓ کے بارے میں آتا ہے:

"روی عن عليؓ إنه أغمي عليه في أربع صلوت فقضاهن"۔(۱)

ترجمہ: حضرت علیؓ پر چار نمازوں کے وقت بے ہوشی رہی تو انہوں نے ان نمازوں کی قضاء کی۔

اگر پانچ نمازوں سے زیادہ نمازیں مؤخر ہو گئیں، اس حالت میں کہ وہ بات کو تو سمجھتا ہو یعنی بے ہوشی کی حالت نہ ہو، مگر ڈاکٹر نے ہلنے سے منع کر دیا ہو، تو کیا ان نمازوں کی قضاء اس پر لازم ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں احناف سے مختلف روایات مروی ہیں:

اکثر فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذمے ان نمازوں کی قضاء نہیں ہے، جب وہ سر کے اشارے سے بھی نماز نہ پڑھ سکتا ہو، البتہ فقہاء میں سے صاحبِ ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ان نمازوں کی قضاء اس پر لازم ہوگی۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"وقوله أخرت عنه إشارة إلى أنه لا تسقط الصلوة عنه، وإن كان العجز أكثر من يوم وليلة إذا كان مفيقاً، وهو الصحيح، لأنه يفهم مضمون الخطاب بخلاف المغمیٰ عليه"۔(۲)

(۱) مبسوط: ۲/۳۸۱

(۲) الہدایہ: ۱/۱۶۹۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور

ترجمہ: صاحب قدوری کا یہ قول کہ "اخرت عنہ" اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے نمازیں ساقط نہیں ہوں گی، اگر چہ وہ ایک دن اور رات سے زیادہ عاجز ہو، جب اس کو افاقہ ہو (یعنی بے ہوش نہ ہو) اس لئے کہ وہ مضمون خطاب کو سمجھتا ہے، بخلاف مغمی علیہ کے (کہ وہ مضمون خطاب کو نہیں سمجھتا)

گویا صاحب ہدایہ کے نزدیک بے ہوشی والے اور ہوش والے میں یہ فرق ہے کہ بے ہوشی والا پانچ نمازوں سے زیادہ کی قضاء نہیں کرے گا، اور ہوش والے کے ذمے اگر پانچ نمازوں سے زیادہ ہیں، تو وہ ان کی قضاء کرے گا۔

البتہ صاحب ہدایہ نے اپنی دوسری تصنیف میں اس قول کے خلاف لکھا ہے کہ اس کے ذمے ان نمازوں کی قضاء نہیں ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ اپنی دوسری تصنیف "کتاب التجنیس والمزید" میں لکھتے ہیں:

"وإن كان أكثر من يوم وليلة لم يجب عليه قضاء الصلوات، لأنه لايفيد، لأنه لم يقدر على الأداء إذا تضاعف الواجبات، فصار كالمغمى عليه"۔(۱)

دوسرے فقہاء کرامؒ کی عبارات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا مریض جو ہوش میں ہو، لیکن ڈاکٹر نے حرکت کرنے سے منع کر دیا ہو، اگر اس کی پانچ سے زیادہ نمازیں رہ جائیں، تو ان کی قضاء اس کے ذمے لازم نہیں ہے۔

(۱) ملتقی الابحر میں ہے:

"وفي الخانيه الأصح أنه لا يقضي أكثر من يوم وليلة، كالمغمى عليه و هو ظاهر الروايه، وهذا إختيار فخر الإسلام وشيخ الاسلام، وفي الخلاصه وهو المختار لأن مجرد العقل لايكفي لتوجه الخطاب"(۲)

(۱) کتاب التجنیس والمزید: ۲/۱۷۷۔ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
(۲) ملتقی الابحر: ۱/۱۹۴

ترجمہ: اور خانیہ میں ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ ایک دن اور رات سے زیادہ نمازوں کی قضاء نہیں کرے گا، بے ہوشی طاری شدہ آدمی کی طرح، اور یہی قول فخر الاسلام اور شیخ الاسلام نے اختیار کیا ہے اور خلاصہ میں یہی قول مختار ہے، کیونکہ محض عقل کا ہونا توجہ خطاب کے لئے کافی نہیں ہے۔

(۲) کتاب الاختیار میں ہے:

"فإن عجز عن الإيماء برأسه أخر الصلوة ولا يؤمى بعينيه"۔

اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ عبداللہ ابن محمود لکھتے ہیں:

"فإن مات على تلك الحالة لا شيء عليه، وإن برئ أنه يلزمه قضاء يوم وليلة، لا غير، نفيا للحرج، كما في الجنون والاغماء، بخلاف النوم حيث يقضيها وإن كثرت"۔(۱)

ترجمہ: اگر اسی حالت میں مر گیا، تو اس پر کچھ بھی نہیں (یعنی فدیہ کی وصیت کرنا لازم نہیں) اور اگر ٹھیک ہوا تو اس پر ایک دن اور رات کی نمازوں کی قضاء لازم ہوگی اور اس کے علاوہ کی نہیں، حرج کو ختم کرنے کے لئے، جیسے جنون اور بے ہوشی میں ہوتا ہے، بخلاف نیند کے اگرچہ نمازیں پانچ سے زیادہ ہوں، تب بھی قضاء کرے گا۔

(۳) اسی طرح درمختار میں بھی ہے:

"وإن تعذر الإيماء برأسه وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة سقط القضاء عنه، وإن يفهم في ظاهر الروايه، وعليه الفتوىٰ، كما في الظهيرية، لأن مجرد العقل لايكفي كتوجه الخطاب"۔(۲)

اس لئے اکثر فقہاء یہی کہتے ہیں کہ ایسا مریض جو سر کا اشارہ بھی نہ کر سکتا ہو، اور اس کی نمازیں پانچ سے زیادہ ہوں، تو اس کے ذمے قضاء لازم نہیں ہے، اگرچہ فتویٰ اسی قول پر

(۱) کتاب الاختیار لتعلیل المختار، باب صلاۃ المریض: ۱۰۲/۱

(۲) درمختار: ۶۸۸/۲، کتاب الصلاۃ۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ہے، لیکن اختلاف سے بچنے کے لئے اگر ان نمازوں کی قضاء کرلے، تو یہ بہتر ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

''اگر مریض کی ایسی حالت ہو کہ وہ خطاب کو تو سمجھتا ہے، لیکن اشارہ نہیں کر سکتا، یا کسی حاذق دیندار معالج نے کہہ دیا ہے کہ اشارہ کرنے سے جان یا کسی عضو مثلاً آنکھ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اور اسی حالت میں اس کو ایک دن رات سے زیادہ گزر جائے، تو اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے کہ وہ تندرست ہو جانے کے بعد ایسی حالت میں جو نمازیں چھوٹی ہیں، ان کی قضاء کرے گا یا نہیں؟ ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کے ذمے قضاء لازم نہیں اور اسی پر علماء کا فتویٰ ہے اور یہی تجنیس میں لکھا ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے، مگر ہدایہ میں لکھا ہے کہ اس پر قضاء ضروری ہے، اگر چہ جمہور علماء کا فتویٰ اسی پر ہے کہ اس کے ذمے قضاء ضروری نہیں، لیکن چونکہ بعض علماء جیسے صاحب ہدایہ نے ہدایہ میں قضاء کو بھی تحریر فرمایا ہے، اس لئے احوط یہی ہے کہ قضاء کی جائے''۔(۱)

## جڑوان بچوں کو آپریشن کے ذریعے ایک دوسرے سے جدا کرنا:

ایسا بھی کئی مرتبہ ہوتا ہے کہ دو بچے جو جڑواں پیدا ہوتے ہیں، مثلاً ان کا سر آپس میں جڑا ہوتا ہے، یا ان کے باقی اعضاء آپس میں جڑے ہوتے ہیں، ان کو آپریشن کر کے ایک دوسرے سے جدا کیا جاتا ہے، بغیر آپریشن کے وہ نہ تو ایک دوسرے سے جدا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا جدا کرنا بغیر آپریشن کے ممکن ہوتا ہے، تو ان کو الگ کرنے کے لئے آپریشن جائز ہے، یہ جواز اس وقت ہے جب یہ بات یقینی ہو کہ آپریشن کرنے سے دونوں صحیح سالم جدا ہو جائیں گے، لیکن اگر جدا کرنے کی صورت میں ان کا بچنا ممکن نہ ہو، یا جدا کرنے کی صورت میں مرنا یقینی ہو، تو پھر یہ آپریشن کرنا جائز نہیں ہوگا۔

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۵۷۔ دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

## ورم سوجن کو جڑ سے ختم کرنے کا حکم:

اگر بدن میں ورم پیدا ہو جائے، یعنی گوشت یا رگوں میں گانٹھ کا پیدا ہونا اور جسم کا بڑھنا یہ غیر طبعی ہوتا ہے، یہ ورم کسی بیماری یا آفت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اس کی پھر دو قسمیں ہیں:

(۱) ایسے ورم جن کا علاج آسانی سے ہو سکتا ہو (Good swalling) کہلاتے ہیں، یہ وہ ورم ہوتا ہے، جس کا نمو (بڑھنا) سست ہوتا ہے، آہستہ آہستہ بڑھتا ہے، باہر سے غلاف اس کو گھیرے ہوتا ہے، یہ سوجن محدود ہوتی ہے اور بڑھ کر خون میں منتقل نہیں ہوتی، یہ سوجن علاج سے ٹھیک ہو جاتا ہے، ایسے سوجن ورم کو کاٹنا یا جڑ سے نکالنا جائز نہیں ہے، یعنی اس کو آپریشن کے ذریعہ ختم کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) دوسرے وہ ورم یا سوجن جو لاعلاج ہوتے ہیں اورام خبیثہ کہلاتے ہیں، یہ وہ سوجن ہے جو تیزی سے بڑھتا ہے اور بڑھتے بڑھتے جسم میں پھیل جاتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کینسر (۲) سلجات۔ یہ گوشت میں پیدا ہونے والا ایک خطرناک ورم ہے۔

## کینسر Cancer (سرطان):

کینسر بہت عام بیماری ہے، یہ ساری دنیا میں پائی جاتی ہے، یہ دل کی بیماری کے بعد دوسرے نمبر پر آتی ہے، امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں یہ بیماری سب سے زیادہ ہے، وہاں پر پانچ موتوں میں سے ایک موت کینسر کی وجہ سے ہوتی ہے، امریکہ میں سب سے زیادہ کینسر پھیپھڑوں کا ہے، جس کا سبب تمباکو نوشی ہے، یہ بیماری عورتوں میں مردوں سے زیادہ ہے، کیونکہ عورتیں سگریٹ نوشی زیادہ کرتی ہیں، جسم کے مختلف اعضاء میں ٹشوز یا سیلز کی غیر نارمل یا غیر طبعی طریقے سے تعداد میں بڑھتے ہیں، ان غیر طبعی ساختوں کو رسولی کہتے ہیں، یہ اردگرد ٹشوز کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ سیلز مقامی طور پر پیدا ہونے کے بعد بلڈ ویسلز یا لمفیٹک

ویسلز کے ذریعے سارے جسم میں پھیل جاتے ہیں، اور ارد گرد کی ٹشوز کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں، کینسر دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) بے ضرر Beningn یہ بے ضرر ٹیومرز ہوتے ہیں۔

(۲) ضرر رساں Malingnant یہ مہلک ٹیومرز ہوتے ہیں، بی ٹن ٹیومرز ایک جگہ پر ہوتے ہیں، ان کو آپریشن سے نکال دیا جائے، تو مریض کو آرام آجاتا ہے اور یہ دوبارہ نہیں ہوتے۔

## کینسر کی اقسام

کینسر کی مختلف قسمیں ہیں، مثلاً جلد کا کینسر، پھیپھڑوں کا کینسر، دماغ کا کینسر، قولون کا کینسر، عورتوں کی چھاتی کا کینسر، منہ اور حلق کا کینسر، معدے کا کینسر، کینسر کی علامات کا فوری پتہ نہیں چلتا، یہ جب پھیل چکا ہوتا ہے، تب اس کا پتہ چلتا ہے، کینسر چونکہ ایسی خطرناک بیماری ہے، جس کی وجہ سے مریض موت کے منہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کا بچنا بہت مشکل ہوتا ہے، یہ کینسر کا ورم چاہے بدن کے کسی حصے میں ہو، اس کا سرجری کے ذریعے نکالنا بالکل جائز ہے۔

## آپریشن سرجری برائے تشخیص مرض

تشخیص وہ فن یا وہ راستہ ہے جس سے مرض کی نوعیت کا جاننا آسان ہوتا ہے، تشخیص کی یہ تعریف دو باتوں پر مشتمل ہے:

(۱) تشخیص طب کا ایک فن ہے۔

(۲) تشخیص کا مقصد مرض کو پہچاننا ہے۔

اور طب میں یہ دونوں چیزیں بڑی اہم ہیں، اس فن کو حاصل کرنے کے لئے اس کے سپیشلسٹ ڈاکٹروں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، اس فن کو سیکھے بغیر نہ تو تشخیص کرنا ممکن ہے اور نہ ہی تشخیص کرنا جائز ہے۔

تشخیص سے حاصل ہونے والے علم کی چار صورتیں بنتی ہیں، چاروں کا حکم الگ الگ ہے:

(۱) ڈاکٹر کو مرض ہونے کا یقین ہو، تو اس یقین کے مطابق اس مرض کا جو بھی علاج ہو، وہ درست اور جائز ہوگا، اگرچہ سرجری آپریشن ہو۔

(۲) ڈاکٹر کو تشخیص کرنے کے بعد مرض کا ظن غالب ہو، تو اس ظن غالب کا اعتبار ہوگا، شک کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، اور علاج کرنا ڈاکٹر کے لئے جائز ہوگا، چاہے وہ سرجری ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) ڈاکٹر کو مرض کا یقین نہ ہو، بلکہ مرض کا شک ہو، تو اس صورت میں ڈاکٹر توقف کرے گا، اگر مریض یا ڈاکٹر شک والی تشخیص کو بنیاد بنا کر سرجری کرنا چاہے، تو ڈاکٹر کے لئے ایسا آپریشن کرنا جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ شک والا پہلو ختم ہو کر کسی جہت کا غالب گمان ہو جائے۔

(۴) مرض کا وہم ہو یقین نہ ہو، تو ایسی صورت میں ڈاکٹر اور مریض کے لئے مرض موہوم کا آپریشن سے علاج کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں غالب گمان بیماری کا نہ ہونا ہے اور اعتبار غالب گمان کا ہوتا ہے۔

(۴)

# چوتھا باب

# سرجری آپریشن برائے پوسٹ مارٹم

## پوسٹ مارٹم کا تعارف:

پوسٹ مارٹم انگریزی زبان کا ایک مرکب لفظ ہے، جس میں پوسٹ کے معنی ہیں After یعنی بعد اور مارٹم کے معنی ہیں Death یعنی موت، چنانچہ پورے لفظ کا بامحاورہ ترجمہ بعد الموت یا موت کے بعد ہوگا۔ میڈیکل ڈکشنری میں پوسٹ مارٹم کا اصلاحی مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے:

The post mortem , exemination of body ancluding the anternal organs and atructure ofter dissection so as to determine the causes of death or the nature of pathological chang

یعنی مردہ جسم کو کھول کر اس کے اندرونی اور بیرونی اعضاء کا معائنہ کرنا، تاکہ موت کا سبب معلوم ہوسکے۔

ڈاکٹر سی کے پاریکھ کی انگریزی کتاب Text book of medical jurisprudences texicology docter میں میڈیکولیگل اٹاپسی کی تعریف

یوں کی گئی ہے، قانون کے مطابق کسی رجسٹرڈ میڈیکل ڈاکٹر کے ذریعہ جسم انسانی کے اندرونی اور بیرونی اعضاء کا معائنہ کر کے موت کا وقت اور وجہ متعین کرنا، پیتھالوجیکل اٹاپسی کے ذریعے امراض تشخیص اور طبی ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔(۱)

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پوسٹ مارٹم لاطینی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی موت کے بعد کے ہیں، اس کا مقصد ہوتا ہے کہ موت کا سبب اور موت کی مدت معلوم کی جائے۔(۲)

## پوسٹ مارٹم کی اقسام وانواع

طریق کار کے اعتبار سے پوسٹ مارٹم کی دو قسمیں ہیں، یا پھر مروجہ پوسٹ مارٹم معائنہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(۱) ظاہری معائنہ (external examination)

(۲) اندرونی معائنہ (enternal examination)

## ظاہری معائنہ کی تفصیل اور طریق کار:

بازوؤں اور ٹانگوں بالخصوص ہاتھوں، ہتھیلیوں اور انگلیوں کی وضع و پوزیشن کا مشاہدہ اور اس پر کسی پھٹن یا کسی بٹن کا ٹوٹا ہوا ہونا، لباس کا بے ترتیب ہونا، جو کسی جھگڑے یا آپا دھاپی پر دلالت کرے، کو درج کرنا، لباس پر کٹاؤ، سوراخ یا بارودی اسلحہ کی بناء پر جلن یا سیاہی کا جسم پر واقع شدہ زخموں سے مقابلہ کرنا، خون کے داغوں کا معائنہ کرنا، زہر، قے یا براز کی داغوں کو کیمیائی تحلیل کے لئے محفوظ رکھنا، اور ان کی بو کی طرف خصوصی توجہ کرنا۔

کوئی پھندا ہو، تو اسے بیان کرنا اور کھولنے سے پہلے اس کی تصویر کشی کرنا، اگر ممکن ہو، تو گرہوں کو ایسے ہی محفوظ کر لینا، ورنہ ان کو ڈھیلا کرنے اور کھولنے سے پہلے تفصیل سے ان

(۱) پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت، مولانا الطاف الرحمٰن بنوی (سہ ماہی المباحث الاسلامیہ جلد ۴ ص:۵۱، شمارہ:۱)

(۲) اسلامی فقہ:۲/۲۳۲۔ مولانا مجیب اللہ ندوی، پروگریسو بکس لاہور

کی جائے وقوع اوران کی قسم کا بیان کرنا، کیونکہ گرہ لگانے کا طریقہ شہادت میں اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ کپڑوں کو احتیاط کے ساتھ بغیر پھاڑے اتارا جائے اور اگر ان کو سالم اتارنا، ممکن نہ ہو تو ان کو بے ترتیبی سے نہ کاٹا جائے، بلکہ سلائیوں پر سے ادھیڑ لیا جائے، سر سے پیر تک اور کمر سے سینہ وغیرہ جسم کی ظاہری سطح کا احتیاط کے ساتھ معائنہ اور مندرجہ ذیل تفاصیل کو مدنظر رکھا جائے:

(۱) وہ آثار وعلامات جو موت کے بعد کی مدت پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً مقعد کا درجہ حرارت، جسمانی تناؤ، نیلگوں دھبے (lividity) دوران خون رکنے سے جسم کے ان حصوں میں جو
زمین کے ساتھ متصل ہوں، خون جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے، جس کی بناء پر ان حصوں کی انتہائی باریک خون کی نالیاں (capillaries) خون سے پھول جاتی ہیں، اور نتیجۃً سطح پر یہ نیلے دھبے سے ابھر آتے ہیں، یہ عمل موت سے ایک گھنٹہ بعد شروع ہوتا ہے اور چار سے بارہ گھنٹوں میں نمایاں ہو جاتا ہے، ان دھبوں کا محل وقوع اور مقدار و پیمائش، نعش کے تنفخ اور تفسخ (پھولنا اور پھٹنا) کی وسعت۔

(۲) غیر شناخت شدہ لاشوں میں شناختی نشان، مثلاً عمر (اس کی تصدیق دانتوں کی مدد سے اور اگر ضرورت ہو، تو ایکسرے کی مدد سے) جنس، نوع، جسامت، جلد، بال اور آنکھوں کی رنگت، گودنے کے نشانات، بھرے ہوئے زخموں کے نشانات اور دیگر خصوصیات، غیر شناخت شدہ افراد کی تصویر کشی پوسٹ مارٹم معائنہ کے اگلے مراحل سے پہلے ضروری کرلی جائے۔

(۳) تقریبی وزن اور پیمائش کر کے قد کا ذکر ضرور کیا جائے، خواہ نعش کی شناخت ہو چکی ہو یا نہیں، جلد پر خون، مٹی، قے، بزار، زہر یا بارود کے داغ دھبوں کا معائنہ، معائنہ کرنے والا ان کا صحیح اور تفصیلی بیان مع ان کے خاکوں کے درج کرے یا اگر ممکن ہو، تو ان کی تصویر اتار لے۔

(۴) بازؤوں پر اور رانوں اور کولہوں پر سوئیوں کے نشانات کو نظر انداز نہ کیا جائے، کیونکہ ان سے کسی دوائی وغیرہ کی عادت میں مبتلا ہونے کی طرف اشارہ مل سکتا ہے، تشدد کی علامات مثلاً خراش، زخم، جلن کھولتے ہوئے پانی وغیرہ کی جلن، بالوں کی جھلسن وغیرہ کو بمعہ ان کی پیائش پوری تفصیل سے ذکر کرنا، اس ضمن میں سر اور گردن کا معائنہ انتہائی احتیاط سے کیا جائے، گردن کے گرد رسی باندھنے یا ناخنوں کے نشانات کا معائنہ کیا جائے۔

(۵) جسم کے قدرتی سوراخوں مثلاً منہ، نتھنے، کان، مقعد، عورت کے قبل کا زخم، خارجی اشیاء اور خون وغیرہ کے اعتبار سے معائنہ، منہ اور نتھنوں کے اعتبار سے زبان کا مقام، ہونٹوں اور منہ پر گلا دینے والی شے کے اثرات اور الکحل اور کار بالک تیزاب کی بو۔

(۶) ریلوے اور ٹریفک کے دوسرے حادثات کی صورت میں آنکھوں کا مشاہدہ ضروری ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ غیر معلوم شخص نابینا ہو اور اس کی نابینا پن اس حادثے کا موجب ہو۔

ہاتھوں کا معائنہ، انگلیوں میں کٹن اور انگلیوں کے جڑوں کے جوڑوں کے اوپر خراش کے لئے، اگر موڑی بھینچی ہوئی ہو تو دیکھنا کہ ہاتھ میں کوئی شے پکڑی ہوئی ہے یا نہیں؟ پھر نعش کو دھویا جائے اور اگر ضروری ہو تو سر کو مونڈ دیا جائے اور نیل کے داغوں یا خراشوں کی مزید تفتیش، جو خون یا مٹی کی وجہ سے پوشیدہ رہ گئی ہوں خصوصاً گردن اور منہ کے گرد۔

ظاہری معائنہ میں یہ بھی شامل ہے کہ عورت کے قبل کی گدی پھاہہ (vaginal swab) ضرور لیا جائے، چھری خنجر وغیرہ کے زخموں کو جسم چیرنے سے پہلے سلاخ ڈال کر دیکھا جائے، کسی ہڈی کا ٹوٹا ہوا ہونا یا جوڑ اپنی جگہ سے ہلا ہوا ہونا بھی زیر نظر رہے۔ ایسے قرائن کی تلاش ہو جن سے معلوم ہو سکے کہ متوفی دائیں ہاتھ سے کام کرنے کا عادی تھا، یا بائیں ہاتھ سے؟

ظاہری معائنہ سے موت کے سبب کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

(۱) جلد کی مخصوص رنگت شوخ سرخ کاربن مولو آکسائڈ، گیس کا اثر۔

(۲) چہرے کے پرانے بھرے ہوئے زخم یا پرانے جلنے کے آثار، مرگی۔

(۳) باریک ناخنوں کے اثرات، گلا گھونٹنا۔

(۴) سوئی کے مشامات، عادی نشہ وغیرہ۔

(۵) پاؤں کی سوجن اور ٹانگوں کی وریدوں کا پھولا ہوا ہونا، انجماد خون Thrombosis اور (پھیپھڑوں کی چھوٹی شریانوں میں منجمد خون وغیرہ کے ٹکڑے کا پھنس جانا Pulmonary embolism کا اندیشہ۔

## ظاہری معائنہ کا حکم اور شرعی حیثیت:

ظاہری معائنہ چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) معائنہ بقدر ضرورت ہو، مقصد پورا ہو جانے کے بعد مزید معائنہ کرنا اور لاش کو ادھر ادھر پلٹنا جائز نہیں ہے۔

(۲) معائنہ پردہ میں ہو، عورت غلیظہ پر مکمل پردہ ہو، اگر عورت غلیظہ کے معائنہ کی ضرورت پڑے تو بقدر ضرورت ستر کھولا جائے، اسے ایک مثال سے سمجھ لینا بہتر ہے۔

madicolegel case کے طور پر ایک بائیس سالہ نوجوان کی نعش لائی گئی، جس کو خنجر کا دار کر کے ہلاک کیا گیا تھا، اس کی بیضوی شکل کا بھنکا ہوا زخم ۳ سم لمبا اور ڈیڑھ سم چوڑا کمر پہ لگا، یہ زخم دائیں کمر پر درمیان سے ساڑھے چار سم باہر کی جانب اور دائیں scapula کے ۷ سم نیچے کی جانب واقع تھا، ماہرین کا اندازہ تھا کہ زخمی ہونے کی بعد ایک گھنٹہ کے اندر اندر وہ مر گیا ہوگا، کمر کی جانب قمیص خون سے بھری ہوئی تھی اور بہت سا خون ضائع ہو چکا تھا، اب اس کیس میں ظاہری معائنہ سے موت کا ایسا سبب سامنے آیا ہے کہ جس کی طرف موت کی نسبت یقینی طور پر بلا کسی تردد کے کی جا سکتی ہے۔(۱)

(۱) مریض و معالج کے اسلامی احکام، ص: ۱۷۵۔ ادارہ نشریات اسلام کراچی

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''جہاں تک ظاہری معائنہ کا تعلق ہے، یہ ہر حادثاتی موت اور قتل کی صورت میں کرنا ضروری ہے، اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، البتہ عورت کے ظاہری معائنہ میں بھی مرد ڈاکٹر کو اس کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ وہ غیر محرم کے جسم کو چھوئے، ظاہری معائنہ ہی پر دیت، قصاص اور قسامت وغیرہ احکام مبنی ہیں، ظاہری معائنہ کے لئے فقہاء کرام کی یہ جزئیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

" میت حر ولو ذمیا أو مجنونا به جرح أو اثر ضرب أو خروج دم من أذنه أو عينه وجد في محلة "۔(۱)

ترجمہ: کسی آزاد آدمی کی لاش اگر چہ وہ غیر مسلم یا پاگل ہی کیوں نہ ہو اس پر کوئی زخم یا مار کا نشان ہو، یا گلا گھونٹنے کے آثار ہوں، یا اس کے کان یا آنکھ سے خون نکلا ہو، اگر وہ لاش کسی محلہ میں پائی جائے۔

اس صورت میں دیت یا قسامت کا حکم اس پر لگایا جائے گا، لیکن یہ علامتیں نہ ہوں تو پھر اس کے بارے میں صاحب درمختار لکھتے ہیں:

"ولا قسامة ولا دية في ميت لا أثر به، لأنه ليس بقتيل، لأن القتيل عرفا هو فائت الحياة بسبب مباشرة الحي، وإنه مات حتف أنفه تتبع فعل العبد أو سيل دم من فمه أو أنفه أو دبره أو ذكره لأن الدم يخرج منها عادة "۔(۲)

کوئی قسامت، کوئی دیت اس میت کے لئے نہ ہوگی، جس پر کسی قسم کی چوٹ کا نشان نہ ہو، کیونکہ یہ مقتول نہیں سمجھا جا سکتا، اس لئے کہ عام طور پر عرف میں مقتول وہ شخص قرار پاتا ہے، جو کسی زندہ انسان کے فعل کی وجہ سے مرا ہو جب۔

(۱) درمختار: ۴۴۳/۵

(۲) درمختار: ۴۴۴/۵

ایسا نہ ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی فطری موت سے مرا ہے اور تاوان بندے کے فعل کے تابع ہے، یا خون اس کے منہ، ناک یا پیشاب، پاخانہ کی جگہ سے نکلا ہو، جہاں سے عادۃ خون نکلتا ہے تو بھی مقتول نہ سمجھا جائے گا۔

علامہ شامیؒ اسی پر لکھتے ہیں:

"هذا إذا نزل من الرأس، فإن علا من الجوف قتيل"۔ (۱)

یہ اس وقت ہے کہ جب خون سر کی طرف سے آیا ہو، اگر پیٹ سے اوپر کی طرف خون چڑھا ہو، تو وہ قتیل سمجھا جائے گا۔

اسی طرح جنین کے بارے میں لکھتے ہیں:

"و ما تم خلقة الكبير وجد تام الخلقة سقط به أثر الضرب وجب القسامة والدية"۔ (۲)

اگر کوئی ساقط شدہ بچہ کسی محلہ یا بستی میں پایا گیا، جس کی جسمانی ساخت مکمل ہو چکی ہو اور اس کے جسم پر چوٹ کے نشانات ہوں، تو قسامت یا دیت واجب ہوگی۔

ان عبارتوں سے ایک بات معلوم ہوئی کہ وہ مقتول ہے، یا اپنی فطری موت مرا ہے، یا اس کے جسم کا کوئی حصہ بے کار کر دیا گیا ہے، اس کا فیصلہ پوسٹ مارٹم کے ظاہری معائنہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے، فقہاء نے بھی اپنے وقت کے تجربے کے اعتبار سے یہ حکم لگایا ہے، اس لئے ظاہری معائنہ شرعی اعتبار سے صحیح ہے، بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب پوسٹ مارٹم سے ظاہری اسباب اس کے قتل ہونے کے مل جائیں، اسی پر شرعی فیصلہ کر دیا جائے گا، دوسرے احتمالات کی وجہ سے اسے ملتوی نہیں کیا جائے گا، البتہ مسلمان عورت کے ظاہری معائنہ

(۱) فتاوی شامی، کتاب الدیات، باب القسامہ: (۳۲۳/۱۰)

(۲) فتاوی شامی، کتاب الدیات، باب القسامہ: (۳۲۳/۱۰)

کے لئے کسی غیر محرم مرد کو اس کی اجازت شرعاً نہیں دی جا سکتی، اس کے لئے کسی عورت کا ہونا ضروری ہے"۔(۱)

## اندرونی معائنہ کی تفصیل اور اس کا طریق کار:

ہر کیس میں تینوں جوفوں کے اعضاء کا مکمل معائنہ ضروری ہے، باوجود یہ کہ ایسی حالت پائی جا چکی ہو، جو ظاہراً موت کا سبب بننے کو کافی ہو، کیونکہ بصورت دیگر (یعنی اگر کسی اہم عضو کا معائنہ نہ کیا گیا ہو) تو اس کے بارے میں آئندہ سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں۔

حرام مغز کا معائنہ صرف اسی صورت میں کیا جائے گا جب کہ ریڑھ کی ہڈی کو زخم لگا ہو، یا کوئی......ایسا زہر استعمال کرایا گیا ہو جو حرام مغز پر اثر انداز ہوتا ہو، مثلاً کچلہ وغیرہ یا حرام مغز سے متعلقہ کوئی مرض ہو، مثلاً ٹیٹنس (Tetanus)۔

سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ پوسٹ مارٹم اس جوزف سے شروع کیا جائے، جو سب سے زیادہ متاثر ہوا ہو، اور نشتر ہر کیس کے، اپنے خصوصی حالات کے مطابق دیا جائے، مثلاً سینے کی چھری خنجر وغیرہ کے زخم میں عام طور پر دیئے جانے والے چیر سے عدول کیا جائے، تا کہ ان زخموں کو نہ چھیڑا جائے، بلکہ اسی طرح برقرار رکھا جائے، عام قاعدہ کے مطابق ٹھوڑی سے لیکر پیڑو تک چیر دیا جائے گا، البتہ پیٹ کو احتیاط سے کھولا جائے گا، تا کہ آنتوں کو کوئی زخم نہ پہنچے۔

سینہ کی دیواروں کو، بافتوں (tissues) جلد اور گردن کی اندرونی بافتوں کو دائیں بائیں پلٹ دیا جائے اور جہاں گلا گھونٹنے کا شبہ ہو، وہاں جلد کی اندرونی سطح اور گردن کے اندرونی حصوں کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

سینہ کی درمیانی ہڈی (stemum) کو دونوں جانب کی پسلیوں کے غضروف (cartilages) سے کاٹ کر جدا کر لیا جائے اور ضرورت ہو تو پسلی کی ہڈی کو بھی آری سے کاٹا جائے، کچھ چھیڑنے سے پیشتر جوف بطنی اور اسکے اندر اعضاء کی حالت کا مشاہدہ کیا

(۱) اسلامی فقہ: ۲/ ۲۳۱

جائے ،تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس جوف میں کوئی اور رطوبت وغیرہ یا یہ کہ اعضاء میں کوئی سوراخ ہے، یا کسی عضو کو کوئی زخم پہنچا ہے، اگر اس احتیاط کو نہ برتا جائے ،تو معائنہ کرنے والا اشتباہ میں پڑھ سکتا ہے کہ بعد میں کسی مرحلہ پر نظر آنے والا خون یا زخم پہلے سے موجود تھا یا اسکے پیٹ کو چیرنے کی بدولت ہوا، اسی احتیاط کو سینہ اور نرخرہ کھولتے ہوئے برتا جائے۔

چاقو کو پہلے نچلے جبڑے کے اندرونی جانب پھیرا جائے ،تا کہ زبان کے منسلکات کو جدا کیا جاسکے، زبان کو پھر حلق کے کاٹے ہوئے حصے کی جانب سے کھینچ لیا جائے ،اور چاقو کی کچھ تھوڑی سے اور تحریک سے اس کو بمعہ Mydid ہڈی، حلق ،نرخرہ سانس کی نالی اور مری کی پچھلی جانب سے آگے لایا جائے۔

بیماری کے آثار اب بآسانی ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں ،نرخرہ ،سانس کی نالی اور مری میں قے شدہ مواد کا معائنہ کیا جائے اور تجزیہ کے لئے محفوظ کرلیا جائے ،زبان میں اب کچھ نشتر لگائے جائیں ،تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس میں نیل تو نہیں؟ مری سانس کی نالی اور نرخرہ کو کاٹا جائے اور ان کا معمول کے خطوط پر معائنہ کیا جائے۔قاعدہ کے طور پر بہتر ہے کہ سینے کے تمام اعضاء کو بمعہ زبان ،نرخرہ اور حلق جدا کرلیا جائے ،البتہ اس سے پیشتر مری کے نچلے سرے پر ایک گرہ لگادی جائے ،تا کہ معدہ کے اجزاء باہر نکل نہ سکیں۔

اب پھیپھڑوں پر نظر کی جائے اور وہی نشتر جو سانس کی نالی پر لگایا تھا، اس کو بڑھا کر سانس کی نالی اور چھوٹی نالیوں تک کھینچا جائے تا کہ جھاگ اور کوئی خارج شے اگر موجود ہو تو حاصل ہو سکے۔

قلب کا معائنہ پہلے ظاہری اور بیرونی ہوگا پھر اندرونی، اس کے خانوں (والوں) کو اور سب سے اندر کی جھلی کو ظاہر کیا جائیگا۔دل کے عضلات پر نظر رکھی جائے گی، قلبی شریانوں کو کھولا جائے اور شریان اعظم (آدرطہ) کی صحت کا اندازہ لگایا جائے ،قلب اور خون کی قلبی نالیوں کا ایک ٹکڑا خوردبینی مطالعہ کے لئے علیحدہ کیا جائے۔

اس کیس میں جہاں air embolism (یعنی ہوا کا بلبلہ خون کی نالی میں آگیا ہو اور قلب کی دموی نالیوں میں سے کسی نالی کا راستہ بند کردیا ہو) کا شبہ ہو، جھلی کی اس ہتھیلی کو

جس میں قلب واقع ہے، پانی سے بھر لیا جائے، اس کے بعد قلب کے خانوں میں سوراخ کر کے قلب کے دبانے سے پانی میں ہوا بلبلے کی شکل میں نمودار ہوگی۔

قلب کے دائیں حصے میں خون جھاگ دار ہوگا، سینے کے بعد پیٹ کا معائنہ کسی زخم یا بیماری کے لئے کیا جائے، نظام ہضم کے پورے سلسلے کو اس طول میں کھولا جائے، رحم اور اس کے متعلقات اور عورت کے قبل کا معائنہ زخم، اسقاط، پیدائش وغیرہ کے لئے کیا جائے، مثانے کا معائنہ قارورہ نکالنے کے بعد کیا جائے اور پرسٹیٹ غدود کی حالت ملاحظہ کی جائے سر کھولنے کے لئے سر کی جلد وغیرہ کو ایک کان سے دوسرے کان تک اوپر کی جانب سے چیر دیا جائے اور پھر جلد وغیرہ کو آگے پیچھے پلٹ دیا جائے، ان کانوں کے ذرا اوپر سے پوری کھوپڑی کو آری سے کاٹا جائے، کھوپڑی سے متصل اندر کی جھلی کا مشاہدہ کر کے اس کو کاٹ کر دماغ کو ظاہر کیا جائے، دماغ کا اس جگہ معائنہ کے بعد اس کو سامنے کی جانب سے انگلیاں داخل کر کے جدا کر لیا جائے اور حرام مغز سے کاٹ لیا جائے، دماغ کی ظاہری سطح اور اس کے قاعدہ (base) کا جریان خون، زخم یا مرض کے لئے معائنہ کیا جائے اور دماغ کی دموی رگوں کی کیفیت کا اندازہ کیا جائے پھر دماغ کے اندرونی مطالعہ کے لئے اس کو کاٹا جائے۔

سر کے قاعدے (base) کے مطالعہ کے لئے جھلیوں کو دور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ہڈی تو کہیں سے ٹوٹی ہوئی نہیں، اگر چہ ہڈی ٹوٹنے پر جریان خون خود دلالت کرتا ہے لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا اور اگر چہ جھلیوں کا دور کرنا خاصا دشوار ہے پھر بھی اس احتیاط کو کسی قیمت پر نظر انداز نہ کیا جائے۔

زہر خوری اور زہر خورانی کی صورت میں توجہ زیادہ تر نظام ہضم پر مبذول رہے گی، اس کیس میں منہ اور گلے کے معائنہ کے بعد معدے کو اس کے دونوں سوراخوں سے دوہری گرہ لگا کر ان دونوں گرہوں کے درمیان کاٹ کر علیحدہ کر لیا جائے، یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ بطن جوف کے ٹھوس اعضاء معدے اور آنتوں میں موجود مواد سے آلودہ نہ ہوں، کیونکہ آنتوں اور ٹھوس اعضاء میں زہر کی نسبتی و اضافی مقدار سے زہر خوری کے بعد کی مدت

کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جدا کرنے کے بعد معدے کو ایک صاف شیشہ کی ڈش میں رکھ کر اس کو کاٹا جائے اور معدے میں موجود اجزاء کا معائنہ کیا جائے، اب ٹھوس اعضاء کو جدا کیا جائے اور معائنہ کسی الگ الگ ظروف میں کیا جائے اور پورا یا کم از کم نصف جگر، دونوں گردے اور طحال (تلی) کو تجزیہ کے لئے لیا جائے۔

چھوٹی آنت کو بڑی آنت کے قریب سے گرہ دے کر قطع کر لیا جائے اور پھر اس کو کھول کر اس کا معائنہ کیا جائے، پھر ایک مرتبان میں اس کے اجزاء سمیت رکھ دیا جائے بڑی آنت کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے اور بعض صورتوں میں دماغ اور پھیپھڑوں کے تجزیہ کے لئے یونہی کیا جائے۔

تقریباً دس اونس خون قلب اور خون کی بڑی نالیوں سے اس کیس میں حاصل کیا جائے جس میں اڑنے والے زہر مثلاً کلوروفام، الکحل یا ہائڈروسایانک، تیزاب (hydro cyanic acid) کا شبہ ہو یا گیس کے اثر سے مرنے کا واقعہ ہو۔ سرمہ اور سم الفار (سنکھیا) کے زہر خوری میں لمبی ہڈیوں کے ٹکڑے تجزیے کے لئے جدا کر دئے جائیں۔(۱)

انسانی معاشرے میں جرائم کا وجود ایک تلخ حقیقت ہے، جس سے کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا، جرائم اور ان کے اسباب و محرکات کا خاتمہ، مجرموں کی سرکوبی، اور عدل وانصاف کا قیام ہمیشہ سے انسانیت کے مطلوب ومحبوب مقاصد میں شامل رہا ہے، جرائم کے اصل کرداروں تک رسائی اور بے گناہ کی بریت، مجرموں کی سرکوبی اور انصاف میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور اسی سلسلے میں پوسٹ مارٹم، قانون نافذ کرنے والے اداروں اور عدلیہ کی مدد کرتا ہے۔

جرائم کی تفتیش میں پوسٹ مارٹم کی اہمیت کچھ مثالوں سے واضح ہو جائے گی:

☆ ایک شخص کو سڑک پر گاڑی چلاتے ہوئے دل کا دورہ پڑا، جس سے گاڑی پر کنٹرول نہ رہا گاڑی بے قابو ہو گئی اور سڑک کے کنارے ایک شخص پر جا چڑھی، گاڑی کی تباہی اور دو آدمیوں کی موت کو دیکھنے والوں نے محض ایک حادثہ قرار دیا، پوسٹ مارٹم

(۱) سہ ماہی ''منہاج'' لاہور مضمون ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہ، جلد نمبر ۲، شمارہ نمبر ۲۔

سے اصل حقیقت کھل گئی کہ دل کا دورہ پڑنے سے ڈرائیور کی موت واقع ہو چکی تھی اور کم از کم ڈرائیور کی موت ایکسیڈنٹ کا نتیجہ نہیں تھی۔

☆ ایک ایکسیڈنٹ میں پوسٹ مارٹم سے معلوم ہوا کہ ڈرائیور نے غیر معمولی شراب پی رکھی تھی۔

☆ معاشرہ میں ایک معروف اور بااثر شخصیت کا انتقال ہو گیا اور اس کے کئی حریفوں اور مخالفین نے سکھ کا سانس لیا، متوفی کے ورثہ اور متعلقین نے مخالفین پر الزام لگایا کہ انہوں نے متوفی کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہوئے آہستہ آہستہ (یا فوری) اثر کرنے والا زہر دے کر قتل کیا ہے، عدلیہ کے حکم پر لاش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کے شکوک وشبہات یا الزامات صحیح نہیں تھے، متوفی دل کا دورہ پڑنے سے یا کسی اور وجہ سے اچانک انتقال کر گئے تھے۔

☆ ایک قدرتی یا سازش کے تحت ہونے والے فضائی حادثے میں کئی نامور اور اہم ملکی اور غیر ملکی شخصیات کی موت ایسے واقع ہوئی کہ انسانی ڈھانچے بکھرے ہوئے اعضاء اور گوشت کے لوتھڑے باہم مل گئے، کسی ایک لاش اور اس کے اجزاء واعضاء کی شناخت ممکن نہ رہی، تو ڈاکٹروں نے پوسٹ مارٹم اور طبی معائنہ کے ذریعے لاشوں کی شناخت کر لی اور ایک ہی انسان کے بکھرے ہوئے اعضاء اور گوشت کے لوتھڑوں کی شناخت کر کے اکھٹا کر دیا، جس سے اس کے ورثہ اور متعلقین کو تدفین وغیرہ میں آسانی ہو گی۔

☆ کسی دریا، نہر یا ڈیم میں تیرتی ہوئی ایک گلی سڑی لاش ملی، کیا متوفی ڈوب کر ہلاک ہوئے کہ تیرنا نہیں جانتے تھے، یا قتل کے بعد کسی نے جرم چھپانے کے لئے لاش کو پانی میں ڈال دیا؟ متوفی نے خودکشی کے لئے خود نہر یا دریا میں چھلانگ تو نہیں لگائی؟ مرنے والے نے شراب یا منشیات کا استعمال تو نہیں کیا تھا؟ اسی طرح کے دیگر کئی سوالات کا جواب پوسٹ مارٹم سے مل سکتا ہے۔

## پوسٹ مارٹم کے اغراض ومقاصد:

میت کا پوسٹ مارٹم (post martem) کئی اغراض ومقاصد کے لئے کیا جاتا ہے، جن میں سے چند اہم مقاصد واغراض مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) غیر معلوم نعش کی شناخت کرنا۔

(۲) موت کے بعد کی مدت اور وقت معلوم کرنا یعنی یہ معلوم کرنا کہ موت کب اور کس وقت ہوئی ہے اور اس کے بعد کتنی مدت گزری ہے؟

(۳) نومولود میں اس امر کی تحقیق کرنا کہ وہ پیدائش کے وقت زندہ تھا یا نہیں؟ اور اگر زندہ تھا تو اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت بھی تھی یا نہیں؟

(۴) موت کا سبب معلوم کرنا یعنی میت کا انتقال کس ظاہری سبب سے ہوا ہے، یہ معلوم کرنا، اور موت کا سبب معلوم کرنے میں کئی مصلحتیں اور مقاصد ہوتے ہیں:

(الف) اگر کسی شخص کی موت کا سبب معلوم نہ ہو تو تفتیش جرائم کا محکمہ یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی موت زہر کھانے سے ہوئی، یا گلا گھوٹنے سے یا ڈوب کر یا کسی پوشیدہ سبب کے نتیجے میں ہوئی، تاکہ ظالم کی شناخت کر کے اس کو سزاء دی جائے، اس کی سرکوبی کی جائے اور جرائم کی راہ محدود کی جائے۔

(ب) بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کا انتقال ہوا اور موت کا سبب معلوم نہیں ہوتا، جس کی بناء پر کسی بے قصور شخص کو شبہ میں گرفتار کر لیا جاتا ہے، اس پر ظلم اور زیادتی کی جاتی ہے، نعش کا پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص اپنی طبعی موت مرا ہے، یا اس نے خودکشی کی ہے، کسی نے اسے مارا یا قتل نہیں کیا، ایسی صورت میں وہ بے قصور شخص رہا ہو جاتا ہے اور اس کی جان چھوٹ جاتی ہے۔

(ج) موت کا سبب معلوم کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ بسا اوقات وبائی مرض پھیل جاتا ہے، ڈاکٹر پوسٹ مارٹم کے ذریعے موت کے اسباب کا پتہ لگاتے

ہیں، اسباب معلوم ہونے پر ان کا علاج اور مناسب احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم صادر کرتے ہیں۔

(۵) تعزیراتی مقدمہ میں موت یا جرم کے اسباب دریافت کرنا۔

(۶) اس کے ذریعے متقاضی امراض کی دریافت کرنا، تاکہ اس کی روشنی میں ان امراض کے لئے مناسب علاج اور احتیاطی اقدامات کیئے جاسکیں۔

(۷) تشریح الابدان، علم طب کی تعلیم وتدریس مقصود ہونا، جیسا کہ آج کل میڈیکل کالجز میں عموماً لاوارث مردہ شخص کی لاش کی کانٹ چھانٹ عملی طور پر انسانی اعضاء کا مشاہدہ کرسکیں، اور انسانی اعضاء کی ترکیب، ہڈیوں کے جوڑ، مختلف اعضاء کے درمیان تناسب اچھی طرح معلوم ہوسکے، آئندہ عملی میدان میں آپریشن کرنے میں سہولت ہو، نیز مرض بیماری اور اسکے اسباب اور طریق علاج پر عبور حاصل ہو۔

اس وقت پوسٹ مارٹم عموماً مندرجہ بالا اغراض ومقاصد کے لئے کیا جاتا ہے، لیکن طب وسائنس کے میدان میں جس رفتار سے روز بروز ترقی ہورہی ہے، اس کے پیش نظر مستقبل قریب یا بعید میں انسان کی طبی علوم کی ترقی کے نتیجے میں مزید کئی اغراض ومقاصد ایسے سامنے آسکتے ہیں، جو بظاہر انسانی لاش کی قطع وبرید کا تقاضا کرتے ہوں۔

## اندورنی معائنہ کا حکم:

ہمارے ملک کے کچھ علماء اور عرب کے اکثر علماء نے ان ضروریات کی بناء پر میت کے پوسٹ مارٹم کی اجازت دی ہے، اور اس کو جائز قرار دیا ہے، لیکن یہ وہ مقاصد ہیں جو ایک وسیلے کا ذریعے رکھتے ہیں، ان کی بناء پر پوسٹ مارٹم کی اجازت نہیں دی جاسکتی، میت کا اندرونی معائنہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اس کے ناجائز ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

## پہلی دلیل:

اندرونی معائنہ (internel examination) کی صورت میں پوسٹ مارٹم کا

عمل حرمت انسانیت، تکریم آدمیت اور تعظیم بشریت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مکرم و معزز پیدا فرمایا اور اس کا قرآن کریم میں واضح اعلان موجود ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ ﴾(١)

ہم نے بنی آدم کو معزز و مکرم پیدا کیا اور انسان کا پوسٹ مارٹم کرنا انسان کی حرمت اور تعظیم کے خلاف ہے اور یہ انسان کی توہین ہے۔

## دوسری دلیل:

شرعاً جیسے زندہ انسان کے اعضاء کا کاٹنا اور اس کی ہڈیاں توڑنا جائز نہیں ہے، ممنوع ہے، اسی طرح مردہ انسان کے اعضاء کا کاٹنا اور اس کی ہڈیوں کو توڑنا بھی جائز نہیں ہے، یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے جو بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔

اس کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے، اب ہم یہاں پر ان احادیث کو بیان کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی ہڈیاں توڑنا یا اس کے بدن میں کانٹ چھانٹ کرنا ناجائز اور حرام ہے، انسان کے جسم و اعضاء کی تکریم و حرمت کا لحاظ جس طرح حین حیات میں ضروری ہے، اسی طرح بعد از وفات بھی ضروری ہے، بلکہ وفات کے بعد زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

## پہلی حدیث:

سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا"۔(٢)

کسی مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے، جیسے زندہ انسان کی ہڈی توڑنا۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ احادیث کی بہت سی کتب میں مروی ہے، سنن ابن ماجہ

(١) سورۃ الاسراء آیت نمبر ۷۰

(٢) سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز: ۲/۱۰۴۔ مشکل الآثار، طحاوی: ۲/۱۰۸۔ بیروت

میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے، البتہ ابن ماجہ میں ام سلمہ کی حدیث میں ''فی الاثم'' کا اضافہ ہے، موطا امام مالک میں بھی حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث مروی ہے۔

## حدیث کا شان ورود:

" قال السيوطي في بيان سبب الحديث عن جابرؓ خرجنا مع رسول الله ﷺ في جنازة فجلس النبي ﷺ على شفير القبر، وجلسنا معه، فأخرج الحفار عظماً ساقاً أو عضداً فذهب ليكسره، فقال النبي ﷺ لاتكسرها، فإن كسرك إياه ميتا ككسرك إياه حيا، دفنه في جانب القبر، قاله في فتح الودود"۔(۱)

ترجمہ: علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کا شان ورود یہ بیان کیا ہے کہ جابرؓ فرماتے ہیں ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ جنازے میں گئے، تو حضور ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ بیٹھ گئے تو قبر کھودنے والے نے ایک ہڈی نکالی پنڈلی تھی یا بازو کی ہڈی تھی اور اس کو توڑنے لگا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسے مت توڑ کیونکہ تمہارا اسے توڑنا ایسا ہے جیسے تمہارا اسے زندہ ہونے کی حالت میں توڑنا لیکن اس کو قبر کے ایک طرف دفن کردو۔

فائدہ: مذکورہ حدیث صحیح ہے یا کم از کم حسن ضرور ہے، اس کے ثقہ ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ امام مالکؒ نے اس کو اپنی کتاب موطا میں نقل کیا ہے، امام بیہقیؒ نے اسے موقوف نقل کرنے کے بعد تین مختلف سندوں کے ساتھ مرفوع بھی نقل کیا ہے، علامہ ابن قطانؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، حافظ ابن دقیق العید نے کہا کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

"قال ملا علي القاري في المرقاة (رواه مالك وابوداؤد) قال ميرك

(۱) عون المعبود: ۹/ ۱۱٦۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

وسکت علیه (وابن ماجه) قال میرك ورواه ابن حبان فی صحیحه وقال ابن القطان سنده حسن"۔(۱)

## حدیث کی تشریح:

نبی علیہ السلام کے اس مختصر اور جامع جملے سے جہاں احترام انسانیت اور میت کے ساتھ نرمی کا درس ملتا ہے، وہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جس طرح زندہ انسان کی ہڈی توڑنے سے اسے تکلیف ہوتی ہے، ایسے ہی مردہ انسان کی ہڈی توڑنے سے مردہ انسان کو تکلیف ہوتی ہے، جب زندہ انسان کو کسی بھی طرح سے تکلیف دینا جائز نہیں، تو مردہ انسان کو تکلیف دینا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں، اس لئے کہ زندہ انسان کو اگر تکلیف دی جائے، مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا کسی اور طرح سے اسے تکلیف دی جائے، تو اسے عفو ودرگزر کی توقع کی جاسکتی ہے، لیکن مردہ انسان دنیا سے رخصت ہوگیا، دنیا کے تمام تر معاملات اس کے دامن سے چھوٹ گئے، عالم برزخ کا مسافر بن گیا، اس سے عفو ودرگزر کی امید ختم ہوجاتی ہے، اب اگر کوئی شخص اس کے جسم واعضاء کی چیر پھاڑ یا قطع وبرید کر کے اسے تکلیف وایذاء پہنچائے، تو اس کی معافی کی امید ختم ہوجائے گی، لہٰذا زندہ انسان کی نسبت مردہ انسان کے جسم واعضاء میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

بے شمار محدثین وشراح نے مذکورہ حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ میت کی ہڈی توڑنا حرام وناجائز ہے اور اس سے میت کو ایسی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسے زندہ کو ہوتی ہے۔

بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد میں علامہ سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

"قال الطيبي فيه إشارة إلى أنه لايهان الميت كما لايهان الحي، وقال ابن الملك وإلىٰ أن الميت يتألم، وقال ابن حجر من لوازمه أنه يستلذ به الحي"۔(۲)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ۴/۷۹۔ مکتبہ امدادیہ ملتان

(۲) بذل المجہود: ۴/۲۰۸۔ مکتبہ قاسمیہ ملتان

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح زندہ انسان کی توہین جائز نہیں ہے، اسی طرح میت کی توہین بھی جائز نہیں ہے علامہ ابن عبدالملکؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح زندہ انسان کو قطع و برید سے تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح مردہ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جس چیز سے زندہ لطف اندوز ہوتا ہے، اس سے مردہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔

انجاح الحاجہ میں ہے، شیخ عبدالغنی صاحبؒ فرماتے ہیں:

" قال ابن عبد البر يستفاد منه أن الميت يتألم بجميع ما يتألم به الحي ومن لوازمه انه يستلذ به الحی "۔(۱)

علامہ باجیؒ فرماتے ہیں:

"يريد أن له من الحرمة فی حال موته مثل ما له منها حال حياته وإن كسر عظامه فی حال موته يحرم كما يحرم كسرها حال حياته"(۲)

ترجمہ: مراد یہ ہے کہ میت کو حالت موت میں وہ احترام حاصل ہے، جو اسے زندہ ہونے کی حالت میں حاصل ہوتا ہے اور موت کی حالت میں میت کی ہڈی توڑنا اس طرح حرام ہے جس طرح زندہ ہونے کی حالت میں اس کی ہڈی توڑنا حرام ہے۔

امام طحاویؒ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عظم الميت له حرمة مثل حرمة الحی ولكن لا حياة فيه فكان كاسره فی انتهاك الحرمة ككاسر عظم الحی وعدم القصاص و الإرش لانعدام المعنى الذی يوجبه من الحياة"۔(۳)

(۱) حاشیہ ابن ماجہ، ص:۱۱۶۔قدیمی کتب خانہ کراچی
(۲) مؤطا امام مالک، حاشیہ، ص:۲۲۰۔نور محمد کتب خانہ کراچی
(۳) مشکل الآثار، طحاوی:۲/۱۰۹۔بیروت

ترجمہ: مردہ انسان کی ہڈی کی عزت وحرمت زندہ انسان کی ہڈی کی طرح ہے، لہٰذا مردہ انسان کی ہڈی توڑنے والا شخص ایسے ہی گناہ گار ہوگا، جیسے زندہ انسان کی ہڈی توڑنے سے گناہ گار ہوتا ہے، لیکن مردہ انسان کی ہڈی میں حیاۃ نہیں، اس کے توڑنے والے پر قصاص اور دیت لازم نہ ہوگی، وہ سبب نہ پایا جانے کی وجہ سے جو حیات کی وجہ سے اس میں پایا جاتا ہے۔

فائدہ: شارحین حدیث کے اقوال کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ انسان کے جسم واعضاء کا احترام موت وحیات ہر دوصورتوں میں لازم ہے اور انسان کی توہین وتذلیل موت وحیات ہر دوصورتوں میں ناجائز اور حرام ہے۔

## اسلام میں احترام میت کی تاکید:

اسلام میں جہاں زندہ انسان کے احترام کی تاکید کی گئی ہے، وہاں مردہ انسان کے احترام کو بھی ضروری ولازمی قرار دیا ہے۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت وحرمت موت وحیات ہر دو حالتوں میں برابر ہے۔

محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"الاتفاق علیٰ أن حرمة المسلم میتاً کحرمة حیا"۔(۱)

اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزت وحرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔

## دوسری حدیث:

معجم طبرانی اور مجمع الزوائد میں حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے مجھے قبر پر بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا: اے قبر والے! قبر کے اوپر سے اتر جاؤ، تم قبر والے مدفون کو تکلیف نہ دو، وہ تمہیں تکلیف نہیں دے گا۔

شرح معانی الآثار میں مذکورہ حدیث کے الفاظ یوں مروی ہیں:

(۱) فتح القدیر: ۱۰۲/۲۔ مکتبہ نوریہ سکھر

"أنزل عن القبر لا توذ صاحب القبر فلا يوذيك"۔(۱)

اسی طرح کی اور بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں حتیٰ کہ بعض صحیح احادیث میں قبروں پر بیٹھنے پر سخت قسم کی وعیدیں آئی ہیں:

"وفی سنن أبی داؤد عن أبی هريره رضی الله عنه قال قال نهی رسول الله ﷺ لأن يجلس أحدكم علی جمرة فتحرق ثيابه حتیٰ تخلص إلی جلده خير له من أن يجلس علی قبر"۔(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی ایک انگارے پر بیٹھ جائے اور وہ اس کو جلا کر اس کی جلد (کھال) تک پہنچ جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قبر پر بیٹھے۔

کسی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قبر پر پاؤں رکھنے کے بارے میں پوچھا، تو آپؓ نے فرمایا:

"كما أكره أذی المؤمن فی حياته فإنی أكره أذاه بعد موته"۔(۳)

فرمایا مجھ کو جس طرح زندہ مسلمان کی ایذاء دینا ناپسند ہے، اسی طرح مردہ کو ایذاء دینا بھی ناپسند ہے۔

مراقی الفلاح میں علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

"أخبرنی شيخی العلامه محمد بن أحمد الحموی الحنفیؒ بأنهم يتأذون بخفق النعال"۔(٤)

مجھے میرے استاذ حضرت شیخ محمد ابن احمد الحمویؒ نے بتایا کہ مردہ کو جوتے کی آہٹ سے تکلیف ہوتی ہے۔

---

(۱) معانی الآثار: ۱/۳۲۹۔ مکتبہ حقانیہ ملتان
(۲) سنن ابی داؤد: ۲/۱۰۶، کتاب الجنائز
(۳) شرح الصدور، ص: ۱۲۶۔ خلافت اکیڈمی سوات
(۴) مراقی الفلاح، ص: ۲۴۲۔ نور محمد کتب خانہ

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"لأن الميت يتاذى بما يتاذى به الحي"۔(۱)

## تیسری حدیث:

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الميت يؤذيه في قبره بما يؤذيه في بيت"۔(۲)

میت کو جس بات سے گھر میں ایذاء ہوتی ہے، قبر میں بھی اس سے ایذاء ہوتی ہے۔

علامہ عبدالروف مناوی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أفاد أن حرمة المؤمن من بعد موته باقية"۔(۳)

## چوتھی حدیث:

"في مصنف ابن أبي شيبةؒ عن عبد الله بن مسعودؓ قال: أذى المؤمن في موته كأذاه في حياته"۔(٤)

عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مؤمن کو مرنے کے بعد تکلیف واذیت دینا ایسا ہے جیسا کہ اسے اس کی زندگی میں تکلیف واذیت دینا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ میت کو بھی ایذاء اور تکلیف پہنچانا اسی طرح منع وحرام ہے، جیسا کہ زندہ شخص کو اذیت اور دکھ دینا ممنوع اور حرام ہے۔

## پوسٹ مارٹم ناجائز ہونے کی تیسری دلیل:

پوسٹ مارٹم مثلہ کے مشابہ ہے، بلکہ یہ مثلہ سے بھی بڑھ کر ہے اور کسی بھی شخص کا مثلہ کرنا

(۱) ردالمحتار: ۳/۱۵۲۔ مکتبہ حقانیہ
(۲) الفردوس بماثور الخطاب، رقم الحدیث: ۷۵۴۔ ۱/۱۹۹۔ دار العلمیہ بیروت
(۳) فیض القدیر شرح جامع الصغیر، رقم الحدیث: ۹۲۳۱۔ ۴/۵۵۱۔ دار المعرفہ، بیروت
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/۲۴۵۔ کتاب الجنائز۔ مکتبہ امدادیہ ملتان

شرعاً حرام اور ناجائز ہے، اس لئے پوسٹ مارٹم کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

## مثلہ کی تعریف:

"التشویة بقطع الأعضاء للحی وللمیت"۔(۱)

ترجمہ: زندہ اور مردہ شخص کے اعضاء کاٹ کر بدشکل بنادینا، چہرہ بگاڑ دینا مثلہ کہلاتا ہے۔

مَثَلَ یا مُثلة ،سزاء دینا، ناک کان کاٹنا۔(۲)

علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

" مثلت بالرجل أمثل به مثلاً إذا سودت وجهه أو قطعت أنفه وما أشبه ذلك "۔(۳)

جب آپ کسی آدمی کا چہرہ بگاڑ دیں، یا اس کی ناک کاٹ دیں، یا اس جیسا کوئی فعل کردیں، تو یہ مثلہ ہے، اس موقع پر کہا جاتا ہے، مثلت بالرجل ۔

بے شمار احادیث سے مثلہ کی حرمت صراحۃً ثابت ہے، مثلاً صحیح بخاری شریف میں حضرت قتادہؓ کی حدیث میں ہے:

"بلغنا أن النبی ﷺ بعد ذلك ( وقعة عكل وعرینة ) كان یحث علی الصدقة وینهیٰ عن المثلة "۔(٤)

قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ اس واقعہ ( عکل وعرینہ ) کے بعد حضور ﷺ صدقہ کی ترغیب دیتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے۔

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں باب قائم کیا ہے " باب مایكره من المُثلة والمصبورة والمجسمة " اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے عبداللہ بن یزیدؓ کی

(۱) معجم لغۃ الفقہاء،ص:۴۰۴۔ادارۃ القرآن کراچی

(۲) لغات الحدیث:۴/۱۸۸

(۳) الفائق فی غریب الحدیث:۳/۲۲۵

(۵) صحیح البخاری:۲/۶۰۲

حدیث نقل کی ہے:

"عن عبد الله ابن یزید عن النبی ﷺ انه نهیٰ عن النهبة و المثلة"۔(۱)

حضور ﷺ نے ڈاکہ ڈالنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔

انسان تو دور حضور ﷺ نے جانور کا مثلہ کرنے سے بھی منع فرمایا بلکہ آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے جانور کا مثلہ کرنے والے پر، بخاری شریف میں ہے:

"لعن النبی ﷺ من مثل بالحیوان"۔(۲)

جب جانور کا مثلہ کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے، تو انسان کا مثلہ کرنے والے پر تو بدرجہ اولیٰ لعنت ہوگی، اس لئے حضور ﷺ جب کوئی لشکر دشمن کے مقابلے کے لئے روانہ فرماتے، تو آپ ﷺ ان کو نصیحتیں فرماتے تھے، ان میں سے آپ ﷺ یہ بھی فرماتے:

"ولا تمثلوا"۔(۳)

کہ اپنے دشمن کا مثلہ مت کرو۔

جب جہاد کے موقع پر کافر دشمن کا مثلہ کرنا جائز نہیں، تو عام حالات میں مسلمان کے نعش کے پوسٹ مارٹم کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ سنن ابوداؤد میں ہیاج ابن عمران سے روایت ہے کہ عمران میرے والد کا غلام بھاگ گیا، تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے مجھے اس پر قدرت دی، تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹوں گا، عمران نے مجھے بھیجا، تاکہ میں اس بارے میں حضور ﷺ سے پوچھ کر آؤں، میں سمرہ بن جندب کے پاس آیا، میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ ہم کو صدقہ کرنے پر ابھارتے اور ہم کو مثلہ کرنے سے منع کرتے، میں عمران ابن حصینؓ کے پاس آیا تو ان سے پوچھا، تو انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا۔(۴)

(۱) بخاری شریف:۲/ ۸۲۸ ، کتاب الذبائح والصید۔ دار الحدیث ملتان

(۲) حوالہ بالا

(۳) مسلم شریف:۲/۸۲ ۔کتاب الجہاد والسیر

(۴) سنن ابی داؤد:۲/۱۴، کتاب الجہاد باب فی النہی عن المثلہ

جب مثلہ حرام وناجائز ہے، تو پوسٹ مارٹم کی اجازت کہاں سے دی جاسکتی ہے؟ کیونکہ پوسٹ مارٹم بھی مثلہ کے مشابہ ہے، بلکہ پوسٹ مارٹم تو مثلہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

## چوتھی دلیل:

عدالتی پوسٹ مارٹم کی صورت میں عموماً کئی کئی گھنٹے تک میت کو رکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے کفن، دفن اور نماز جنازہ میں تاخیر ہو جاتی ہے، جبکہ ان چیزوں میں جلدی کرنا شریعت کا حکم ہے۔

حصین ابن وحوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ بن براء بیمار ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے، ان کی نازک حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آ ہی گیا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو مجھے خبر کی جائے اور ان کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے، کیونکہ کسی مسلمان میت کے لئے مناسب نہیں کہ وہ دیر تک اپنے گھر والوں کے بیچ میں رہے۔(۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے، تو اس کو دیر تک گھر میں مت رکھو اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو۔(۲)

## پانچویں دلیل:

جس طرح انسان کی زندگی میں اسلام نے قابل ستر اعضاء کو باپردہ کرنے کا حکم دے رکھا ہے، اسی طرح بعد از وفات بھی میت کے قابل ستر اعضاء کو باپردہ کرنے کا حکم دیا ہے، حتیٰ کہ غسل جو کہ شرعی حکم ہے اور فرض کفایہ ہے، اس میں بھی قابل ستر اعضاء کو برہنہ اور ننگا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، باب تعجیل الجنازۃ:۲/۹۷

(۲) بیہقی، شعب الایمان، ومعارف الحدیث، بحوالہ احکام میت، ص ۳۲

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وتستر عورته بخرقة، لأن حرمة النظر إلى العورة باقية بعد الموت قال النبي ﷺ لا تنظروا إلى فخذ حي ولا ميت ولهذا لا يباح للأجنبي غسل الأجنبية دل عليه ما روى عن عائشة أنها قالت كسر عظم الميت ككسره وهو حي"۔(۱)

اور میت کی شرمگاہ کو کسی کپڑے سے ڈھانپا جائے، اس لئے کہ شرم گاہ کو دیکھنے کی حرمت موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی زندہ اور مردہ انسان کی ران کی طرف نہ دیکھو، اس لئے اجنبی مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اجنبی عورت کو غسل دے۔

چونکہ انسانی اعضاء مستورہ کو مرنے کے بعد بھی دیکھنا ممنوع اور ناجائز ہے، فطری بات ہے کہ پوسٹ مارٹم کی صورت میں بے پردگی لازمی ہوتی ہے، اس کے بغیر پوسٹ مارٹم ہو نہیں سکتا، عورت کے لئے تو اس کا پورا بدن ستر ہے، تو پوسٹ مارٹم کی صورت میں عورت یا مرد کی بے پردگی ضرور ہوگی جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

## پوسٹ مارٹم اور رشوت خوری:

اس وقت پوسٹ مارٹم رشوت خوری کا ایک بڑا ذریعہ ہے، مقدمہ کے سلسلے میں میت کا جب پوسٹ مارٹم کرنا ہو، تو فریقین کی بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ پوسٹ مارٹم کا نتیجہ ان کے حق میں ہو، اس مقصد کے لئے ساز باز کی جاتی ہے، پولیس، ڈاکٹرز اور مجسٹریٹ تک سب خوب رشوت لیتے ہیں، اور رشوت دینے والے کے حق میں فیصلے لکھے جاتے ہیں، اور بے گناہ کو گناہ گار اور گناہ گار کو بے گناہ ثابت کرتے ہیں، بلکہ پوسٹ مارٹم کا پورہ نتیجہ ہی غلط رپورٹ کیا جاتا ہے۔

(۱) بدائع الصنائع: ۱/۳۰۰۔ ایچ ایم سعید کمپنی

## اصول اسلامی کی تنسیخ:

شریعت مقدسہ ومطہرہ نے کسی بھی جرم وجنایت کے ثبوت کے لئے شہادت کو معیار قرار دیا ہے، جبکہ مروجہ پوسٹ مارٹم کے شیطانی عمل نے اسلامی اصول شہادت کو غیر مؤثر کر دیا ہے، مغرب اور سامراجی تہذیب اسلامی اصول کی عین ضد اور اصول فطرت کے بالکل خلاف ہے۔

ایک شخص فائر کر کے بے گناہ کی جان لیتا ہے، اس کا خون بہہ رہا ہے اور دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں، گواہ موجود ہیں اور قاتل بھی پکڑا جا چکا ہے اور بسا اوقات وہ اقرار بھی کر لیتا ہے، لیکن پھر بھی پوسٹ مارٹم ضروری ہے، اور پوسٹ مارٹم نے ثابت کیا کرنا ہے؟ پوسٹ مارٹم میں لکھا جاتا ہے کہ فائر سے ذرا پہلے مرنے والا سخت خوف زدہ ہو گیا تھا، شدت احساس سے اسے ہارٹ اٹیک ہو گیا اور ہارٹ اٹیک سے موت واقع ہو گئی، لہٰذا فائر بعد میں ہوا اور گولی چلانے والا بے قصور ہے اور اسے باعزت بری کر دیا جاتا ہے، گویا کہ پوسٹ مارٹم مغرب زدہ طبقہ کے ہاں حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کا ایک مہذب طریقہ ہے۔

## جرائم پر پردہ ڈالنے کا ذریعہ:

اس وقت یہ کہ مروجہ پوسٹ مارٹم کے ذریعے جرائم کی روک تھام نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ جرائم پر پردہ ڈالنے کا ایک اہم ذریعہ بن چکا ہے، چنانچہ آئے دن اخبارات میں اس طرح کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں، کہ جرم کے ارتکاب پر مجرم پکڑ لیا جاتا ہے اور وہ جرم کا اقرار بھی کر لیتا ہے، لیکن پھر بھی اس کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے اور کوئی بہانہ نکال کر مجرم کو بری کر دیا جاتا ہے۔(۱)

اب ہم پوسٹ مارٹم کے ناجائز ہونے کے بارے میں اکابر علماء کرام کے فتاویٰ جات نقل کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے اکابر نے ضرورت کے باوجود پوسٹ مارٹم کو کیوں

(۱) پوسٹ مارٹم اور اس کی شرعی حیثیت، ص:۱۷۔ الخلیل پبلشنگ ہاؤس راولپنڈی

ناجائز قرار دیا، بنیادی وجہ میت کی توہین اور تذلیل ہے، جیسا کہ آنے والے حوالہ جات سے معلوم ہو جائے گا۔

## حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ:

سوال: (۶۹۳) جب کوئی شخص زہر وغیرہ کھا کر یا کسی کے کھلانے سے مر جاتا ہے، یا زخم وضرب شدید سے مر جاتا ہے، تو اس مردہ لاش کو ڈاکٹر لوگ چیر کر دیکھتے ہیں اور بعض دفعہ بعد چیرنے کے تمام لاش تو دبوا دیتے ہیں اور صرف دل وکلیجی وگردہ وغیرہ نکال کر بڑے ڈاکٹر کے پاس برائے ملاحظہ لاہور بھیجتے ہیں اور وہ بعد ملاحظہ وہیں کہیں داب یا پھینک دیتا ہے، پس غرض ہے کہ کوئی مسلمان ڈاکٹر ہو، تو وہ ایسا کام کرے یا شرع شریف میں اجازت نہیں؟

"الجواب: في الدر المختار: حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها إلى قوله ولو بلغ مال غيره ومات هل يشق قولان والأولىٰ نعم"۔(۱)

"وفي رد المحتار: (قوله ولو بلغ مال غيره) أي ولا مال له كما في الفتح وشرح المنيه ومفهومه أنه لو ترك مالا يضمن ما بلغ هلا يشق اتفاقاً (قوله والأولىٰ نعم) وإنه وإن كان حرمة الآدمي أعلىٰ من صيانة المال لكنه أزال احترامه بتعديه، كما في الفتح ومفاده أنه لو سقط في جوفه بلا تعد لا يشق اتفاقا"۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ میت کا چیرنا امر ناجائز ہے، صرف کسی دوسرے زندہ کی جان بچانے کے لئے یا مال محترم کے محفوظ کرنے کے لئے جبکہ اس کا بدل بھی نہ ہو سکے بضرورتِ شدیدہ اجازت دی گئی ہے، اور صورتِ مسئولہ

(۱) الدر المختار: (۱/۹۳۸)

(۲) رد المحتار: (۱/۹۳۸)

میں یہ ضرورت شدیدہ متحقق نہیں اور جو ضرورت و مصلحت اس کا سبب ہے، اس درجہ کی نہیں، اس لئے عدم جواز ہی کا حکم باقی رہے گا اور جس شخص کو کلیجہ و گردہ وغیرہ مل جائے واجب ہے کہ ان کو دفن کردے، پھینک کر بے حرمتی نہ کرے اور جس شخص کو ملازمت کی ضرورت سے ایسی چیر پھاڑ کا اتفاق ہو، وہ اس فعل کو ناجائز سمجھے اور استغفار کرے اور جب تک دوسری نوکری قابل بسر میسر نہ ہو، یہ نوکری نہ چھوڑے کہ مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ فَلْیَخْتَرْ أَهْوَنَهُمْ۔(۱)

## حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا فتویٰ:

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال:[ ۴۲۵۶] کیا زہر خوانی وغیرہ کے معاملات میں نعش دفن ہوجانے کے بعد بغرض پوسٹ مارٹم نعش برآمد کرنے کی شرعاً ممانعت ہے؟ نعش کا پوسٹ ایک وجہ ثبوت ہر قسم معاملات میں فراہم کرتا ہے۔

(۲) اگر ایسا ہو تو کیا پولیس کو نعش برآمد کرنے سے روکنا، اس کے خلاف احتجاجی کاروائی کرنا مسلمانوں پر واجب ہے؟ خواہ وہ سلسلہ میں مزاحمت سرکاری ملازم کی زد میں بھی آتے ہوں۔

(۳) کیا احترام قبر و میت شرع میں اس حد تک رکھا گیا ہے کہ قصاص کاروائی کے سلسلہ میں بھی اگر نعش برآمد کرنے کی قانوناً ضرورت ہو، تو بھی نہ کی جائے

(۴) جو شخص پولیس میں اس مرگ مفاجات کی رپورٹ کرتا ہے وہ کسی حکم شرعی کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اور کسی شرعی سزاء کا مستوجب ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً: دفن کرنے کے بعد مذکورہ مقصد کے لئے نعش کو قبر کھود کر نکالنا شرعاً درست و جائز نہیں، نعش کو چیرنا بھی جائز نہیں، زہر کا اثر مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے، پوسٹ مارٹم کے ذریعہ جو ثبوت ہو، وہ

(۱) امداد الفتاویٰ: ۱/ ۵۰۸

شرعی ثبوت نہیں اور ایسے ثبوت پر کسی کو مجرم قرار دے کر سزا دینے کا بھی حق نہیں۔

(۲) ایسی صورت میں قانونی چارہ جوئی وکیلوں سے کی جا سکتی ہے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مقابلہ کرنے کے نتائج بسا اوقات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کا تحمل دشوار ہوتا ہے اور ایسا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے، جس کا خمیازہ بہت سے بے قصوروں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

(۳) اس کا جواب نمبر ایک میں آ گیا۔

(۴) اخفائے واردات جرم ہے، اگر اس جرم سے بچنے کے لئے اطلاع کی ہے کہ اگر اطلاع نہ کرتا، تو وہ مستوجب سزا ہوتا، تب تو مضائقہ نہیں۔ اگر اس تحفظ کے علاوہ دوسرا مقصد ہے کہ دوسروں کو بلا وجہ شرعی ذلیل کیا جائے، تو یہ سخت معصیت ہے، اس نے قبر کی بھی بے حرمتی کی، اگر اقتدار اعلیٰ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو، جو شرعی سزا دینے کا مجاز ہو، تو وہ حسب صوابدید تعزیر کر سکتا ہے، ہر شخص کو تعزیر کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

## حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

نظام الفتاویٰ میں ہے:

''سوال: پوسٹ مارٹم کے متعلق حکم شرعی سے مطلع فرمائیں، جب کہ نعش کی حرمت اسی طرح برقرار رہی ہے جس طرح زندہ انسان کی، اور زندہ کی طرح قطع وبرید کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، البتہ مندرجہ ذیل مصالح اس صورت میں پائے جاتے ہیں:

(۱) اگر کسی شخص کی موت کا سبب معلوم نہ ہو، تو تفتیش جرائم کا محکمہ یہ جاننے کی جدوجہد کرتا ہے کہ اس کی موت زہر کھانے سے ہوئی، یا گلہ گھونٹنے سے، یا

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۱۳۵۔ دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

ڈوب کر، یا کسی اور پوشیدہ سبب کے نتیجہ میں ہوئی، تا کہ ظالم کی شناخت کر کے اس کو سزا دی جائے، اس کی سرکوبی کی جائے اور جرائم کی راہ مسدود ہو جائے۔

(۲) دوسرا پہلو اس کا یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کسی کا انتقال ہوا اور موت کا سبب معلوم نہ ہونے کی بناء پر ایک بے قصور شخص محض شبہ کی بناء پر گرفتار کر لیا جاتا ہے، لیکن نعش کے پوسٹ مارٹم کے بعد یقینی طور پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مرنے والا طبعی موت مرا ہے، یا اس نے خودکشی کی ہے، اس صورت میں وہ بے قصور شخص بچ جاتا ہے۔

(۳) تیسری مصلحت یہ ہے کہ کوئی وبائی مرض پھیل جاتا ہے، تو ڈاکٹر لوگ پوسٹ مارٹم کے ذریعے اس بات کا پتہ لگاتے ہیں کہ اس کثرتِ اموات کے اسباب کیا ہیں؟ ان پر غور کر کے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ انسانی نعش کو کھول کر انسانی اعضاء کی ترکیب، ہڈیوں کے جوڑ، مختلف اعضاء کے درمیان تناسب وغیرہ کو اس مقصد اور غرض کے لئے دیکھتے ہیں، تا کہ بیماری اور اس کے اسباب اور طریق علاج پر عبور حاصل کر سکیں وغیرہ وغیرہ۔

الجواب: پوسٹ مارٹم آیت کریمہ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ﴾(۱) کے صریح خلاف ہے اور اس میں جو مصالح اور مقاصد تحریر ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی واجب التحصیل نہیں، یہ علاوہ ازیں اس میں انسان کو ننگا کرنا بھی آتا ہے، جس کا حرام ہونا ظاہر ہے اور علاوہ ازیں اور بہت سے دیگر شرعی مفاسد کا باب کھلتا ہے اور بر سبیل تسلیم پتہ بھی لگ جائے کہ اس کی موت زہر وغیرہ سے ہوئی ہے، جب بھی ظالم یا مجرم کی تعین نہیں ہو سکتی، اس لئے اس فعل کے ارتکاب کی شرعا اجازت نہیں ہوگی۔ اگر کوئی غیر مسلم کی نعش پر ایسا کرے، یا

---

(۱) سورہ اسراء، آیت: ۷۰

کسی غیر اسلامی ممالک میں ایسا کیا جائے، تو یہ فعل حجت شرعی نہیں بن سکتا، اس لئے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی"۔(۱)

نوٹ: حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے پہلے پوسٹ مارٹم کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، وہ فتویٰ حضرت کا پرانا فتویٰ ہے جب کہ بعد میں حضرت نے عدم جواز کا فتویٰ دیا، پہلے والے موقف سے مفتی صاحب نے رجوع کرلیا، اس لئے پہلے والے فتوے کا اعتبار نہیں۔

## حضرت مولانا مفتی برہان الدین سنبھلی ؒ کی رائے:

پوسٹ مارٹم کا حکم: انہی نصوص واقوال سے جن سے ہڈی توڑنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، انسان کے پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ حرام ہے (جیسا کہ عام طور پر معروف ہے) اس بارے میں ایسے ہی اقوال تقریباً تمام شراح حدیث کے ملتے ہیں، مزید یہ کہ مردہ کا کوئی عضو کاٹ کر علیحدہ کرنا مثلہ ہے اور مثلہ کی حرمت تقریباً متفق علیہ ہے، اس لئے یہ حکم تمام علماء امت کے درمیان متفق نظر آتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا نقول سے بھی معلوم ہوتا ہے، معجم فقہ ابن الظاہری کی یہ عبارت بھی اس کی مؤید ہے:

"أكل المحرمات وشربها عند الضرورة حلال حاشا لحوم بني آدم وما يقتل من تناوله فلا يحل من ذلك شيء"۔(۲)

یعنی انسان کا گوشت اور اس کے اجزاء کے استعمال کی کسی صورت میں اجازت نہیں، البتہ اضطراری حالت میں اس کے علاوہ دوسری حرام چیزوں کا استعمال جائز ہے۔

ان دلائل کی بنیاد پر اس مسئلہ کا یہ حکم سامنے آتا ہے کہ اعضاء انسانی (خواہ زندہ انسان کے ہوں یا مردہ) ان کی کانٹ چھانٹ یا چیر پھاڑ ممنوع ہے، کیونکہ اس

(۱) نظام الفتاویٰ: ۱/۳۱۲۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور

(۲) معجم فقہ ابن الظاہری: ۲/ ۵۱۷

میں انسانیت کی توہین ہے۔(۱)

## حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا فتویٰ

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

سوال: آج کل جو لوگ گولی مار کر قتل کر دئے جاتے ہیں، ان کی میت کا ہسپتال میں پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، جس سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ جسم میں کتنی گولیاں ماری گئی ہیں؟ کہاں کہاں ماری گئی ہیں؟۔

پوسٹ مارٹم کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ میت کو مادر زاد برہنہ کر کے میز پر ڈال دیتے ہیں، پھر ڈاکٹر آ کر اس کا معائنہ کرتا ہے، عورت مرد دونوں کا پوسٹ مارٹم اسی طرح ہوتا ہے، کیا شریعت میں یہ پوسٹ مارٹم جائز ہے، جبکہ میت کے وارث منع کرتے ہیں کہ ہم پوسٹ مارٹم نہیں کروائیں گے، ایک تو یہ ظلم کہ فائرنگ کر کے قتل کیا اور پھر ظلم قتل کے بعد پوسٹ مارٹم کے ذریعے کیا جاتا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: پوسٹ مارٹم کا جو طریقہ آپ نے ذکر کیا ہے یہ صریح طور پر ظلم ہے اور اس کو فحاشی میں شمار کیا جاتا ہے اور جب ایک آدمی مر گیا اور اس کے قاتل کا بھی پتہ نہیں، تو اس کی لاش کی بے حرمتی کا کیا فائدہ، لاش وارثوں کے حوالے کر دئے جائیں اور اگر لاش لاوارث ہو، تو اس کی تدفین کر دی جائے، بہر حال برہنہ پوسٹ مارٹم حد سے زیادہ تکلیف دہ ہے، خصوصا جب کہ مردوں اور عورتوں کا ایک طرح پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، یہ چند در چند قباحتوں کا مجموعہ ہے، گورنمنٹ کو چاہئے کہ اس کو از روئے قانون بند کر دے۔(۲)

---

(۱) موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل، ص:۲۶۹

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹/۳۳۳

## دار العلوم حقانیہ کا فتویٰ

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

سوال: عصر حاضر میں اگر کوئی قتل ہو جائے، یا کسی حادثہ میں ہلاک ہو جائے، تو ہسپتال میں اس کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، جس میں اعضاء کی قطع و برید ہوتی ہے، تو شریعت مقدسہ میں اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جس طرح انسان کو ایذاء دینا موجب جرم وگناہ ہے، اسی طرح مردہ انسان کو بھی ایذاء دینا موجب جرم وگناہ ہے، اس لئے فقہاء نے بعد الموت انسانی اعضاء کی قطع و برید کو خلاف شرع قرار دے کر پوسٹ مارٹم کو ایک قبیح اور ناجائز عمل کہا ہے۔

"لما قال الباجي يريد أن له من الحرمة في حال موته مثل ما له منها حال حياته وإن كسر عظامه في حال موته يحرم كما يحرم كسرها حال حياته"۔(۱)

## حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب کا فتویٰ

فتاویٰ دار العلوم زکریا میں ہے:

سوال: پوسٹ مارٹم کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ میت کی توہین میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے ساتھ ہر وہ کام کرنا جس سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے جائز اور درست نہیں ہے، اور پوسٹ مارٹم میں جسم کی تقطیع ہوتی ہے اور یہ معاملہ اگر زندہ کے ساتھ کیا جائے تو ضرر رساں ہے، لہٰذا میت کے ساتھ بھی درست نہیں ہوگا، اس میں جسم انسانی کی توہین ہے، حتی الامکان اپنی میت کو اس سے

(۱) فتاویٰ حقانیہ: ۴/ ۳۹۸۔ جامعہ دار العلوم حقانیہ نوشہرہ

بچانا چاہیے، لیکن مجبوراً کرنا پڑے، تو اس کی گنجائش ہے۔(۱)

## غیر مقلد عالم مبشر احمد صاحب کی رائے:

''دور حاضر میں انسانی لاش کا پوسٹ مارٹم عام وطیرہ بن چکا ہے، اس کے ذریعے قتل یا زخمی ہونے کی صورت میں وجوہات قتل وغیرہ کی آڑ میں انسانی اعضاء کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے، ہمیں قرآن وحدیث میں غور وفکر کرنا ہے کہ کیا کسی میت کی چیر پھاڑ کرنا شرعی طور پر درست ہے؟ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پوسٹ مارٹم انسانیت کی توہین ہے اور یہ مثلہ کے ضمن میں آتا ہے''۔(۲)

## حافظ عبدالمنان نور پوری کی رائے:

''کہا جاتا ہے کہ قتل کا سراغ لگانے اور قتل کی وجوہات تلاش کرنے کیلئے پوسٹ مارٹم ضروری ہے، اسی طرح ڈائی سیکشن کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے بیماریوں کا سدباب اور نئی طبی تحقیق کی راہیں کھلتی ہیں۔

قائلین کا یہ بھی کہنا ہے کہ پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن انسانی صحت کی بحالی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، حالانکہ ہر وہ کام جو خلاف شریعت ہو، وہ انسان کی تباہی و بربادی کا سبب تو بن سکتا ہے، فلاح وکامیابی کا ذریعہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

احادیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ مردہ کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے جیسا ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے مثلہ کرنے سے منع کیا ہے۔

پوسٹ مارٹم مثلہ کی جدید قسم ہے، ان دونوں کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ذریعے جرائم کی بیخ کنی ہوتی ہے، ہم ان سے

(۱) فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۲/۶۱۲۔ کتاب الصلاۃ ط زمزم پبلشرز کراچی

(۲) اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، ص: ۱۳۷۔ ڈاکٹر محمد شوکت شوکانی ط دار الاندلس لاہور

پوچھتے ہیں کہ کیا اس سے دنیا میں قتل وغارت کی وارداتیں کم ہوگئی ہیں؟ اگر جرائم کی بیخ کنی کا دعویٰ تسلیم کرلیا جائے، تو چاہئے تو یہ تھا کہ وارداتیں کم ہوجاتیں، لیکن یہ سلسلہ دن بدن بڑھ رہا ہے اور ان میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، اسی طرح ڈائی سیکشن کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس سے بیماریوں کا قلع قمع ہوتا ہے، یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے، امن وامان کی بحالی انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین سے ممکن نہیں۔

پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن دونوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کام ہیں، ہمیں یہ بات اچھی طرح سے جان لینی چاہئے، انسان کی کامیابی اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں میں مضمر ہے، جب انسان اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے ہٹ جاتا ہے تو وہ راہ ہدایت سے بھٹک جاتا ہے"۔(۱)

## حافظ صلاح الدین یوسف کی رائے:

"جدید مسائل میں ایک اہم مسئلہ انسانی لاش کے پوسٹ مارٹم کا ہے، اس کی افادیت یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس کے ذریعے ملزم کا سراغ لگانے میں مدد ملتی ہے، علاوہ ازیں میڈیکل کے طلباء وطالبات کو بھی میڈیکل تجربات کے لئے لاش کی چیر پھاڑ سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں، لیکن پوسٹ مارٹم کے ذریعے جو انسانی لاش کی بے حرمتی ہوتی ہے، یہ تھوڑا سا فائدہ بے حرمتی کے لئے جواز نہیں بن سکتا، جبکہ انسانی لاش کی بے حرمتی حدیث نبوی کی رو سے حرام اور ممنوع ہے۔

علاوہ ازیں یہ دونوں فائدے ایسے ہیں کہ جن کے لئے دیگر ذرائع بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں، بنابریں پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن کا موجودہ طریقہ

(۱) اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، ص:۱۴۱۔ دارالاندلس لاہور

اور سلسلہ ایسا ہے کہ اس کا شرعی جواز محل نظر ہے، اس کے لئے متبادل ذرائع سوچنے اور اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

پوسٹ مارٹم کا مروجہ طریقہ کار بالکل غیر شرعی، غیر اسلامی اور غیر انسانی ہے جس میں مسلمان لاشوں کی سخت بے حرمتی ہوتی ہے، لاشوں کا جو حشر کیا جاتا ہے وہ بیان کردہ صورتحال کے پیش نظر انتہائی غیر اخلاقی ہے، جس کی کوئی بھی لواحق اور میت کا وارث اجازت نہیں دیتا، اگر اس کا مقصد صرف کیس کی تحقیق میں مدد لینا ہے، تو صرف میت کی ظاہری لاش کا معائنہ کیا جا سکتا ہے، وہ بھی پردے اور آداب انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اس کی چیر پھاڑ کرنا، بعض اعضاء کو بطور دوائی استعمال میں لانا اور خرید و فروخت کرنا، یہ قطعی طور پر درست نہیں، بلکہ حرام ہے۔

## قاتل کے تعین کے لئے شرعی ضابطہ:

اسلام نے قاتل کے تعین کے لئے ایک قانون اور ضابطہ پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں مدعی قتل کی نظر میں قاتل معلوم ہے یا نہیں؟ اگر معلوم ہے تو دعویٰ کے ثبوت کے لئے مدعی قتل سے گواہ طلب کئے جائیں گے، گواہوں کی شہادت کی موجودگی میں ملزم کو قاتل قرار دیا جائے گا، گواہ نہ ہونے کی صورت میں ملزم سے قسم لی جائے گی، کیونکہ اسلام کا ایک واضح قانون ہے "اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ" مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم لازم ہوگی) اور قسم لے کر ملزم کو بری کر دیا جائے گا۔

اگر قاتل معلوم نہ ہو یعنی قتل کر کے بھاگ گیا، کوئی پتہ نہ ہو کہ قاتل کون ہے؟ تو اس صورت میں اسلام نے قسامت کا قانون پیش کیا ہے۔

## قسامت کا لغوی معنیٰ و مفہوم:

لغوی معنیٰ: لغت میں قسامت کے متعدد معنیٰ آتے ہیں مثلاً قسم، صلح، حسن و جمال وغیرہ

## احناف کے نزدیک قسامت کا اصلاحی معنی:

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

”وإذا وجد الرجل قتيلاً في محلة قوم، فعليهم أن يقسم منهم خمسون رجلاً بالله ما قتلناه ولا علمنا له قاتلاً، ثم يغرمون الدية“۔(۱)

جب کسی محلّہ میں مقتول پایا جائے، تو ضروری ہے کہ اہل محلّہ میں سے پچاس افراد قسم کھا کر کہیں کہ اللہ کی قسم! ہم نے اسے نہ تو قتل کیا ہے اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں، پھر ان سے دیت بھی وصول کی جائے گی۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

”في عرف الشرع تستعمل في اليمين بالله تبارك وتعالى بسبب مخصوص وعدد مخصوص وعلیٰ شخص مخصوص وهو المدعى عليه على وجه مخصوص“۔(۲)

شرعی اصطلاح میں مخصوص طریقے سے مخصوص شخص (یعنی مدعی علیہ) کے خلاف کسی مخصوص سبب سے ایک مخصوص تعداد میں قسم کھانے کو قسامت کہا جاتا ہے۔

## قسامت، کی شرعی حیثیت:

جمہور علماء کے نزدیک قسامت شرعاً درست ہے، البتہ بعض علماء سلف قسامت کے قائل نہیں۔

## جمہور علماء کا نظریہ اور ان کے دلائل:

جمہور صحابہؓ، تابعین اور فقہاء کے نزدیک قسامت جائز ہے، جمہور علماء کے دلائل درج

(۱) مبسوط سرخسی: ۱۰۶/۲۵۔ ابوبکر محمد بن احمد۔ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

(۲) بدائع الصنائع: ۳۵۲/۶۔ المکتبۃ الحقانیہ پشاور

ذیل ہیں:

(۱) اصول یہ ہے کہ مدعی گواہ پیش کرے اور مدعی علیہ قسم کھائے، اس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

پہلی دلیل:

"عن سهل ابن أبى حثمة وعن رافع ابن خديج رضي الله عنه إنهما قالا خرج عبد الله بن سهل بن زيد ومحيصة بن مسعود بن زيد حتى إذا كانا بخيبر تفرقا فى بعض ما هنالك ثم إذا محيصة يجد عبد الله بن سهل قتيلا فدفنه ثم أقبل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم هو وحويصة بن مسعود رضي الله عنه وعبد الرحمن بن سهل وكان أصغر القوم فذهب عبد الرحمن يتكلم قبل صاحبيه فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم كبر فصمت فتكلم صاحباه وتكلم معهما فذكروا لرسول الله صلى الله عليه وسلم مقتل عبد الله بن سهل فقال لهم اتحلفون خمسين يميناً فتستحقون صاحبكم قالوا كيف نحلف ولم نشهد قال فتبرئكم بخمسين يميناً قالوا كيف نقبل أيمان قوم كفار فلما راى ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم أعطى عقله"۔(۱)

سہل ابن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ اور رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن سہل اور محیصہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سفر پر نکلے، جب دونوں خیبر پہنچے تو دونوں وہاں الگ الگ ہوگئے، اچانک وہاں محیصہ کو عبداللہ مقتول حالت میں ملے، انہوں نے اسے وہاں دفن کر دیا، پھر محیصہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حویصہ ابن مسعود اور عبدالرحمٰن ابن سہل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عبدالرحمٰن ابن سہل ان میں چھوٹے تھے، جب وہ اپنے دیگر ساتھیوں کی طرف سے بات شروع کرنے لگے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عمر میں بڑا ہے اسے بات کرنے کا موقع دیں، تو وہ خاموش ہوگئے۔

(۱) سنن ابوداود، باب القسامہ: ۲/۲۷۵

پھر دوسرے ساتھیوں نے بات کی، اور عبدالرحمٰن ابن سہل نے بھی بات کی، انہوں نے عبداللہ ابن سہل کے قتل کا واقعہ نبی ﷺ سے بیان کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھاتے ہو کہ اپنے مقتول ساتھی کے حق دار قرار پاؤ، یا قاتل کا تعین ہو جائے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے دیکھا نہیں تو کس طرح قسمیں کھائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہودی پچاس قسمیں کھا کر تمہیں بری الذمہ کر دیں، انہوں نے کہا ہم کافر لوگوں کی قسمیں کس طرح قبول کر سکتے ہیں۔ جب رسول اللہ نے یہ صورتحال دیکھی تو آپ ﷺ نے اس کی دیت خود ادا کی۔

وضاحت: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قسامت جائز ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مقتول کے اولیاء کے لئے کسی فرد پر دعویٰ مشکل ہو اور قاتل معلوم نہ ہو، تو اس صورت میں پچاس قسمیں دی جائیں گی، لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ اولیاء مقتول کو یہود کی قسموں کا اعتبار نہیں، تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن سہل کے خون کو رائیگاں ہونے سے بچانے کے لئے بیت المال سے اس کی دیت ادا کر دی۔

دوسری دلیل:

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده إن رسول الله ﷺ قال : البينة على المدعي واليمين على من أنكر إلا في القسامة"۔ (۱)

عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مدعی کے ذمے ثبوت ہے اور قسم انکار کرنے والے پر ہے سوائے قسامت کے۔

وضاحت: اس حدیث میں حقوق کے اثبات کا عمومی ضابطہ ذکر کیا گیا ہے کہ مدعی ثبوت پیش کرے گا اور مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی، لیکن قسامت کا قانون اس عمومی ضابطہ سے

---

(۱) سنن دار قطنی: ۴/ ۲۱۸۔ رقم الحدیث: ۵۲

مستثنیٰ ہے، اگر چہ اس حدیث کی صحت میں کچھ محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن بحیثیت مجموعی دیگر دلائل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

## بعض سلف کا قسامت کے جواز سے انکار:

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء سلف مثلاً ابو قلابہؒ، سالم بن عبد اللہؒ، سلیمان بن یسارؒ، قتادہؒ، مسلم بن خالدؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ (ایک روایت کے مطابق) قسامت کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک قسامت ثابت نہیں اور کئی پہلوؤں سے اصول شریعت کے خلاف ہے۔

## قسامت کی شرائط:

چونکہ قسامت کا طریق مخصوص حالات میں اختیار کیا جاتا ہے اور یہ شریعت کے عمومی قواعد اور قیاس سے ہٹ کر ایک استثنائی صورت ہے، اسلئے فقہاء نے قسامت کیلئے کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔

## احناف کے نزدیک قسامت کی شرائط:

احناف کے نزدیک قسامت کی سات شرائط ہیں:

### (۱) جسم پر زخم یا چوٹ کا نشان:

مقتول کے جسم پر زخم ہو یا چوٹ ہو، گلہ گھونٹنے جانے کا نشان ہو، اگر اس قسم کی کوئی علامت نہ پائی جائے، تو پھر نہ قسامت ہے اور نہ دیت، کیونکہ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ طبعی موت مرا ہوگا۔

اسی طرح اگر خون منہ، ناک، پاخانے یا پیشاب کے مقام سے نکلا ہو تو بھی قسامت کا طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا، ان مقامات سے کسی چوٹ یا ضرب کے بغیر نکسیر یا قے کی وجہ سے بھی خون نکل سکتا ہے، اس لئے ظاہر احوال کے مطابق وہ شخص مقتول نہیں ہے، اگر

خون آنکھ یا کان سے بہہ رہا ہو، تو ایسی صورت میں قسامت اور دیت ہے، کیونکہ ان جگہوں سے بالعموم کسی دوسرے شخص کی ایذاء کے بغیر خون نہیں نکلتا، یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے کہ ظاہر حال مدعی کے سچا ہونے کی گواہی دے، بلکہ یہی کافی ہے کہ مقتول کسی محلہ میں پایا جائے اور اس پر قتل کے آثار بھی موجود ہوں۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

”والقتل عندنا كل ميت به أثر فإن لم يكن فيه أثر فلا قسامة فيه ولا دية“۔(۱)

ہمارے نزدیک مقتول ہر وہ شخص ہے جس پر قتل کا کوئی نشان ہو، اگر قتل کا کوئی نشان نہیں ہے، تو پھر قسامت اور دیت نہیں ہے۔

## (۲) قاتل کا علم نہ ہو:

احناف کے نزدیک قسامت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ قاتل کون ہے؟ اگر قاتل معلوم ہے، تو پھر قتل عمد میں قصاص ہے اور قتل خطاء اور شبہ عمد وغیرہ میں دیت ہے۔

## (۳) مقتول انسان ہو:

اگر کوئی جانور کسی محلہ میں مردہ پایا جائے، تو قسامت کا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا، کیونکہ قسامت خلاف قیاس ہے اور جو چیز کسی صریح حکم سے خلاف قیاس ثابت ہو، اسے اسی معاملہ تک محدود رکھا جاتا ہے، اس پر مزید قیاس نہیں کیا جاتا۔

## (۴) عدالت میں دعویٰ دائر کیا ہو:

قسامت کے لئے ضروری ہے کہ اولیاء مقتول نے دعویٰ عدالت میں دائر کر دیا ہو، کیونکہ

(۱) المبسوط: ۲۵/۱۱۴

قسامت قسم ہی ہے اور قسم اس وقت دلانا ضروری ہوتا ہے، جب کوئی دعویٰ کیا جائے۔

## (۵) قتل کے ارتکاب سے انکار:

مدعیٰ علیہ جب قتل کے ارتکاب سے انکار کردے، تو قسامت لازم آتی ہے، اگر مدعی علیہ قتل کا اقرار کرلے، یا قتل کے بارے میں بتادے، تو پھر قسامت نہیں ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وفیھا أی ثم شروط القسامة إنکار المدعی علیه لأن الیمین وظیفة المنکر قال علیه الصلوة والسلام والیمین علی من أنکر"۔(۱)

یعنی قسامت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مدعی علیہ قتل سے انکار کردے، کیونکہ قسم منکر کے ذمہ لازم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "قسم کی ذمہ داری اس کی ہے جو انکار کرے"۔

## (۶) قسامت کا مطالبہ

چونکہ قسم دلانا اولیاءِ مقتول کا حق ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان کی طرف سے قسامت کا مطالبہ ہو، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"ومنها : المطالبة بالقسامة ، لأن الیمین حق المدعی ، وحق الإنسان یوفیٰ عند طلبه"۔(۲)

## (۷) مقام کسی کی ملکیت میں ہو

وہ مقام جہاں سے مقتول کی لاش ملی ہے، اس کا کوئی مالک ہو، یا وہ کسی کے قبضے میں ہو، اگر وہ کسی ملک یا قبضہ میں نہیں ہے، تو پھر قسامت نہیں ہے، مثلاً مقتول کی لاش شارع عام، مارکیٹ، پل، دریا یا کسی جامع مسجد سے برآمد ہوئی ہے، تو ایسی صورت میں بیت المال سے

(۱) بدائع الصنائع: ۶/ ۳۵۷۔ مکتبہ حقانیہ پشاور
(۲) بدائع الصنائع: ۶/ ۳۵۷

دیت ادا کی جائے گی، قسامت کا طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا۔

## قسامت کا طریقہ:

احناف، حسن بصریؒ، امام شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ ابتداء میں قسمیں مدعیٰ علیہم سے لی جائیں گی، اگر وہ قسمیں کھالیں، تو پھر اہل محلہ پر دیت کا ادا کرنا لازم ہوگا، حضرت عمرؓ کا بھی اس قسم کا ایک فیصلہ منقول ہے، صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کی مخالفت نہیں کی۔

## احناف کی دلیل:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"ولنا قوله عليه السلام البينة على المدعي واليمين على من أنكر وفي رواية على المدعى عليه وروى سعيد بن المسيبؒ إن النبي ﷺ بداء باليهود بالقسامة وجعل الدية عليهم لوجود القتيل بين أظهرهم"۔(۱)

ہمارے پاس دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ثبوت مدعی پر ہے اور منکر کے ذمے قسم ہے، ایک روایت میں ہے کہ قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔ سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے پہلے قسمیں لی تھی اور ان کے پاس مقتول کے پائے جانے کی وجہ سے دیت ان پر لازم کی تھی۔

## دوسری دلیل:

صحیح بخاری میں منقول ہے کہ ایک انصاری صحابی سہیل ابن ابی حثمہؓ نے انہیں بتایا کہ ان کے قبیلے کے کچھ افراد خیبر گئے، وہی واقعہ جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، آپ ﷺ نے

(۱) ہدایہ: ۴/ ۴۹۷۔ دار الاحیاء التراث العربی

ان سے فرمایا:

"فاتونی البينة على من قتله، قالوا ما لنا بينة، قال فيحلفون قالوا لا نرضیٰ بأيمان اليهود فكره رسول الله ﷺ أن يطل دمه فأداه مائة من إبل الصدقة "۔(۱)

قاتل کے متعلق ثبوت پیش کرو، انہوں نے کہا ہمارے پاس تو کوئی ثبوت نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہود قسمیں کھائیں گے، انہوں نے کہا ہم یہود کی قسموں سے مطمئن نہیں ہیں، رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ مقتول کا خون رائیگاں جائے، تو آپ ﷺ نے بیت المال کے اونٹوں سے سو اونٹ دیدیے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عام دعووں کی طرح یہاں بھی رسول اللہ ﷺ نے مدعی سے ثبوت طلب کیا اور ثبوت نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہم کو قسمیں دلانے کی بات کی۔

## تیسری دلیل:

رافع ابن خدیجؓ نقل کرتے ہیں کہ خیبر میں ایک شخص قتل ہوگیا، مقتول کے ورثاء رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"لك شهيدان يشهدان على قتل صاحبكم، قالوا يا رسول الله! لم يكن ثمّ أحد من المسلمين، وإنما هم يهود، وقد يجترؤن على أعظم من هذا، قال فاختاروا منهم خمسين، فاستحلفوهم، فأبوا فاداه النبي ﷺ من عنده "۔(۲)

تمہارے پاس ایسے دو گواہ ہیں جو تمہارے ساتھی کے قتل پر گواہی دیں انہوں

(۱) بخاری شریف، کتاب الدیات، باب القسامۃ: (۲/۱۰۱۸) دار الحدیث ملتان

(۲) ابوداؤد، باب ترک القود بالقسامۃ: ۲/۲۷۶۔ رقم: ۴۵۲۴

نے کہا اے اللہ کے رسول! وہاں تو کوئی مسلمان نہیں تھا، وہاں تو صرف یہود تھے، وہ تو اس سے بھی بڑھ کر جرات کر سکتے ہیں، آپ ﷺ نے انہیں قسمیں دلائیں، تو انہوں نے انکار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے پاس سے دیت دی۔

مذکورہ دلائل سے واضح ہوا کہ اولیاء مقتول سے قسم نہیں لی جائے گی، بلکہ جن پر دعویٰ قتل ہے، ان سے قسمیں لی جائیں گی اور اگر قسم کھانے سے انکار کر دیں، تو قاضی ان کو قید رکھے گا، یہاں تک کہ قسمیں کھالیں اور قسم کھانے کے بعد وہ لوگ بری نہیں ہوں گے، بلکہ دیت کا ادا کرنا ان کے ذمے لازم ہوگا۔

اس لئے پوسٹ مارٹم کے بجائے قسامت کے قانون شرعی کو نافذ کیا جائے، اسلام کے قانون کو تبدیل کرنے کے بجائے انگریز کے بنے ہوئے قانون کو تبدیل کیا جائے۔ اسلام کے قانون کے مقابلے میں انگریز کے غیر شرعی قانون پر عمل کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی کہ جس سے تکریم انسانیت پامال کیا جائے۔ ستم بالا ستم یہ کہ پہلے مقتول کو ظلماً قتل کیا گیا، پھر دوبارہ اس کے جسم کی چیر پھاڑ کر کے اسے تکلیف وایذاء دی جاتی ہے، لہٰذا حتی المقدور پوسٹ مارٹم سے اجتناب کیا جائے۔

## ارشاد احمد کے مضمون کے چند اقتباسات

مجلہ الدعوۃ فروری ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں جناب ارشاد احمد صاحب کا تحقیقی مضمون کئی قسطوں میں شائع ہوا، اس کے بعض مندرجات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں، جو فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔

### K.E کالج کا مردہ خانہ اور اناٹومی ایریا:

مضمون نگار لکھتا ہے کہ میں نے اس علاقے میں رہائش پذیر متعدد لوگوں سے ملاقاتیں کیں، جو معلومات سامنے آئیں، وہ نہایت روح فرسا اور لرزہ خیز ہیں۔

یہاں کے لوگ روز اپنی صبح کا آغاز اگر بتیاں سلگا کر کرتے ہیں، تا کہ وہ انسانی گوشت کے جلنے کی بدبو سے بچ سکیں، کراکری کی ایک دکان کے مالک سے جب میں نے معلومات چاہیں، تو اس کا کہنا تھا: آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں؟ یہ دھواں جو اٹھ رہا ہے، جا کر اسے دیکھیں، آپ کو خود ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ اناٹومی ایریا ہے، یا شمشان گھاٹ۔

پریکٹیکل کے بعد بچے کچے گوشت کو یہاں پھینک کر آگ لگا دی جاتی ہے، بعض دفعہ مہینے میں دو تین دفعہ آگ لگائی جاتی ہے، ایک دفعہ لگائی گئی آگ چار پانچ دن تک سلگتی رہتی ہے، یوں انسانی گوشت سے جلنے کی بدبو ناقابل برداشت حد تک پھیل جاتی ہے۔

ایک اور دکاندار نے بتایا: اگر اناٹومی ایریا میں لاشوں کے اعضاء کو جلا دیا جاتا ہے، تو مردہ خانہ میں لاوارث لاشوں کی ہڈیاں فروخت کر دی جاتی ہیں، ہڈیوں کے خریدار میڈیکل کالج کے طلباء وطالبات ہوتے ہیں، یا پھر جادو ٹونہ کرنے والے۔

نذیر علی نامی ایک شخص نے جس کی یہاں اپنی دکانیں ہیں اور ان کے اوپر اس کی رہائش ہے، جہاں سے اناٹومی ایریا کی تمام سرگرمیاں نظر آتی ہیں، کہتے ہیں: اناٹومی یا مردہ خانہ میں ہم نے جو انسانی لاشوں کی بے حرمتی دیکھی، اس کا کم از کم کسی مسلمان ملک میں تصور نہیں کیا جاسکتا، ایک دفعہ اناٹومی ایریا کی دیوار پر انسانی جسم کے لوتھڑے، چربی اور پھیپھڑے نما اعضاء پھینک دئے گئے۔ یہ اعضاء آدھے دیوار پر اور آدھے دیوار سے نیچے اس طرح لٹک رہے تھے کہ جس طرح جھاڑیوں پر بوسیدہ کپڑا لٹکا ہو، جب میں نے اناٹومی کے سربراہ لیڈی ڈاکٹر سے بات کی، تو اس نے معذرت کرنے کے بجائے کہا جو کچھ ہے ہماری اپنی حدود میں، ہم جو چاہیں کریں تم نے جو کرنا ہے کرلو۔

نذیر علی کہتے ہیں کہ مردہ خانہ اور اناٹومی ایریا کے باہر ہم نے کتوں کو انسانی اعضاء منہ میں اٹھائے بھاگتے اور خاکروبوں کو انسانی اعضاء جلاتے ہوئے خود دیکھا ہے، مجھے وہ خوف ناک منظر کبھی نہیں بھولتا، جب میں نے ایک طاقتور کتے کو ایک کمزور سی لاش گھسیٹتے دیکھا، وہ منظر بھی میرے سامنے ہے، جب میں کوؤں کو انسانی لاشیں نوچتے، کتوں کو انسانی اعضاء کھاتے اور خاکروبوں کو انسانی اعضاء جلاتے دیکھا۔

## چشم دید صورت حال:

اس کے بعد میں نے اناٹومی ایریا کو خود دیکھنے کا فیصلہ کیا جب میں وہاں پہنچا تو 12×12 کا کباڑ خانہ گندگی اور غلاظت سے بھرا ہوا تھا، انسانی اعضاء بکھرے ہوئے پڑے تھے، اور آگ سلگ رہی تھی، میں دکھی اور بوجھل دل کے ساتھ وہاں اناٹومی کی سربراہ ڈاکٹر عطیہ سے ملنے کا پروگرام بنایا، جب ان کے آفس پہنچا تو وہ وہاں موجود نہ تھیں، ان کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر توقیر سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ کیا ڈائی سیکشن سے پہلے ان لاشوں کو غسل دے کر جنازہ وغیرہ پڑھاتے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب کا جواب تھا کہ ہمارے ہاں لاشوں کو غسل دینے اور جنازہ پڑھانے کا کوئی اہتمام نہیں، البتہ وہ لاوارث لاشیں جو انسانیت کے بہتر مستقبل کے لئے استعمال ہوتی ہیں، ہم ان کی عظمت کو سلوٹ ضرور کرتے ہیں۔

سلوٹ فوت ہونے والے مسلمان کی نماز جنازہ کا متبادل ہوسکتا ہے؟ میرے اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر توقیر کہنے لگے، آپ کی بات تو درست ہے، مگر K.E کالج میں نماز جنازہ کا رواج نہیں۔

عالم عرب کے مشہور ڈاکٹر سرجن احمد شرف الدین اپنے دور طالب علمی کی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، جب میں قصر عینی قاہرہ کے میڈیکل کالج کا سٹوڈنٹ تھا، تب میں نے خود دیکھا کہ ڈائی سیکشن یعنی چیر پھاڑ کے دوران لاشوں کی بے حرمتی کی جاتی تھی، یہاں تک کہ طلباء سگریٹ پی کر اسے میت کے ساتھ مسل کر بجھایا کرتے۔

## پرانے خاکروب کی زبانی:

یہ صاحب مسیح ہیں اور اب تک ہزاروں پوسٹ مارٹم کر چکے ہیں، یہ بھی مجھے ایک پوسٹ مارٹم ایگزامینشن لیبارٹری میں لے گئے، جہاں ایک برہنہ لاش کی چیر پھاڑ کا عمل جاری تھا، وہاں تین آدمی موجود تھے، ان میں سے ایک کے ہاتھ آری اور ہتھوڑا تھامے کھوپڑی کاٹنے

اور توڑنے میں مصروف تھا......اور اس طرح مصروف تھا جس طرح چھینی اور ہتھوڑی سے ٹائلیں کاٹی یا توڑی جاتی ہیں۔کھوپڑی کاٹنے والا ڈاکٹر گو خاصا طاقتور تھا، مگر آری کند ہونے کی وجہ سے اسے دقت پیش آرہی تھی، سر کے چاروں طرف آری چلانے کے بعد جب اس نے کھوپڑی الگ کرنا چاہا، تو وہ کامیاب نہ ہوسکا، خاکروب مجھے بتانے لگا کہ کھوپڑی کے بعض حصے ابھی تک کٹ نہیں سکے، اس لئے کھوپڑی الگ نہیں ہورہی۔

اسی اثناء میں ڈاکٹر نے ہتھوڑی کے ساتھ بعض جگہوں پر ٹھوکر لگا کر ہاتھ سے جھٹکا دیا، تو وہ اس طرح الگ ہوئی جس طرح گھڑے سے پیالہ اٹھالیا جاتا ہے، اس کے بعد اس نے جھلی کو کاٹ کر دماغ سے نکال لیا پھر ایک تیز دھار آلے سے گردن کے نیچے سے لے کر ناف تک جسم چاک کر کے سینے کی ہڈی کو ہتھوڑی سے توڑ دیا، اب لاش کے اوپر والا حصہ پوری طرح چاک ہو چکا تھا، یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میری حالت غیر ہونے لگی۔خاکروب نے مجھے آواز دے کر کہا کہ جناب آپ نے ہمارے خاکروب کی مہارت دیکھی؟ تو اس نے بتایا کہ آپ لوگ کمال کرتے ہیں، میں نے پہلے آپ کو بتایا تھا کہ پوسٹ مارٹم کا سارا کام ہم خاکروب ہی کرتے ہیں۔

## خواتین کا پوسٹ مارٹم:

میں نے بڑی حیرانی سے پوچھا کہ کیا خواتین کی لاشیں بھی پوسٹ مارٹم کے لئے یہاں ہی لائی جاتی ہیں، تو وہ کہنے لگا کہ جی ہاں، پنجاب بھر سے پوسٹ مارٹم کے لئے خواتین کی لاشیں یہاں لائی جاتی ہیں اور خواتین کی لاشوں کا پوسٹ مارٹم بھی ہم خاکروب ہی کرتے ہیں۔ ( نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ )

## انسانی ہڈیوں کی خرید وفروخت:

اس کے بعد مختلف کمروں سے ہوتا ہوا ایک اور کمرے میں پہنچا، تو وہاں سفید کپڑے کی ایک گٹھڑی پڑی ہوئی تھی، جب میں نے اسے کھول کر دیکھا، تو اس میں چمکتی دمکتی انسانی

ہڈیاں تھی، جب میں نے کھوج لگایا کہ یہ ہڈیاں اتنی صاف کیسے ہوگئی ہیں، تو مجھے پتہ چلا کہ بعض لاشوں سے جب گوشت اتارلیا جاتا ہے، تو اس کے بعد ہڈیوں کو کھولتے پانی میں ڈال دیا جاتا ہے، جس سے ہڈیاں بالکل صاف ہوجاتی ہیں، پھر یہ ہڈیاں میڈیکل اسٹوڈنٹس یا، جادوٹونہ کرنے والوں کے ہاں فروخت کردی جاتی ہیں۔

## یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے:

محترم قارئین! یہ صورتحال کسی غیر مسلم ملک کی نہیں، بلکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دل لاہور شہر کی ہے، جس میں یقیناً ہمارے ہی لوگ آتے ہیں اوران کی لاشوں کا یہ حال ہوتا ہے، یہ صورت حال تو ہے صرف ایک اٹانومی اور مردہ خانہ کی، نہ جانے ملک کے دیگر شہروں میں صورتحال اس سے بھی زیادہ خراب ہو۔ اب میں پوچھتا ہوں اہل پاکستان اور اہل قتدار سے کہ کیا روشن خیال اور روشن پاکستان اسی کا نام ہے؟ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ آپ کی اپنی لاش یا آپ کے کسی قریبی عزیز کی لاش کی اس طرح بے حرمتی ہو؟ اگر آپ اپنے لئے یہ پسند نہیں کرتے، تو پھر دیگر پاکستانیوں کے لئے آپ کیوں کر ایسا کرتے ہیں۔

## ڈاکٹر، عدلیہ اور انتظامیہ:

ڈاکٹر صاحبان! عدلیہ! اور پولیس انتظامیہ! آخر اس طرح کے پوسٹ مارٹم اور ڈائی سیکشن سے کون سے جرائم پر قابو پانا چاہتی ہے؟ کیا یہ فقط غیر مسلم ممالک کی اندھی تقلید نہیں؟ کیا یہ لاش کا مثلہ کرنے کے ضمن میں نہیں آتا؟ رسول اللہ ﷺ نے تو مردہ کی ہڈی توڑنے کو زندہ کی ہڈی توڑنے کے جرم کے برابر قرار دیا۔ جس قدر زندہ شخص کی حرمت واحترام ہے ویسے ہی مردہ کا بھی ہے، تو کیا تقلید اغیار میں ہم اندھے تو نہیں ہوگئے؟ ہم سب لوگ مل کر اس صورتحال کی اصلاح کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ کیا جدید دور کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اپنے دین ہی کے خلاف کرنا شروع کردیں۔(۱)

(۱) اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، ص:۱۳۱۔ دارالاندلس لاہور

# (۵)

# پانچواں باب

## سرجری برائے (حرام جانور کے اعضاء کی) پیوندکاری

**تمہید:**

دین اسلام قیامت تک کے لئے آنے والے انسانوں کے لئے ضابطہ حیات ہے، جس میں زندگی گزارنے کے تمام احکامات موجود ہیں، اسلام زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر اسلام نے روشنی نہ ڈالی ہو، موجودہ دور کو ٹیکنالوجی کا دور کہا جاتا ہے جس میں نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئی اور ہر شعبے میں بے شمار تبدیلیاں واقع ہوئی، لوگوں کے لئے بے شمار سہولیات میسر ہوئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسی چیزیں بھی ایجاد ہوئی جن کا شرعی حکم صراحتہ قرآن وسنت میں نہیں ملتا ان مسائل کے حل کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں فقہاء کرام نے ایسے قواعد وضوابط بیان کئے ہیں جن کی روشنی میں ہر نئے پیدا ہونے والے مسئلے کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے، اس لئے جدید مسائل کے حل کرنے کا وہی طریقہ ہے جو فقہاء کرام نے مقرر کیا ہے یعنی جدید مسائل کے حل کے لئے ہم ان ہی قواعد کی طرف رجوع کریں گے جن کو فقہاء نے مقرر کیا ہے، ان اصول کی روشنی میں جدید آمدہ مسائل کو حل کیا جائے گا ان ہی جدید مسائل میں سے ایک مسئلہ اعضاء کی پیوندکاری کا بھی ہے۔

جدید طب اور میڈیکل سائنس نے اب یہ ممکن بنا دیا ہے کہ اگر کسی انسان کو دوسرے

انسان کا عضو لگا دیا جائے تو مریض تندرست ہو جاتا ہے اور شدید قسم کی تکلیف سے اس کو نجات مل جاتی ہے جیسا کہ اس سائنسی دور میں خراب گردے، پھیپھڑے وغیرہ کو نکال کر دوسرے انسان کے گردے پھیپھڑے وغیرہ لگا دئے جاتے ہیں جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اعضاء کی پیوند کاری کہا جاتا ہے۔

## پیوند کاری کی چند صورتیں:

پیوند کاری کی تین صورتیں بنتی ہیں:

۱)......ایک انسان کا کوئی عضو کسی دوسرے انسان کے لئے استعمال کیا جائے مثلاً کسی ایک انسان کا گردہ، پھیپھڑے، دل، آنکھیں وغیرہ لے کر مریض کے خراب شدہ اعضاء کی جگہ پر اس کو پیوند کیا جائے ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے، ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان کی تذلیل ہے انسان کی اہانت ہے انسانی تکریم کے خلاف ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے، یہ اعضاء اللہ کی طرف سے انسان کے پاس امانت ہیں، دوسرے کو اپنے اعضاء دینا امانت میں خیانت ہے۔

۲)......دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غیر جاندار مثلاً پلاسٹک، لوہے یا سونے چاندی وغیرہ کے مصنوعی اعضاء بنا کر کسی انسان کے جسم میں پیوند کیا جائے مثلاً کسی کی انگلی کٹ جائے یا ہاتھ، ناک وغیرہ کٹ جائے، تو سونے، چاندی یا دوسری اشیاء سے مصنوعی انگلی، ہاتھ، ناک وغیرہ بنا کر ان کی جگہ فٹ کر دیا جائے ایسی پیوند کاری بالاتفاق جائز اور درست ہے، اس کے جواز کی دلیل حضرت عرفجہؓ کا واقعہ ہے جو ابوداؤد شریف میں ہے:

"إن عرفجة ابن سعد قطع أنفه يوم الكلاب فاتخذ أنفا من ورق، فأنتن عليه، فأمره النبي ﷺ فاتخذ أنفا من ذهب"۔(۱)

یعنی حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی ناک جنگ کلاب میں کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی مگر اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو آپ ﷺ نے اس کو

(۱) سنن ابوداؤد:۲/ ۵۸۷

سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا، تو انہوں نے سونے کی ناک بنوالی۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی پلاسٹک وغیرہ کے مصنوعی اعضاء بنا کر لگانا شرعا جائز ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء کرامؒ نے سونے چاندی کے دانت لگانے اور دانتوں کی بندش میں سونے چاندی کے تار استعمال کرنے کی اجازت دی ہے چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

"وقد روی عن غیر واحد من أهل العلم إنهم شدوا أسنانهم بالذهب"۔(۱)

بہت سارے اہل علم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے دانتوں کو سونے سے باندھا۔ جب کہ آج کل بے شمار ممالک میں مصنوعی اعضاء تیار کئے جاتے ہیں جن سے استفادہ کرنا انتہائی آسان ہے۔

۳)......تیسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان کا کوئی عضوء ناکارہ ہو جائے اور اس کی جگہ کسی جانور کے عضوء کی پیوندکاری کی جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی ایسے جانور کے جزء کے استعمال کی ضرورت پیش آئی جن کا گوشت کھایا جاتا ہو یعنی حلال جانور تو شرعی طریقے سے اس کو ذبح کر کے اس کے پاک عضوء کو پیوندکاری کے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔

المحیط البرہانی میں ہے:

"قال محمدؒ: ولا بأس بالتداوی بالعظم إذا كان عظم شاة أو بقرة أو بعير أو فرس أو غيره من الدواب الأعظم الخنزير والآدمي، فإنه يكره التداوي بهما"۔(۲)

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہڈیوں سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ ہڈی بکری، گائے، اونٹ، گھوڑے یا دیگر جانوروں کی ہو سوائے

(۱) جامع الترمذی، باب اللباس: ۱/۴۴۴

(۲) المحیط البرہانی: ۶/۱۱۶

خنزیر اور آدمی کے ہڈیوں کے کہ ان کی ہڈی سے علاج مکروہ ہے۔

## غیر ماکول اللحم جانوروں کے اعضاء کی پیوندکاری:

لیکن وہ جانور جو غیر ماکول اللحم ہیں یعنی جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو آیا ان کے کسی عضوء کو لے کر پیوندکاری جائز ہوگی یا نہیں؟

تو غیر ماکول اللحم جانور یعنی جن کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے ان کے بعض اجزاء ایسے ہیں جو شرعا پاک ہیں، جیسے کہ ہڈی، سینگ، کھر، دانت وغیرہ، تو جو اعضاء شرعا پاک ہیں ان اعضاء سے پیوندکاری کرنا بھی شرعا جائز ہے، درمختار میں ہے:

"وشعر الميتة غير الخنزير على المذهب وعظمها طاهر"۔(۱)

ترجمہ: اور مردار کے بال اور ہڈیاں پاک ہیں سوائے خنزیر کے۔

## غیر ماکول اللحم جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کرنا:

اگر غیر ماکول اللحم جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے تو اس طرح ذبح کرنے سے اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت نجس نہیں رہتا

"قال في الشاميه: وما طهر به أي بدباغ طهر بذكاة على المذهب خرج الخنزير، فإنه لا يطهر بالذكاة، وإن الذكاة لا تعمل في الخنزير والآدمي"۔(۲)

ترجمہ: جس جانور کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہو اس کا گوشت شرعی طریقے سے ذبح کرنے سے بھی پاک ہو جاتا ہے اس سے خنزیر نکل جائے گا اس لئے کہ وہ ذکاۃ شرعی سے بھی پاک نہیں ہوتا اور ذکاۃ شرعی انسان اور خنزیر میں عمل نہیں کرتا۔

(۱) الدرالمختار:۱/۳۹۹

(۲) ردالمحتار:۱/۱۹۶

شرح العینی علی کنز الدقائق میں ہے:

"وشعر الإنسان والميتة وعظمهما طاهران"۔(۱)

ترجمہ: انسان اور مردار کے بال اور ان کی ہڈیاں پاک ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مذبوح جانور کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اگر چہ وہ غیر ماکول اللحم ہو اور یہی حکم اس کی ہڈیوں کا بھی ہے یعنی اس کی ہڈیاں بھی پاک ہو جاتی ہیں، اس لئے غیر ماکول اللحم مذبوح جانور کے گوشت یا اس کے کسی عضوء کا استعمال کرنا جائز ہے یعنی اس کے کسی عضوء کی پیوندکاری کرنا جائز ہوگی جب کہ حرام جانوروں کے ناپاک اجزاء سے پیوندکاری بغیر حالت اضطراری کے جائز نہ ہوگی۔

مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

"فقہاء اسلام نے لکھا ہے نجس العین خنزیر کو چھوڑ کر مابقیہ ماکول اللحم جانور جن کا گوشت کھانا جائز ہے یا جن کا گوشت کھانا شرعا جائز نہیں ان کو باضابطہ "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھ کر ذبح کرے اور ان کے اعضاء لے کر انسان کے عضوء میں جوڑ دے تاکہ انسان اذیت اور تکلیف سے چھٹکارہ پائے یا اس کی زندگی بچ جائے یا انسانی جسم کی صلاحیت میں اس کی وجہ سے اضافہ ہو تو یہ جائز اور درست ہے"۔(۲)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

"تبادلہ اعضاء انسانی کی تین صورتیں ہیں (پہلی صورت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) دوسری صورت یہ ہے کہ حیوانات کے اعضاء سے کام لیا جائے یہ بھی قدیم زمانے سے جاری تھا اور حال ہی میں طبی تحقیقات اور سرجری ترقیات نے اس میں نئے نئے انکشافات کئے ہیں اور اگر ماہرین فن حضرات اس طرف پوری توجہ دیں تو اس معاملے میں بہت سے نئی انکشافات اور زیادہ

---

(۱) شرح العینی علی کنز الدقائق: ۲۱/۱

(۲) انسانی اعضاء کی پیوندکاری اور اس کے شرعی احکام: ص ۲۹۴

سے زیادہ کامیاب معالجات کی بڑی امید کی جاسکتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں دینی، دنیوی، شخصی، اجتماعی ہر حیثیت سے بے خطر بے ضرر ہیں"۔(۱)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جس طرح پاک مصنوعی اعضاء کا استعمال شرعا جائز ہے اسی طرح مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے اس میں شرعا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

## مصنوعی اعضاء لگانے کا جواز اور اس کے شرائط

مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

(الف) مصنوعی اعضاء پاک اشیاء سے بنے ہوئے ہو، نجس ناپاک اشیاء سے بنے ہوئے نہ ہو اور نجاست کی ملاوٹ بھی اس میں نہ ہو۔

(ب) مثلاً خنزیر کی ہر چیز ناپاک اور حرام ہے مصنوعی اعضاء میں خنزیر کے اجزاء مخلوط نہ ہو۔

(ج) اسی طرح حرام جانوروں کے ناپاک اعضاء اس میں شامل نہ ہوں جیسا کہ گوشت و پوست، خون، چربی، اور چکنائی والی ہڈی وغیرہ ہیں۔ (یہ سب ناپاک اعضاء ہیں)

(د) حلال جانوروں میں سے مردہ جانوروں کے ناپاک اجزاء یا اس سے بنے ہوئے اعضاء نہ ہو مثلاً حلال جانوروں کا گوشت پوست، خون، چربی، اور چربی والی ہڈی وغیرہ۔

(ہ) خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کے بال، ناخن، کھر، دانت، صاف اور خشک ہڈیاں، سینگ وغیرہ لگانا تو ہر حال میں جائز ہے، ضرورت کے تحت ہو یا بلا ضرورت محض زینت کے لئے بھی۔

(و) البتہ ناپاک اور حرام جانوروں کے ناپاک اعضاء اسی طرح حلال

(۱) انسانی اعضاء کی پیوندکاری: ص ۳۵

جانوروں کے ناپاک اعضاء کا استعمال مصنوعی اعضاء میں بصورت اضطرار اور شدید مجبوری جائز ہے، عام حالات میں ناجائز اور حرام ہے۔(۱)

اہم فقہی فیصلوں میں مذکور ہے:

''جان کی ہلاکت یا عضو ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے ہی جانوروں میں مل سکتا ہو جن کا کھانا حرام ہے یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کئے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال جائز ہے''۔(۲)

اگر کوئی مریض ایسا ہے کہ جس کا عضو حلال جانوروں میں میسر نہ ہو اور وہ عضو صرف حرام غیر مذبوح جانوروں میں موجود ہو تو اضطراری حالت میں حرام جانوروں کے اعضاء کا استعمال کرنا جائز ہے یعنی اس کے عضو کی پیوند کاری بھی جائز ہوگی۔

مفتی نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ لکھتے ہیں:

''اعضاء انسان کے کسی نقص کو دور کرنے کے لئے حیوانات کے اعضاء اور ان کے ہڈیوں کا استعمال اضطراری حالت میں حلال وحرام کے فرق کے بغیر کسی بھی جانور کے اعضاء سے کام لیا جا سکتا ہے، خواہ عضو نکالنے کے بعد وہ جانور زندہ رہے یا نہ رہے اور خواہ اسے خریدنا پڑے البتہ اگر زندگی کو خطرہ نہیں ہے تو بھی حلال جانور اور پاک اشیاء کا بھی استعمال درست ہوگا حرام کا استعمال صرف اضطراری حالت ہی میں درست ہوگا''۔(۳)

## اضطراری حالت کسے کہتے ہیں؟

الاشباہ کی شرح شرح الحموی میں ہے:

---

(۱) انسانی اعضاء کی پیوند کاری اور اس کے شرعی احکام: ص ۴۴

(۲) اہم فقہی فیصلے: ص ۱۲

(۳) اعضاء کی پیوند کاری: ص ۲۳۰

"بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلك أو قارب وهذا يبيح تناول الحرام"۔(۱)

اضطراری حالت یہ ہے کہ مریض ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ اگر حرام چیز کو استعمال نہ کیا تو مریض ہلاک ہو جائے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے گا تو ایسی حالت میں حرام چیز کو استعمال کر سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرام جانوروں کے ناپاک اعضاء کی پیوندکاری صرف اضطراری حالت میں جائز ہے، عام حالات میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"الضرورات تبيح المحظورات ، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر"۔(۲)

ترجمہ: ضروریات حرام چیزوں کو مباح کر دیتی ہے اسی وجہ سے فاقہ کے وقت مردار کھانا اور گلے میں لٹکے ہوئے لقمے کو شراب کے ذریعہ حلق سے نیچے اتارنا جائز ہے۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

"ولكن أكثر مشايخ الحنفيه أفتوا بجواز التداوى بالحرام إذا أخبر طبيب حاذق بأن المريض ليس له دواء آخر"۔(۳)

ترجمہ: اور اکثر مشائخ احناف نے حرام چیز سے علاج کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جب ماہر تجربہ کار طبیب (ڈاکٹر) یہ کہہ دے کہ اس مرض کا علاج اس کے سواء اور کوئی نہیں ہے۔

شرح العینی میں ہے:

---

(۱) شرح الحموی علی الاشباہ: ۱/۲۵۲۔ ط بیروت

(۲) الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی: ۱/۲۵۱

(۳) تکملہ فتح الملہم: ۲/۳۰۲

"وفی النهایه یجوز التداوی بالمحرم کالخمر والبول إذا أخبره طبیب مسلم إن فیه شفاء، ولم یجد غیره من المباح ما یقوم مقامه"۔(۱)

ترجمہ: اور نہایہ میں ہے کہ حرام چیز سے دواء (علاج) کرنا جائز ہے جیسے شراب اور پیشاب وغیرہ، جب اس کو مسلمان ڈاکٹر کہہ دے کہ اس میں اس مرض کی شفاء ہے اور اسکے علاوہ کوئی مباح چیز نہ ہو جو اس کے قائم مقام ہو۔

ان تمام عبارات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حرام اور ناپاک اشیاء کا بطور علاج کے استعمال کرنا عام حالات میں جائز نہیں ہے لیکن جب مجبوری کی حالت ہو اور اس مرض کا علاج مباح اشیاء میں موجود نہ ہو تو حرام اشیاء کو بطور علاج استعمال کر سکتا ہے، ورنہ نہیں کر سکتا۔

## زندہ جانور سے کاٹے ہوئے حصے سے علاج کرنا:

اگر کسی زندہ جانور کے بدن سے کوئی حصہ کاٹ کر الگ کیا جائے اور اس سے پیوندکاری کی جائے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ زندہ جانور سے جدا کیا ہوا حصہ مردار ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں حدیث ہے:

"ما یقطع من البهیمة وهی حیة فهو میتة"۔(۲)

ترجمہ: جانور سے جو حصہ الگ کیا جائے اور جانور زندہ ہو تو وہ حصہ مردار کے حکم میں ہے۔

اس لئے جو حصہ زندہ جانور سے کاٹ کر الگ کیا جائے تو اس کی پیوندکاری جائز نہیں ہے، وہ حصہ مردار ہوگا اور مردار کے استعمال کی اجازت صرف اضطراری حالت میں ہے عام حالات میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

(۱) شرح العینی علی کنز الدقائق: ۲/۳۸۷

(۲) ترمذی: ۱/۲۷۳

## خنزیر کے اعضاء کی پیوندکاری کا حکم:

تمام غیر ماکول اللحم جانور زکوۃ شرعی سے پاک ہو جاتے ہیں لیکن صرف خنزیر ایسا جانور ہے جو زکاۃ شرعی سے بھی پاک نہیں ہوتا اس لئے کہ خنزیر نجس العین ہے، اور نجس العین ہونے کی وجہ سے خنزیر کے اعضاء کی پیوندکاری کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

"لایطهر الخنزیر لأنه نجس العین بمعنیٰ إن ذاته بجمیع أجزاء حیا ومیتا"۔(۱)

البتہ جب اضطراری حالت ہو اور حلال جانوروں کے اعضاء میسر نہ ہو اور نہ ہی پلاسٹک کا کوئی عضوء موجود ہو یعنی اس عضوء کا متبادل موجود نہ ہو اور حالت بھی ایسی ہو کہ اگر خنزیر کا وہ عضوء استعمال نہ کیا جائے تو مریض ہلاک ہو جائے گا یا قریب المرگ ہو جائے گا تو ایسی حالت میں اشد مجبوری کی وجہ سے خنزیر کے اعضاء کی پیوندکاری جائز ہوگی۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

''اگر ماہر طبیب، دیندار مسلم طبیب تجویز کرے کہ بغیر سور (خنزیر) کے گوشت کے شفاء ممکن نہیں اور کوئی حلال دواء اس مرض کے لئے کافی نہیں تو پھر بوجہ مجبوری اس کی اجازت ہوگی''۔(۲)

خنزیر کے عضوء کی پیوندکاری کے بارے میں مفتی نظام الدین اعظمیؒ کی تحقیق انیق:

''سوال: خنزیر کے کسی عضوء کی پیوندکاری کو بحالت اضطراری انسان کے جسم میں پیوندکاری کر کے لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ تو منصوص علیہ ہے کہ بوقت اضطراری خنزیر کا گوشت حلال الاکل ہے مگر آج کل ڈاکٹر لوگ اعضاء خنزیر کو بدن انسانی میں استعمال کرتے ہیں، مثلاً دل، گردہ جگر وغیرہ۔ تو اگر یقین ہے

(۱) ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، مطلب فی احکام الدباغۃ: (۳۹۵/۱)
(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۱/۱۸

کہ فلاں عضوء کی پیوند کاری سے جان بچ جائے گی ورنہ تو موت ہے ایسے موقع پر اعضاء خنزیر استعمال میں لائے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: انسانی اعضاء کو باعتبار خنزیر کے بندر وغیرہ جانوروں کے اعضاء سے زیادہ مشابہت ومناسبت مسلم ہے، جس کے ذریعے سے بعد ذبح شرعی یہ علاج بدرجہ اولی ہوسکتا ہے نیز جمادات اور حیوانات کے اجزاء سے یہ پیوند کاری بخوبی ہوسکتی ہے جو بلاشبہ جائز اور درست ہے بلکہ اب پلاسٹک اور سلیکون سے ہر قسم کے اعضاء اندرون وبیرون ایسے ایجاد ہوگئے ہیں جو ہر مزاج کے مواقع اور دیرپا اور زیادہ مفید سہل الحصول بھی ہوتے ہیں اور شرعا بھی جائز رہتے ہیں، پھر وہ اضطرار کہاں رہا؟ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خنزیر کے اجزاء واعضاء کا بے محابا استعمال کرنا دہریت ولا مذہبیت کے مزاج سے خوگر بنانے اور دہریت ولا مذہبیت کی اشاعت کی غرض سے بھی ہوتے ہیں۔ فافہم

اور بتقدیر تسلیم اضطراری بھی خنزیر کے کسی عضوء کی پیوند کاری کو ظاہری اعضاء وجوارح میں جیسے ہاتھ، پیر، جلد وغیرہ اکل میتہ یا اکل لحم خنزیر کھانے کے جواز پر قیاس کرنا جواز کی گنجائش نہ ہوگی یہ قیاس قیاس مع الفارق ہوگا، اس لئے کہ اکل کی صورت میں وہ ماکول ہضم ہوکر ختم ومعدوم ہوجاتا ہے، یا متبادل بہ دم ولحم وشحم ہوجاتا ہے قائم وباقی نہیں رہتا، جب کہ عضوء خنزیر ہونے کی صورت میں عضوء مردار ہونے کے ساتھ ساتھ نجس العین کا بقاء تلبس بھی لازم آئے گا جس کی وجہ سے انسان کا جسم ہمیشہ گندہ پلید رہے گا کسی وقت بھی طہارت پذیر نہیں ہوسکے گا اور نماز جیسی اہم اور مطلوب عبادت جو بین العباد المعبود رابطہ مطلوبہ کے قیام وبقاء کا اہم ذریعہ ہے، فوت ہوجائے گا اور اس سے محرومی لازم آئے گی پس ایسی حالت میں ایک مومن کا جذبہ ایمانی کبھی اس کو گوارہ نہ کرے گا۔

بخلاف اکل کی صورت کے کھالینے کے باوجود گندہ وپلید نہ ہوگا، اگر ہاتھ منہ گندہ بھی ہوگا تو دھوکر پاک وصاف کرلے گا اور کسی خاص اہمیت وضرورت کے پیش نظر اس خاص اجزاء کی گنجائش بھی نکل آئے گی تو یہ حکم کلی وعمومی نہ ہوگا، اور عموم جواز کا مثمر نہ ہوگا۔

ہاں دواؤں یا کیپسولوں میں مخلوط ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا قیود کے ساتھ اضطراری حالت میں حکم مثل اکل میتہ کے حکم کا ہوگا اور وقتی طور پر بقدر ضرورت ومجبوری استعمال کی گنجائش ہوسکے گی۔ اسی طرح اگر جسم کے اندرونی اعضاء دل، گردہ، جگر، آنت وغیرہ کی پیوندکاری نہ کی جائے حتی المقدور غیر خنزیر لے کر اس کو ذبح شرعی کے بعد اس کے اعضاء کی پیوندکاری کی جائے ورنہ ایسا مکروہ ہوگا اور خنزیر کے دل گردہ کی پیوندکاری میں فقہ کے اعتبار سے کراہت شدیدہ بحکم حرام ہوگا"۔(۱)

## خلاصہ بحث:

(۱)......خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کے پاک اعضاء مثلاً ناخن، کھر، بال، دانت صاف اور خشک ہڈیوں کی پیوندکاری ہر حال میں جائز ہے۔

(۲)......حلال جانوروں اور غیر ماکول اللحم مذبوح جانوروں کے عضوء کی پیوندکاری جائز ہوگی۔

(۳)......حلال جانوروں کے ناپاک اعضاء یا غیر ماکول اللحم غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کی پیوندکاری شدید مجبوری کی بناء پر حالت اضطراری میں جائز ہوگی

(۴)......خنزیر کے اعضاء ذبح کرنے کے بعد بھی نجس ہوتے ہیں اس لئے خنزیر کے اعضاء کی پیوندکاری جائز نہ ہوگی نجس العین ہونے کی وجہ سے، لیکن اگر مریض ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ اس کے بغیر ہلاک ہونے کا خوف ہو اور

(۱) نظام الفتاوی: ۱/ ۲۴۹

اس عضوء کا بدل نہ ماکول اللحم جانوروں میں ہو اور نہ غیر ماکول اللحم جانوروں میں ہو اور نہ ہی پلاسٹک کے اعضاء میں اس کا بدل ہو تو پھر ایسی مجبوری کی حالت میں خنزیر کے اجزاء کی پیوندکاری جائز ہوگی۔

(۶)

# چھٹا باب

# سرجری آپریشن برائے تعلیم (یعنی تشریح الاعضاء)

## تشریح الاعضاء کی تعریف:

وہ سرجری جو فن طب (ڈاکٹری) میں نظری اور عملی اعتبار سے مہارت حاصل کرنے کے لئے مردہ لاشوں پر بطور پریکٹیکل کی جاتی ہے۔

## تشریح الاعضاء کا حکم:

انسانی اعضاء پر طبی مشق کرنا خواہ زندگی کی حالت میں ہو، یا مرنے کے بعد، دونوں طرح انسان کی بے حرمتی کی وجہ سے ناجائز ہے، انسانی لاش کی چیر پھاڑ کرنا انسانی اہانت ہے، کسی زندہ انسان کے علاج کے لئے مردہ انسان کی قطع وبرید جائز نہیں، نصوص شرعیہ اور فقہی روایات اس پر دال ہیں۔

## دلیل نمبر (۱)

چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

"عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت أن رسول الله ﷺ قال کسر عظم المیت ککسره حیاً"۔(۱)

(۱) رواہ مالک، ص:۲۲۰۔ابوداؤد:۲/۱۰۲۔ابن ماجہ، ص:۱۱۷

فیض القدیر میں یہ روایت کچھ زیادتی کے ساتھ ان الفاظ میں مروی ہے:

"قال علیه السلام: كسر عظم الميت ككسره عظم الحی فی الأثم كذا عن أم سلمة"۔(۱)

ترجمہ: مردہ انسان کی ہڈی توڑنے میں ایسا گناہ ہے، جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنے میں ہے۔

عقلی طور پر اس کی چار صورتیں نکلتی ہیں:

(۱) کسی زندہ آدمی کی ہڈی دوسرا انسان توڑ دے۔

(۲) ایک آدمی کسی دوسرے مردہ انسان کی ہڈی توڑ دے۔

(۳) آدمی خود اپنی زندگی میں اپنی کسی ہڈی کو توڑ دے۔

(۴) یا مرنے کے بعد کسی کو توڑنے کی اجازت دے۔

پہلی دو صورتیں تو حدیث کی صریح نص سے ثابت ہیں کہ جس طرح کسی زندہ انسان کی ہڈی توڑنا معصیت اور گناہ ہے، اسی طرح مردہ انسان کی ہڈی توڑنا بھی معصیت اور گناہ ہے۔ آخری دونوں کا معصیت ہونا حدیث مذکورہ کی دلالت النص سے ثابت ہے۔

حدیث کی مکمل شرح پوسٹ مارٹم کے ذیل میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کی جائے۔

## دلیل نمبر (۲):

مصنف ابن ابی شیبہ میں عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کسی مردہ انسان کو مرنے کے بعد ایذاء پہنچانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ زندگی میں ایذاء پہنچانا۔ (امام مالکؒ، ابوداؤد اور ابن حبان نے اس کو روایت کیا ہے)

حدیث سے واضح ہوا کہ انسانی اعضاء کی قطع و برید اور اس میں چیر پھاڑ جس طرح اس کی زندگی میں جائز نہیں، اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی ناجائز اور حرام ہے، خواہ اس کی رضا سے ہو یا بلا رضا کے، کیونکہ انسانی جسم کا قتل اور اعضاء میں قطع و برید کرنے کا اختیار

(۱) فیض القدیر: ۱/۵۵۰

کسی انسان کو حاصل نہیں، جیسا کہ خودکشی کرنے کے متعلق سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ تمام افعال تکریم انسانی کے منافی ہے اور چونکہ مردہ انسان کو اس سے تکلیف ہوتی ہے، تو اس قطع وبرید میں اعضاء کو الگ کرنے میں اس کو ایک قسم کی تعذیب دینا ہے، اس لئے انسانی لاشوں پر طبی تجربہ کرنے میں لاش کی تکریم وتحریم کو پامال کیا جاتا ہے۔

## تیسری دلیل:

میت پر طبی تجربات کرنے سے ایک بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ میت اپنے کئی حقوق سے محروم رہتی ہے، مثلاً ایسے میت اپنے کفن، دفن، غسل اور نماز جنازہ سے محروم رہتے ہیں، حالانکہ میت کو غسل دینا، کفن دفن کرنا، اس کا جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے، اس لئے میت کی لاش پر طبی تجربہ کرنے کی صورت میں ان تمام چیزوں کا چھوڑنا لازم آتا ہے، ایسے لاش کو نہ تو سنت کے مطابق دفن کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا جنازہ پڑھایا جاتا ہے۔

سنن ابی داؤد میں حصین بن دحوحؓ سے روایت ہے کہ طلحہ بن براءؓ بیمار ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے، ان کی حالت نازک دیکھ کر آپ ﷺ نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت قریب آ ہی گیا ہے، اگر ایسا ہو جائے تو مجھے خبر کی جائے اور ان کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے کیونکہ کسی مسلمان کی میت کے لئے مناسب نہیں کہ وہ دیر تک اپنے گھر والوں کے بیچ میں رہے۔(۱)

اسی طرح شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے، تو اس کو دیر تک اپنے گھر میں مت رکھو، اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو۔(۲)

علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ صرف مجمع زیادہ ہونے کے لئے جنازہ میں تاخیر کرنا یہ

---

(۱) سنن ابی داؤد: ۲/ ۹۷۔ باب تعجیل الجنازۃ۔ مکتبہ رحمانیہ

(۲) بیہقی۔ شعب الایمان، بحوالہ معارف الحدیث

بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"وكره تاخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة"۔(۱)

اسی طرح نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد دفن میں تاخیر کرنا بھی مکروہ ہے، چنانچہ امام نووی ؒ شرح المہذب میں تحریر فرماتے ہیں:

"إذا صلي عليه فالسنة أن يبادر بدفنه"۔(۲)

اس لئے میت پر طبی تجربہ کرنے میں تیسری بڑی خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ میت کو اس کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے، بلکہ ایسی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے لاش کو جلا دیا جاتا ہے، یا اس کی ہڈیوں کو پانی سے صاف کر کے جادوگروں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، یا ویسے ہی پھینک دیا جاتا ہے۔

## چوتھی دلیل:

ایک بڑی خرابی انسانی لاشوں پر میڈیکل پریکٹس کرنے میں یہ بھی پائی جاتی ہے کہ میڈیکل پریکٹس کرنے والے مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی ہوتی ہیں، اسی طرح لاش مرد کی بھی ہوتی ہے اور عورت کی بھی ہوتی ہے۔ شرعی مسئلہ جو احادیث سے صراحۃً ثابت ہے اور جسے فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ مرد کا ستر ہے، جس کا چھپانا ہر حال میں لازمی ہے، اور عورت کا ستر اس کا پورا بدن ہے، سوائے ہاتھ اور چہرے کے۔

بغیر ضرورت مثلاً علاج وغیرہ کے کسی بھی مرد یا عورت کے ستر کی طرف دیکھنا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح کسی کے ستر کو چھونا بھی حرام ہے، جبکہ طبی لاش پر تجربہ کرنے کی صورت میں غیر کے ستر کی طرف دیکھنا اور چھونا لازم آتا ہے۔

(۱) درمختار، کتاب الجنائز، مطلب فی حمل المیت: ۲/۲۳۲۔ ایچ ایم سعید کمپنی

(۲) المجموع شرح المہذب: ۵/۲۴۴۔ دار الفکر بیروت

جس طرح زندہ آدمی کی ستر پر نگاہ ڈالنا ناجائز ہے، اسی طرح مردہ کے ستر پر نگاہ ڈالنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن ابی داؤد میں مروی ہے:

"عن علیؓ إن النبی ﷺ قال لاتبرز فخذك ولا تنظر فخذ حي ولا ميت"۔(١)

ترجمہ: اے علی! اپنی ران کسی کے سامنے ظاہر مت کر اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف نظر کرو۔

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لمعات میں فرماتے ہیں:

"دل علی أن الميت والحي سواء في حكم العورة"۔(٢)

علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

"فدل هذاالحديث علی أن الميت في حكم سترالعورة كالحي"۔(٣)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ میت سترِ عورت کے حکم میں زندہ کی طرح ہے، یعنی جس طرح زندہ آدمی کا ستر دیکھنا گناہ ہے، اسی طرح مردہ کا ستر دیکھنا بھی گناہ ہے۔

(۲) ترمذی شریف میں عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے:

"إن النبي ﷺ قال الفخذ عورة"۔(٤)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ران ستر ہے، یعنی اس کا چھپانا ضروری ہے۔

اگر مرد سٹوڈنٹ مرد کی لاش پر تجربہ کرے، تو اس کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ کھولنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر لاش عورت کی ہو، تو پھر مرد کے لئے اس کا سارا بدن ستر ہے، اس لئے عورت کی لاش پر طبی مشق کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

---

(۱) سنن ابی داود: ۲/۹۵۔ کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسلہ۔ مکتبہ رحمانیہ

(۲) سنن ابی داود: ۲/۹۵۔ کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسلہ۔ مکتبہ رحمانیہ

(۳) بذل المجهود: ۵/۱۹۱۔ مکتبہ قاسمیہ

(۴) ترمذی: ۲/۵٦٨

بہرحال! ایک بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ مردہ کی لاش پر طبی مشق کرنے سے ایک حرام فعل "النظر الی ستر الغیر" کا ارتکاب لازم آتا ہے، جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

## اشکال اور اس کا جواب:

اس پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر حضرات کو تو فقہاء کرامؒ نے اجازت دی ہے کہ وہ بوقت ضرورت مریض کے ستر پر نظر ڈال سکتا ہے، تو یہاں کیوں نظر نہیں ڈال سکتا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے، مریض کے ستر پر نظر ڈالنا جو جائز ہے وہ اس لئے کہ اس وقت اس کی جان بچانا مقصود ہوتا ہے، جبکہ یہاں پر ایسی کوئی صورت نہیں ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں ضرورت فی الحال موجود ہے، جبکہ طبی مشق کی صورت میں فی الحال ضرورت یا اضطراری حالت نہیں ہے، اس لئے یہ اشکال غلط اور بے بنیاد ہے۔

## پانچویں دلیل:

جو علماء یا جو حضرات لاش پر طبی مشق کرنے کو جائز کہتے ہیں، کیا وہ اس بات کو اپنے لئے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے پسند کرتے ہیں کہ ان کی لاش کو تختہ مشق بنایا جاتا رہے اور بغیر کفن اور دفن کے ان کے رشتہ دار بھائی، بہن، والد، بیٹا، چچا، ماموں وغیرہ کی لاشوں کو ڈاکٹری پڑھنے والوں کے حوالہ کردیں گے؟ کوئی بھی آدمی یہ بات اپنے لئے یا اپنے رشتہ داروں کے لئے پسند نہیں کرتا، تو پھر غیر لاوارث لاشوں کے ساتھ یہ ظلم کیسے روا رکھا جاتا ہے کیا وہ لاوارث انسان نہیں ہے۔

مردہ کی لاش پر میڈیکل پریکٹس کرنے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض اسکے عدم جواز کے قائل ہیں۔

ہیئۃ کبار العلماء بمملکۃ العربیۃ السعودیہ، مجمع الفقہ الاسلامی بمکۃ المکرمہ، لجنۃ الافتاء بالأزہر بمصر وغیرہ کے علماء نے علم طب سیکھنے کی غرض سے مردہ لاشوں کی چیر پھاڑ کی اجازت

دی ہے، ان کے نزدیک مذکورہ صورت جائز ہے، البتہ علماء دیوبند کا رجحان اس بارے میں اس طرف ہے کہ انسان کی لاش کی چیر پھاڑ کرنا طبی مشق کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔

جن علماء نے طبی مشق کے لئے مردہ کی چیر پھاڑ کو نا جائز قرار دیا ہے، ان میں سے شیخ محمد بخیت المطیعی، الشیخ العربی اب عبادا لطنجی، الشیخ حسن بن علی السقاف، شیخ محمد بن عبدالواہب بحیری، الشیخ محمد برہان الدین سنبھلیؒ، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ شامل ہیں۔

## عدم جواز کے بارے میں اکابر علماء کے فتاویٰ جات

### حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دھلویؒ کا فتویٰ

کفایت المفتی جدید میں ہے:

سوال: (۱) موت واقع ہوجانے کے بعد میت کے احترام کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۲) مسلمان عورت کی میت کے احترام اور پردے کے احکام کیا ہیں۔

(۳) لاش کا طبی معائنہ (جس میں لاش کی چیر پھاڑ کر اندرونی حصہ دیکھتے ہیں) کس حکم شریعت کے ماتحت آتا ہے؟ کیا نامحرم مرد کے ہاتھوں میں عورت کی برہنہ میت کا جانا، بطریق مذکور اس کا معائنہ جائز ہے؟

جواب: (۱) مسلمان میت کی نعش کا احترام مثل زندہ کے احترام کے بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ لازم ہے (مثلاً جنازہ سے آگے چلنا، اور قبرستان میں چارپائی کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا وغیرہ میت کے احترام کی وجہ سے منع ہے۔

(۲) مسلمان میت اگر عورت ہو تو اس کے پردے اور ستر کے احکام زندگی کے احکام سے بھی زیادہ سخت ہوجاتے ہیں یعنی اس کا شوہر بھی اس کے ننگے جسم کو

ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

"فی الدر المختار شرح تنویر الابصار ،باب الجنائز : ویمنع زوجها من غسلها ومسها "۔(۱)

(۳) طبی معائنہ کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو ناجائز ہیں، اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہو، تاہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر واحترام میت کا التزام ضروری ہوگا، اس میں شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک ایسی کوئی قوی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جا سکے چیر پھاڑ جائز ومباح نہیں ہوسکتی۔

" وفی فتح القدیر : فی التجنیس من علامة النوازل امرأة حامل ماتت واضطرب فی بطنها شیء وکان رأیهم أنه ولس حی شق بطنها "(۲)

(۴) عورت کی برہنہ میت مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جاسکتی۔

قال الله تعالیٰ : ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (۳)(۴)

## مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ

"انسان (بِجَمِيْعِ اَجْزَائِهٖ) محترم ہے، خواہ کافر ہو یا مسلمان، زندہ ہو یا مردہ لاش کو جلانا، لاش کو بیچنا یا خریدنا، مردہ کا ڈھانچہ بغرض تشریح مطب میں رکھنا،

---

(۱) الدر المختار، کتاب الجنائز: (۲/۱۹۸)

(۲) فتح القدیر: (۲/۴۴)

(۳) سورہ احزاب، آیت: ۵۹

(۴) کفایت المفتی جدید: ۴/۲۰۰۔ دارالاشاعت کراچی

بچہ کو تاوقتیکہ مر نہ جائے پیٹ سے کاٹ کر نکالنا، عورت کا دودھ سوائے بچہ کے ایام رضاع میں پینا، یا خارجاً استعمال کرنا، مثلاً آنکھ یا کان میں ڈالنا سب ناجائز ہیں"۔(۱)

## مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا فتویٰ:

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: طبی اغراض کے لئے مردہ کی لاش کا چیرنا پھاڑنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب: شریعت نے مردہ انسانوں کا احترام اسی طرح ضروری قرار دیا ہے جس طرح زندہ کا، پس محض طبی تجربات کے لئے مردوں کا چیرنا پھاڑنا جائز نہیں، امام مالکؒ مؤطا میں بروایت حضرت عائشہؓ تحریر فرماتے ہیں:

"کسر عظم المسلم میتا ککسرہ وھو حی۔ قال مالک : تعنی فی الإثم ۔ قال الباجی :یرید أن له من الحرمة فی حال موته مثل ماله، منها حال حیاته وإن کسر عظامه فی حال موته یحرم کما یحرم کسرها حال حیاته ، وإنهما لایتساویان فی القصاص وغیره ، وإنما تساویان فی الإثم ۔

وقال الزرقانی :فی الاتفاق علی حرمة فعل ذلك به فی الحیوة والموت ، لا فی القصاص والدیة ، فمرفوعان عن کاسر عظم المیت إجماعا ، وحاصله إن عظم المیت له حرمة مثل حرمة عظم الحی ، لکن لا حیاة فیه ، فکان کاسره فی انتهاك الحرمة ککاسره عظم الحی ، یعدم القصاص والارش لانعدام المعنی یوجبه من الحیوة ، قال الطیبیؒ: إشارة إلی أنه لایهان میتا کما لا یهان حیا"۔(۲)

(۱) بہشتی زیور حصہ ۹، طبی جوہر، حیوان کا بیان، ص: ۶۵۸۔ دارالاشاعت کراچی

(۲) اوجز المسالک: ۴/ ۵۰۷

وفی رد المحتار: "الآدمی مکرم شرعا وإن کان کافرا، والمراد تکریم صورته وخلقته، وکذا لم یجز کسر عظام المیت الکافر انتهی"۔(۱)

البتہ اگر کسی عورت کے پیٹ میں بچہ ہو اور عورت مرجائے تو پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے، اگر عورت تو زندہ ہے، لیکن بچہ پیٹ میں مرجائے، تو بچے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکال لیا جائیگا، بلا قصد اگر کوئی شخص کسی کا موتی نگل لے اور پھر مرجائے، تب بھی پیٹ چاک کر کے موتی نکالنا درست نہیں، کیونکہ حرمت مال سے حرمت نفس اعظم ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ اگر مردہ انسان سے زیادہ قابل لحاظ شے بغیر لاش چیرے فوت ہوتی ہو، تب تو لاش کا چیرنا درست ہے، ورنہ نہیں۔

بدائع میں ہے:

"رجل ابتلع درة رجل، فمات المبتلع، فإن ترك مالا، كانت قيمة الدرة في تركته، وإن لم يترك مالا لا يشق بطنه، لأن الشق حرام، وحرمة النفس أعظم من حرمة المال، وعليه قيمة الدرة، لأنه استهلكها وهي ليست من ذوات الأمثال، فكانت مضمونة بالقيمة، فإن ظهر له مال في الدنيا قضي منه، وإلا فهو مأخوذ به في الآخرة، حامل ماتت فاضطرب في بطنها ولد، فإن كان في أكبر الرأي أنه حي يشق بطنها، لأنا ابتلينا ببليتين، فنختار أهونهما، وشق بطن الأم الميتة أهون من هلاك الولد الحي"۔(۲)

فتاوی شامی میں ہے:

"حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها من الأيسر، ويخرج

(۱) ردالمحتار:۴/۲۳

(۲) بدائع الصنائع:۵/۱۲۹

ولدها، ولو بالعكس وخيف على الأم قطع، وأخرج ولو ميتاً، وإلا لا، كما في كراهية الاختيار (قوله بالعكس) بأن مات الولد في بطنها وهي حية (قوله قطع) بأن تدخل القابلة في الفرج وتقطعه بآلة في يدها بعد تحقق موته (قوله وإلا لا) أي لو كان حيا لا يجوز تقطيعه، لأن موت الأم به موهوم، فلا يجوز قتل آدمي حي لأمر موهوم "۔(۱)

ترجمہ: حتی کہ اگر حاملہ عورت ایام پورے ہونے کے بعد مری اور بچہ اس کے پیٹ میں متحرک تھا، اس کو دفن کر دیا گیا، پھر کسی نے خواب میں دیکھا کہ عورت کا بچہ پیدا ہو گیا ہے، تو اس خواب میں قبر کو کھودنا جائز نہیں، کیونکہ اگر یہ خواب صحیح ہے، تب تو بچہ کے زندہ رہنے کی توقع نہیں، بلکہ ظن غالب ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی مر گیا ہوگا، اور قبر کھودنے میں لاش کی توہین ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

" حامل ماتت وقد أتى على حملها تسعة أشهر، وكان الولد يتحرك في بطنها، فدفنت ولم يشق بطنها، ثم رؤيت في المنام أنها تقول: ولدت، لاينبش القبر لأن الظاهر أنها لو ولدت كان المولود ميتا"۔(۲)(۳)

## مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا دوسرا فتویٰ:

سوال [۸۸۴۷] تحقیق طلب امر یہ ہے کہ طبیہ کالجوں میں آج کل فن تشریح پڑھانے کے لئے مردہ کا ڈھانچہ سامنے رکھا جاتا ہے اور اس کی چیر پھاڑ کر کے طلباء کو سمجھایا جاتا ہے اور یہ چیز آج کل طبی تعلیم کے لئے ضروری ہے۔ اب

(۱) فتاویٰ الشامی: ۱/ ۹۳۸
(۲) فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۲۲۹
(۳) فتاویٰ محمودیہ، جدید: ۱۸/ ۳۴۰۔ دارالافتاء والارشاد جامعہ فاروقیہ کراچی

سوال یہ ہے کہ شرعا مردہ جسم کی بیع وشراء اور اس کا طبیہ کالج میں رکھنا اور چیر پھاڑ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بہشتی زیور (حصہ۹ ص۱۰۳) طبی جوہر میں اس کو ممنوع لکھا ہے، لیکن موجودہ دور میں اس سے بچنا مشکل ہے، اگر کوئی جواز کی صورت ہو، تو تحریر مدلل فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً: مردہ کی بیع وشراء شرعاً جائز نہیں، باطل ہے، طبی تعلیم کے لئے اس کو سامنے رکھ کر چیر پھاڑ کے تجربہ ومشق کے لئے بھی جائز نہیں، اس نوع کی تعلیم ہی واجب نہیں کہ اس کی خاطر حرام فعل کو جائز کرنے کی کوشش کی جائے۔(۱)

## مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کا فتویٰ:

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: میڈیکل کی تعلیم جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب: مردوں کی چیر پھاڑ کرنا انسانی ڈھانچے کے بے حرمتی ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ اگر جانوروں کے پلاسٹک کے ڈھانچے استعمال کیے جائیں تو ڈاکٹری پڑھنا جائز ہے۔(۲)

## مولانا یوسف لدھیانویؒ کا فتویٰ

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

سوال: آج کل جو ڈاکٹر بنتے ہیں، مختلف قسم کے تجربات کرتے ہیں، جس میں پوسٹ مارٹم بھی شامل ہے، جس میں انسانی اعضاء کی بے حرمتی ہوتی ہے، یہ

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۳/۱۸

(۲) احسن الفتاویٰ: ۲۲۳/۸

کہاں تک درست ہے، قرونِ اولیٰ میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مسلمان کی لاش پر تجربات نہیں کئے جاسکتے اور غیر مسلم کی لاش پر کر سکتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

جواب: انسانی لاش کی بے حرمتی جائز نہیں ہے، نہ مسلمان کی، نہ غیر مسلم کی۔(۱)

## حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب کا فتویٰ:

خیر الفتاویٰ مین ہے:

سوال: ڈاکٹر کو ایک مریضہ کی تشخیص کے لئے عموماً یہ صورت پیش آتی ہے کہ اس کو مریضہ کے سارے جسم کا ہاتھوں سے معائنہ کرنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ بعض حالات میں اعضاء مخصوصہ کا معائنہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اور سب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مردہ جسم پر عمل جراحی کروائی جاتی ہے، براہ کرم جواب مفصل مرحمت فرمائیں۔

الجواب: مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لئے جن مواضع کا چھونا یا دیکھنا لابدی ہو، تو مجبوری کی حالت میں ان کے دیکھنے اور چھونے کی اجازت ہے (جبکہ بدوں اس کے تشخیص وعلاج درست نہ ہوسکتا ہو) البتہ انسانی جسم پر عمل جراحی برائے مہارت سو بوجوہ ذیل شرعاً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

وجہ اول: ...... مسلمان میت کو غسل دینا، کفن پہنانا اور پھر دفن کرنا شرعاً تمام اہل اسلام کے ذمے فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے (کما فی الدرالمختار وغیرہ من المعتبرات) اور عمل جراحی کی مشق کے لئے مردہ جسم کو محفوظ رکھنے کے ساتھ احکام بالا کی تعمیل کا ہونا ممکن نہیں۔

---

(۱) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۴۲۵

وجہ دوم: ...... حق تعالیٰ سبحانہ نے انسان اور باقی تمام اشیاء (مثلاً معدنیات، نباتات، حیوانات) کے مقاصد تخلیق میں بنیادی فرق رکھا ہے، پورے عالم میں پھیلی ہوئی اجناس مقدری کی ان گنت اشیاء کو اس لئے وجود میں لایا گیا، تا کہ مختلف انسانی حاجات کی براری کے گوناگوں تقاضوں کی تکمیل ہو سکے، قرآن کریم میں ہے ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا﴾ لوہا، پیتل، چاندی، سونا اور تمام معدنیات اناج غلے سبزیاں اور دیگر نباتات، اسی طرح حیوانات ان سب اشیاء کو انسان کے تصرف میں دے دیا گیا ہے، انسان مختلف طریقوں سے اپنی زندگی کو باضابطہ آسودہ اور محفوظ بنانے کے لئے ان اشیاء کو استعمال میں لاتا ہے، کوئی چیز پس کر کام آتی ہے، کوئی کٹ کر، کسی کو گرم کر کے کارآمد بنایا جاتا ہے، کسی کو ٹھنڈا کر کے، کسی چیز کو چیر پھاڑ کر کام میں لایا جاتا ہے، تو کسی کو سی کر، کسی کو پرو کر، کہیں تحلیل ہوتی ہے، کہیں ترکیب و تجزیہ ہوتا ہے کہیں تنقید۔ الغرض ان اشیاء کو انسان کے استعمال ہی کی غرض سے پیدا کیا ہے اور ان کی حیثیت محض سامان زندگی اور متاع انسانی ہونے کی ہے، پس ان میں سب تصرفات درست ہیں، بخلاف انسان کے کہ اسے خداوند قدوس نے سامان اور متاع کی حیثیت سے پیدا نہیں کیا کہ ضروریات زندگی میں اسے بھی چیر پھاڑ کر یا کوٹ چھان کر گلا پگھلا کر لگایا یا استعمال کیا جا سکے، بلکہ انسان کو صاحب متاع اور فطرتی طور پر ان اشیاء میں تصرف کنندہ بنایا ہے اسی بنیادی فرق کی وجہ سے تکریم خداوندی کا مورد ٹھرایا گیا ہے، دیکھئے آیت میں اسی خصوصیت انسانی پر کس صراحت سے نص کی گئی ہے ﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ...... ﴾ (۱)

---

(۱) سورہ اسراء، آیت: ۷۰

اور کچھ ایسے ہی فطرتی تفوق اور فضائل کی بناء پر تکریم سے بڑھ کر خلافت خداوندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾(۱) پس انسان کی اس متصرفانہ حیثیت اور دیگر اشیاء کی اس خادمانہ حیثیت اور متاعی حیثیت کو برقرار رکھنا صریح تقاضائے فطرت اور عین منشاء خداوندی کے مطابق ہے۔ جب بھی ان میں سے کسی ایک نوع کو اس کے فطرتی مقام سے پست و بالا کیا جائے گا، تو قانون فطرت کی خلاف ورزی اور حدود خداوندی کی شکست و رنجیت لازم آئے گی۔

اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی جسم پر عمل جراحی کی مشق یہ اسے دائرہ انسانیت سے نکال کر متاع و جمادات کی نوع میں داخل کرنا ہے، تو کسی انسان یا کسی خاص طبقہ انسانی کو یہ کیسے حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی فنی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان یا اس کے کسی عضو کو تختہ مشق بنائے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو ایک لوہار لوہے کے ساتھ، یا ایک بڑھئی لکڑی کے ساتھ یا ایک درزی کپڑے کے ساتھ اور ایک قصاب گوشت کے ساتھ کرتا ہے، آخر خدائی حدود کی شکست و رنجیت کو کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

وجہ سوم:...... مردہ انسان کو عمل جراحی کے لئے تختہ مشق بنانے میں انسانی جسم کی توہین و تذلیل ہے، جو کہ مقام تکریم کے قطعاً خلاف ہے، پس عدم جواز ظاہر ہے۔

وجہ چہارم:...... بعض احادیث میں آتا ہے کہ مردہ کی روح بھی اسی طرح درد والم کو محسوس کرتی ہے، جیسا کہ زندہ انسان کی روح اور مردہ کو بھی ایذاء پہنچتی ہے اور عمل جراحی میں ایذاء ہونا ظاہر ہے اور ایذاء سے احتراز کرنا واجب ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرہ، آیت: ۳۰

وجہ پنجم:......کوئی سلیم الفطرت اپنے ساتھ یا اپنے کسی عزیز کی لاش کے ساتھ اس معاملہ (عمل جراحی معہود) کو پسند نہیں کرتا، تو جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کی جاتی، تو آخر لاوارث اور غرباء کی لاشوں کے لئے وہ کیسے پسند کی جاتی ہے؟ اسلام کی نظر میں نفس ہونے کی حیثیت سے شاہ وگدا، امیر وغریب، زبردست وزیردست، سب برابر ہیں اور انسانی حقوق میں سب یکساں ہیں۔

وجہ ششم:......لاوارث غرباء کی لاشوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا قساوت قلبی اور سخت معاشرتی بے رحمی ہے، معاشرہ کا فرض ہے کہ لاوارث لاشوں کا اسی طرح احترام کرے، جیسا کہ ہر شخص اپنے اقرباء کی لاشوں کا کرتا ہے، اقرباء کی لاشوں کا انتہائی احترام کرنا اور لاوارث نعشوں کی فنی تکمیل کی بھینٹ چڑھا دینا آخر کہاں کا انصاف ہے اور انسانی ہمدردی کی کونسی قسم ہے غرباء پروری اور رحمدلی کی کونسی نوع ہے۔

مختصرا تحریر ہوا امید ہے کہ انسانی مردہ جسم پر عمل جراحی کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔

سوال: اس پر قدرتی طور پر سوال ہوتا ہے کہ جب یہ عمل جراحی مذکورہ ناجائز ہے، تو فن جراحی میں تکمیل کی کیا صورت ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً......تو یہی مخدوش ہے کہ بدوں اس کے تکمیل وتحصیل فن ممکن نہیں۔

ثانیاً...... یہ کہ یہ ایک مشترک انسانی حاجت ہے، اس کے لئے کوئی جائز طریقہ تجویز کرنا ماہرین فن کا کام ہے۔

اگر کہا جائے کہ تکمیل مذکور کے لئے کوئی دوسرا طریقہ تجویز کیا جانا دشوار ہے، تو جواب یہ ہے کہ ناجائز سہل کے مقابلے میں جائز دشوار کو اختیار کرنا عین عقلی تقاضا ہے اور انسانی خصوصیت ہے آخر چوری اور جائز کسب میں یہی فرق تو

ہے، دیگر واضح رہے کہ یہ مشکل شریعت کی طرف سے نہیں، بلکہ موجودہ نظام تعلیم کو ترتیب دینے والوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے موجودہ نظام تعلیم کی ترتیب کے وقت جائز و ناجائز کی تفریق کو پیش نظر نہیں رکھا، یہ تو در کنار جو بیچارے غالباً اس کے ابتدائی شعور سے بھی بے بہرہ ہوں گے، تو ایسے لوگوں کا مرتب کردہ کوئی نظام جب بھی ان لوگوں پر چالو کیا جائے گا جو لوگ جائز و ناجائز کی تفریق کے قائل ہیں آخر مشکلات اور دشواریاں ہی تو پیش آئیں گی فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ(۱)

## حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کا فتویٰ

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میڈیکل کالجوں میں انسانی لاش اور میت پر مختلف تجربات کئے جاتے ہیں، اور تا آخر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دفن نہیں کیا جاتا کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: انسان کا ابتذال اور تختہ مشق بنانا ناجائز ہے، اگرچہ بال کیوں نہ ہو۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾(۲)

"وفی الهدایه علی صدر فتح القدیر باب بیع الفاسد: ولا یجوز بیع شعر الإنسان ولا الانتفاع بها لأن الآدمی مکرم لا مبتذل وبمعناه فی جمیع کتب الفتاوی"۔(۳)

لہٰذا انسان کے بدن پر تجربات کرنا حرام ہوگا، تجربہ ربڑ یا پلاسٹک سے بنے ہوئے اعضاء پر بھی ہوسکتا ہے۔(۴)

(۱) خیر الفتاویٰ: ۳/ ۳۱۷۔ مکتبہ امدادیہ ملتان
(۲) بنی اسرائیل، آیت: ۷۰
(۳) الہدایہ مع فتح القدیر، کتاب البیوع، باب بیع الفاسد: (۶/ ۶۳):
(۴) فتاویٰ فریدیہ: ۳/ ۳۳۲

## حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

(ج) اور انسانی جسم واعضاء کی قطع وبرید کر کے طب جدید کے تعلیمی وتجرباتی فائدے حاصل کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ تکریم واحترام کے خلاف ہے۔

(د) انسانی جسم واعضاء کے ذریعہ تداوی اور علاج بھی جائز نہیں ہے۔

(ہ) جب انسانی جسم واعضاء کی قطع وبرید کر کے علاج ومعالجہ جائز نہیں تو اس کا موقوف علیہ (تعلیم) بھی انسانی جسم کی چیر پھاڑ کر کے ناجائز ہوگی، البتہ صرف چند مخصوص صورتوں میں انسانی جسم کی قطع وبرید جائز ہے۔(۱)

## قائلین جواز کے دلائل:

جو لوگ طبی ضرورت کے لئے مردہ کی لاش کی چیر پھاڑ کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے بعض دلائل اور ان کے جوابات ہم ذکر کرتے ہیں۔

بعض علماء نے تعلیم کو ضرورت قرار دے کر طبی مشق کے لئے مردہ کی چیر پھاڑ کو جائز قرار دیا ہے اس بارے میں تفصیلی فتویٰ اور اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہسپتال وغیرہ سے لاوارث مسلم نعش عمل جراحی کے لئے میڈیکل کالج میں بھیجی جاتی ہے، اب اس کے متعلق سوال یہ ہے۔

(۱) مسلم نعش پر شرعاً کسی حالت میں عمل جراحی جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) اور اگر کسی خاص صورت میں جائز بھی ہو، تو میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے مسلم نعش پر عمل جراحی جائز ہوگا؟

الجواب: مسلم نعش پر عمل جراحی بعض حالات میں شرعاً جائز ہے، مثلاً کوئی عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ اور متحرک ہو، تو تمام فتاویٰ میں

(۱) انسانی اعضاء کی پیوندکاری اور اس کے شرعی احکام ص: ۳۵۔ اسلامی کتب خانہ کراچی

یہ تصریح ہے کہ اس کے پیٹ کو بائیں جانب سے چیر کر بچہ کو نکال لیا جائے۔
درمختار میں ہے:

"حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها من الأيسر ويخرج ولدها"۔(۱)

نیز ایسی صورت میں بھی عمل جراحی جائز ہے، جبکہ مرنے والی کے پیٹ میں کوئی چیز متحرک معلوم ہو اور لوگوں کی رائے یہ ہو کہ یہ بچہ متحرک ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

" ففي التجنيس من علامة النوازل: إمرأة حامل ماتت واضطرب في بطنها شيء وإن كان رأيهم انه ولد حي شق بطنها"۔(۲)

مطلب یہ ہے کہ ہر دو صورت میں بچہ زندہ ہونے کا یقین ہو یا بچہ زندہ ہونے کا ظن ہو، مردہ نعش کو چاک کرنا جائز ہے، نیز ایسی صورت میں بھی مردہ نعش پر عمل جراحی کرنا جائز ہے کہ کوئی شخص کسی کا روپیہ نگل جائے اور مر جائے درمختار میں ہے:

"ولو بلع مال غيره ومات هل يشق قولان، والاولىٰ نعم فتح، وفي الشاميه (قوله الاولىٰ نعم) لأنه وإن كان حرمة الآدمي أعلىٰ من صيانة المال، لكنه أزال احترامه بتعديه، كما في الفتح: ومفاده أنه لو سقط في جوفه بلا تعد لايشق اتفاقا"۔(۳)

"وفي البيرى عن تلخيص الكبرىٰ: لو بلع عشرة دراهم ومات يشق وأفاد عدم الخلاف في الدراهم والدنانير"۔(٤)

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ نعش پر بحالت ضرورت جراحی جائز ہے۔

(۲) میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لئے نعش پر عمل جراحی کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ آئین اسلام کا ضابطہ ہے کہ دو ضرروں میں سے اگر ایک ضرر

---

(۱) درمختار بحاشیہ ردمحتار: ۱/۶۶۱
(۲) فتح القدیر: ۲/۱۰۲۔قبیل باب الشہید
(۳) الدرالمختار: ۵/۲۶۲
(۴) ردالمحتار: ۱/۱۲۳

دوسرے ضرر سے اعظم ہوتو اشد ضرر کا اخف ضرر کے ذریعہ ازالہ کیا جائے گا، جس کی ایک مثال مردہ عورت کے پیٹ کا بچہ نکالنے کے لئے چیرنا ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"لو كان أحدهما أعظم ضررا عن الآخر فإن الأشد يزال بالأخف"۔(۱)

اس کے بعد اس کی مثالوں میں سے بہت مثالوں کے ساتھ مذکورہ بالا مثال کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"ومنها جواز شق بطن الميتة لإخراج الولد إذا كانت ترجىٰ حياته وقد أمر به أبو حنيفةؒ فعاش الولد كما في الملتقط"۔(۲)

میڈیکل کالجوں میں چند مردوں کی نعش پر عمل جراحی کے باعث چونکہ سینکڑوں زندہ مریضوں کی جان بچتی ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچہ کی جان بچانے کے لئے ایک نعش پر عمل جراحی بلا اختلاف جائز ہو اور سینکڑوں جانیں بچانے کے لئے چند نعشوں پر عمل جراحی جائز نہ ہو۔

" هذا ما عندی فإن اصبت فمن الله، وإن أخطات فمنی ومن الشيطان "۔

علماء کرام کے لئے قابل غور بات یہی ہے کہ عدم تعلیم سینکڑوں جانوں کی ہلاکت کا موجب ہوگا، یا نہیں؟ اور اگر موجب ہوگا تو یہ ضرر بمقابلہ چند نعشوں کے اعظم اور اشد ضرر ہے یا نہیں؟

میرا خیال ہے کہ بمقابلہ چند نعشوں کے سینکڑوں جانوں کی ہلاکت اعظم اور اشد ہے، لہٰذا الاشباہ کی تصریح کی بناء پر آئین اسلام کی رو سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ میڈیکل کالج میں نعش پر عمل جراحی کیا جاتا ہے، وہ شرعا

(۱) الاشباہ والنظائر: ۱/۱۲۲

(۲) حوالہ بالا

جواز کے اندر ہے۔

الجواب صحیح: علم جراحی مسلمانوں کے لئے حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے اور ادھر یہ قاعدہ بھی ہے "اَلضَّرَرُ يُزَالُ" اور "اَلضَّرَرُ تُبِيحُ الْمَحْذُوْرَاتِ" پس ضرورت اور مجبوریوں کی وجہ سے یہ عمل جراحی جائز ہے، چنانچہ مجیب لبیب نے توضیح کی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۷۶/۱/۲۹)

الجواب صحیح والمجیب نجیح ۔ خط کشیدہ عبارت تو بہت ہی مضبوط دلیل ہے اور آیت کریمہ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ اور آیت قتال کے اشارے بھی اس طرف ہیں۔ واللہ اعلم احقر نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

## نظام الفتاوی کے جواب پر تبصرہ

نظام الفتاویٰ کا جواب صحیح نہیں، تعلیمی ضرورت کو اخراج ولد پر قیاس کرنا بوجوہ ذیل باطل ہے:

(۱) شق بطن ولادت کا ایک متبادل طریقہ ہے، جو اس زمانے میں عام ہے، اس میں انسان کی بے حرمتی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

(۲) اخراج ولد کے لئے شق بطن عارضی ہے، اس کے بعد میت کو احترام کے ساتھ دفن کر دیا جاتا ہے، اور میڈیکل کالج میں ہمیشہ کیلئے تختۂ مشق بنایا جاتا ہے

(۳) اخراج ولد میں جان بچانے کا عمل ہو رہا ہے اور کالج میں جان بچانے کے طریقوں کی تعلیم ہوتی ہے، فی الحال جانیں بچانے کا عمل نہیں ہو رہا۔ جان بچانے کے عمل اور اس کی تعلیم میں فرق ہے، مثلاً جان بچانے کیلئے حملہ آور کو قتل کرنا جائز ہے، مگر جان بچانے کا طریقہ سیکھنے کی غرض سے جائز نہیں ہے۔

(۴) اسباب کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ اس پر مسبب وثمرہ کا ترتب عادۃ

متیقن ہے اور ترک کرنے سے ہلاکت کا یقین ہے، جیسے کسی کو آگ یا سیلاب یا کنویں وغیرہ سے نکالنا یا کسی درندہ کی گرفت سے بچانا۔ ان صورتوں میں جان بچانے کے اسباب اختیار کرنا فرض ہے اور ان کا ترک حرام ہے۔ اخراج ولد بھی اسی قسم کا سبب ہے۔

اسباب کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس پر نتیجہ کا ترتب ضروری نہیں، اور ان کے ترک سے موت متیقن نہیں، ایسے اسباب اختیار کرنا لازم نہیں اور ان کے ترک پر کوئی گناہ نہیں، علاج الامراض اسی قسم میں داخل ہے، سینکڑوں واقعات کا مشاہدہ ہے کہ علاج سے مرض مزید بڑھ گیا، یا مریض ہلاک ہوگیا اور کئی مریض بدوں علاج ہی تندرست ہوگئے، اسی لئے اس پر اتفاق ہے کہ علاج کرانا فرض نہیں ہے، اگر کوئی ترک علاج کے نتیجے میں ہلاک ہوجائے، تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اگر علاج کرانا فرض ہوتا تو جہاں مرض کا صرف ایک سپیشلسٹ ہو، تو اس کے لئے علاج کی اجرت لینا حرام ہوتا پھر مسئلہ زیر بحث میں تو علاج بھی نہیں، علاج کی تعلیم ہے وَشَتَّانَ بَيْنَهُمَا كَمَا قَدَّمْنَا۔

(۵) بچہ کی جان بچانے کے لئے میت کے شق بطن کی صورت متعین ہے، دوسری کوئی صورت ممکن نہیں اور اس کے برعکس تعلیم کے لئے دوسری کئی صورتیں بسہولت اختیار کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً:

(۱) اسکریننگ مشین کے ذریعے زندہ انسان کے اندرونی اعضاء اور جسمانی ساخت کا تفصیلی معائنہ کیا جاسکتا ہے۔

(۲) حیوانی ڈھانچوں سے کام لیا جاسکتا ہے، بالخصوص ڈارون کے نظریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندر اور انسان کے اعضاء میں یکسانیت ہے۔

(۳) پلاسٹک کے انسانی ڈھانچے مع اندرونی اعضاء کے بیرونی ممالک میں بن رہے ہیں، ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے اور مجسمہ رکھنے کے گناہ سے بچنے کی

یہ تدبیر ہو سکتی ہے کہ ڈھانچے کے اعضاء علیحدہ کر کے رکھے، بوقت ضرورت بقدر ضرورت ایک عضو کو دوسرے عضو سے ملایا جا سکتا ہے۔

روزنامہ مشرق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء بمطابق ۲۲ رمضان ۱۳۸۷ھ میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:

''برطانوی فرموں میں مصنوعی مسالے سے تیار کیا ہوا انسانی ڈھانچہ بنایا گیا ہے، اس ڈھانچے کو برطانوی فرم نے سام کا نام دیا ہے، ڈھانچہ اب بھی کئی تعلیمی ادارے منگواتے ہیں، لیکچر دینا ہو تو یہی مصنوعی سام استعمال ہوتا ہے، پورے انسانی مصنوعی قد کا سام پانچ فٹ ستر انچ کا ہوتا ہے اور اس کی قیمت ۳۸ پونڈ ۹ شلنگ ہے۔ جسم کے اندرونی اعضاء بھی ''سرے کی سائنٹیفک پلاسٹک لمیٹڈ'' تیار کرتی ہے، مصنوعی دل کی قیمت ۱۳ پونڈ ۳ شیلنگ، مصنوعی دماغ کی قیمت ۱۱ پونڈ ۱۰ شیلنگ مقرر ہے۔

یہ کمپنی کان بھی تیار کرتی ہے، جن کی قیمت ۱۰ پونڈ ہے، اس مصنوعی کان کے پردوں میں آواز ٹکرانے کے بعد اسی طرح لہریں نمودار ہوتی ہیں، انسان کے سانس لینے کا نظام بھی طلبہ کے استفادہ کے لئے مصنوعی بنایا جاتا ہے، جس کی قیمت ۱۷ پونڈ ۱۵ شیلنگ ہے، اس مصنوعی سانس لینے والے انسان پر جان بچانے کے طریقے کی مشق آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے، کیونکہ اس کے مصنوعی پھیپھڑے اسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح انسانی پھیپھڑے کرتے ہیں۔

مجیب نے دوسرا قیاس اخراج ولد کے لئے شق بطن پر کیا، حالانکہ اس کا بطلان خود جزئیہ مذکورہ میں تعلیل جواز

''لِاَنَّهٗ وَاِنْ كَانَ حُرْمَةُ الْآدِمِيِّ اَعْلٰى مِنْ صِيَانَةِ الْمَالِ لٰكِنَّهٗ اَزَالَ اِحْتِرَامَهٗ بِتَعْدِيَةٍ''۔

سے ظاہر ہے۔

اشباہ کے کلیہ سے بھی استدلال صحیح نہیں، حفظ احترام کے مقابلے میں حفظ جان اگرچہ مقدم ہے، مگر یہاں احترام کے مقابلے میں حفظ جان کا عمل نہیں، بلکہ اس کے طریقہ تعلیم کی تعلیم ہے خود علاج سیئت کی قسم ثانی ہے اور یہاں تو علاج بھی نہیں ہو رہا، بلکہ علاج کی تعلیم دی جا رہی ہے، اس پر حرمت انسان کو بھینٹ چڑھانا جائز نہیں۔

اگر مجیب کے نظریہ کے مطابق صورت زیر بحث میں حفظ احترام اور حفظ جان کا تقابل تسلیم کر لیا جائے تو کالجوں میں لاوارث ڈھانچوں کی کمی کی صورت میں وارثوں پر فرض ہوگا کہ اپنے رشتہ داروں کی لاشیں دفن کرنے کے بجائے کالجوں میں پہنچائیں، بصورت انکار حکومت پر فرض ہوگا کہ رشتہ داروں سے لاشیں جبراً چھین کر کالجوں میں مہیا کرے، اور اگر بوقت ضرورت کوئی لاش دستیاب نہ ہو، تو قبرستان سے مردے اکھاڑ کر کالج کی ضرورت پوری کرے۔

تحقیق سے ثابت ہوا کہ کالج میں لاوارث لاشوں کی بہت کمی ہے، لہذا بزعم مجیب جان بچانے کا فرض ادا کرنے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وارثوں سے جبراً مردے وصول کئے جائیں۔

یہ ظلم صرف لاوارث لاشوں کے ساتھ مخصوص کیوں ہے، جبکہ درحقیقت کوئی لاش لاوارث نہیں، اس لئے کہ کسی کا نسبی وارث نہ ہو، تو اس کا کفن دفن حکومت و عامۃ المسلمین پر فرض ہے اور یہی اس کے ولی ہیں۔

حکومت کا کوئی فرد اپنے رشتہ دار کی لاش دینے کو تیار نہیں، تو دوسری لاش جس کی شرعی ولایت اور دفن کا فریضہ حکومت کے ذمہ ہے، اس کی بے حرمتی کی اجازت کیوں دے دیتی ہے؟

کالجوں میں زیر تعلیم طلبہ کی بنسبت لاشوں کی غیر معمولی کمی کے ثبوت سے یہ ثابت ہو گیا کہ لاش کے بغیر بھی ڈاکٹری کی تعلیم مکمل ہو سکتی ہے۔

تعلیمی اداروں میں انسانی لاشوں کی بڑھتی ہوئی مانگ اور لاشوں کی منڈی میں غیر معمولی تیزی دیکھ کر انسانی درندے اور جرائم پیشہ لوگ انسانوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں منڈی میں فروخت کرنے کا کاروبار شروع کر دیں گے، ان کے لئے یہ بہت ہی نفع بخش تجارت ہوگی، کوئی اور شکار ہاتھ نہ لگا تو انہی اداروں کا عملہ، طلبہ، اساتذہ اور سربراہ کام لائے جاسکتے ہیں، ایسی ترقی کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں هُوَ الْعَاصِمُ وَلَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَاءَ إِلَّا إِلَيْهِ ۔(۱)

اس لئے طبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مشق مردہ کی لاش پر کرنے کے بجائے اور جو مروجہ جائز طریقے ہیں ان کو استعمال کیا جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے، مندرجہ ذیل متبادل طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں:

(۱) آپریشن کرتے وقت نئے طلباء کو معائنہ کے لئے پاس کھڑا کیا جائے اور ساتھ ساتھ ان کو بتایا جائے، ورنہ بعد میں تفصیل بیان کر دی جائے۔

(۲) پلاسٹک اناٹومی سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔

(۳) آج کل مصنوعی اعضاء بھی ملتے ہیں، ان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

(۴) ایک آسان طریقہ انٹرنیٹ کے ذریعے باہر ممالک میں ہونے والے آپریشن اور انسانی جسم پر ہونے والی تحقیق طلباء وطالبات کو دکھائی جاسکتی ہے، جبکہ آج کل تو اس کی سی ڈیز بھی آسانی سے مل جاتی ہے، جس میں انسانی اعضاء کی مکمل تفصیل موجود ہوتی ہے۔

(۵) اسی طرح جانوروں پر بھی تحقیق کی جاسکتی ہے، خصوصاً بندر پر جس کے اعضاء اکثر انسانی اعضاء کے مشابہ ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مردہ کی لاش پر مشق کرنا ناجائز اور حرام ہے، مشق کے لئے متبادل طریقوں کو اختیار کیا جائے، میڈیکل سیکھنا ایک مستحسن امر

---

(۱) احسن الفتاویٰ: ۸/۳۳۹

ہے، یعنی مباح ہے، فرض یا واجب نہیں ہے، جس کے ترک سے انسان گناہ گار ہو جائے اور انکار سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اور نہ ہی مریض پر علاج کرانا فرض ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"مَرِضَ أو رَمِدَ حتی مات لا یکون آثما"۔(۱)

ترجمہ: کوئی شخص بیمار ہوا یا اس کی آنکھوں میں درد ہوا تو اس نے علاج نہ کروایا حتیٰ کہ مر گیا تو وہ گناہ گار نہ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ علاج کرانا فرض یا واجب نہیں ہے، جب علاج بذات خود فرض یا واجب نہیں، تو اس کی تعلیم بھی فرض یا واجب کیسے ہو سکتی ہے۔

فائدہ: اگر چہ مذکورہ فتویٰ پر مفتی نظام الدین صاحب کے دستخط ہیں اور انہوں نے اس جواب کی تصحیح بھی کی ہے، لیکن مفتی نظام الدین صاحب نے بعد میں اپنے اس پہلے والے فتوے سے رجوع فرما لیا تھا، جیسا کہ نظام الفتاویٰ میں ان کا نیا فتویٰ پوسٹ مارٹم کے عدم جواز کا موجود ہے۔(۲)

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراہیۃ، باب التداوی والمعالجات: (۵/۳۴۴)

(۲) نظام الفتاویٰ: (۱/۳۱۲)

# (۷)

# ساتواں باب

# سرجری برائے ولادت

## سرجری برائے ولادت

وہ سرجری (آپریشن) جس میں بذریعہ آپریشن بچے کو اس کے ماں کے پیٹ سے نکالا جاتا ہے، خواہ بچہ کامل الخلقت ہو، یا ناقص الخلقت ہو۔

ایک حدیث میں اس آپریشن کی پیشن گوئی دی گئی ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جس میں ولادت کے وقت عورت کا پیٹ چیرا جائے گا، مصنف ابن ابی شیبہؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

"إنه قال: لتؤخذن المرأة فليبقرن بطنها، ثم ليؤخذن ما في الرحم مخافة الولد"۔(۱)

''ضرور عورت کو پکڑا جائے گا پھر اس کا پیٹ چاک (آپریشن کے ذریعے) کیا جائے گا، اس کے بعد جو کچھ رحم میں ہوگا اس کو لے لیا جائے گا، لڑکا ہونے کے خوف سے اس کو نکال پھینکا جائے گا''۔

(۱) رواہ مصنف ابن ابی شیبہ، بحوالہ امام مہدی کے دوست ودشمن، ص ۳۱

## سرجری برائے ولادت کی اقسام:

اس سرجری کی دو قسمیں بنتی ہیں:

۱) حالت ضروریہ: یہ وہ حالت ہے جس میں بچہ یا حاملہ دونوں میں سے کسی ایک کی جان خطرے میں ہو، اگر آپریشن نہ ہوا، تو دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے گا، ایسی حالت میں شرعاً آپریشن کرنا جائز ہے، جیسے حاملہ کی وفات کے بعد اگر جنین زندہ ہو، تو اس حالت میں بذریعہ آپریشن بچہ کو نکالنا جائز ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

> سوال: زید کی بیوی کا بچہ ہونے والا ہے اور ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق چند منٹ کے بعد ہی تولد ہونے کی امید ہے، ٹھیک اسی وقت زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا، ڈاکٹر کی رائے ہے کہ چونکہ بچہ پیٹ میں زندہ ہے، اس لئے دس منٹ کے اندر آپریشن کر کے نکال لینا چاہئے، جبکہ زید کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بیوی کا انتقال ہو چکا ہے اور انتقال کے بعد کسی قسم کا آپریشن کرنا حرام ہے، آیا بچہ کو زندہ آپریشن کے ذریعہ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟
>
> الجواب حامداً ومصلیاً: اگر بچہ زندہ ہو، تو آپریشن کر کے بچہ کو نکال لیا جائے (یعنی جائز ہے)(۱)

۲) حالت حاجیہ: یہ وہ حالت ہے کہ طبعی طور پر بچہ کی ولادت متعذر ہونے کی وجہ سے بطریق سرجری (آپریشن) بچہ نکال لیا جاتا ہے، اس طرح نہ کرنے کی صورت میں بچہ یا حاملہ کی ہلاکت کا خوف ہوتا ہے، اس حالت کا حکم ڈاکٹر کی تقدیر رائے پر موقوف ہے، اگر ڈاکٹر کو عورت کے ولادت طبعی کی مشقت برداشت نہ کرنے یا پھر بچہ کو ضرر لاحق ہونے کا گمان غالب ہو، تو اس صورت میں بچہ کو بذریعہ آپریشن نکالنا جائز ہے اور اگر ڈاکٹر کا غالب گمان اس کے برعکس ہو، تو سرجری کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/ ۲۸۸۔ جامعہ فاروقیہ کراچی

اگر ایسی صورت ہو کہ بغیر آپریشن کے ولادت کی صورت میں ماں کی جان کو تو خطرہ نہ ہو، لیکن بغیر آپریشن کے بچہ معذور پیدا ہونے کا خطرہ ہو، تب بھی ایسا آپریشن کرنا جائز ہے، چنانچہ ایسے بہت سارے کیس آئے ہیں کہ بغیر آپریشن ولادت تو ہو جاتی ہے، لیکن بچہ ساری عمر کے لئے ذہنی معذور رہتا ہے، اس لئے ایسی صورت حال میں ڈاکٹر کی رائے پر عمل کرنا بہتر ہوگا۔

حاملہ عورت جب دردِ زہ میں مبتلا ہو، تو عورت کے لئے یہ وقت بہت ہی زیادہ کربناک ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بچے کی پیدائش میں مر جائے، وہ عورت شہید ہے۔

اگر حاملہ عورت بچے کی پیدائش کے وقت ایسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے کہ بغیر آپریشن کے اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے اور بچے کی پیدائش میں رکاوٹ پیدا ہو جائے، تو اس کی دو صورتیں بنتی ہیں:

(۱) عورت حاملہ زندہ ہے اور اس کا حمل بھی زندہ ہے۔

(۲) عورت حاملہ زندہ ہے اور اس کا حمل مر گیا ہے۔

تو ان دونوں صورتوں میں آپریشن کرنا جائز ہے، پہلی صورت میں آپریشن اس لئے جائز ہے کہ ماں اور بچہ دونوں کی زندگی آپریشن پر موقوف ہے، اگر آپریشن نہ ہوا، تو دونوں یا ان میں سے کسی ایک کی جان کو خطرہ ہوگا، تو ایسی صورت میں شرعاً آپریشن کی اجازت ہے، جیسے ہم نے پہلے اس کو ذکر کیا۔

دوسری صورت میں آپریشن کر کے مردہ بچہ نکالنا اس لئے جائز ہے کہ عورت کا بچہ اگرچہ مر چکا ہے، لیکن عورت تو زندہ ہے اور عورت کی زندگی اس بات پر موقوف ہے کہ اس کا پیٹ چاک کر کے اس کا مردہ بچہ نکال لیا جائے، اس صورت میں اگر آپریشن نہ ہوا، تو عورت کی جان جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

ایک تیسری صورت یہ ہے کہ عورت مر چکی ہے اور بچہ اس کے پیٹ میں زندہ ہے، حرکت کر رہا ہے، تو اس صورت میں بھی عورت کا آپریشن کر کے بچے کو نکالنا جائز ہے، جائز

اس لئے ہے کہ بچہ کا زندہ رہنا اور اس کی حیات کا ظاہری سبب یہی ہے کہ مردہ ماں کا آپریشن کر کے بچے کی زندگی بچائی جائے، اگر اس صورت میں مردہ عورت کا آپریشن نہ کیا، تو بچہ بھی زندہ نہ رہے گا، وہ بھی مر جائے گا، اس لئے مروجہ طریقہ سے آپریشن کر کے بچہ نکالنا شرعاً جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آپریشن لیڈی ڈاکٹر سے کرایا جائے، عام حالات میں مرد ڈاکٹر سے ایسا آپریشن کرانا جائز نہیں ہے۔ (مزید اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

## مردہ عورت کا آپریشن کر کے زندہ بچے کو نکالنے پر امام اعظمؒ کا فتویٰ

علامہ ابن بزاز کردری (صاحب فتاویٰ البزازیہ) ''مناقب الامام الاعظم'' میں لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میری بہن مر گئی ہے، اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہے (کیا کیا جائے؟)

میں نے کہا جاؤ اس کے پیٹ کا آپریشن کر کے بچے کو نکال لو، تو اس نے اپنی مردہ بہن کا آپریشن کر کے بچے کو نکال لیا، سات سال کے بعد وہ شخص میرے پاس آیا، اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا، اس نے مجھے کہا، کیا آپ اس لڑکے کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں، اس نے کہا یہ وہی بچہ ہے جس کی ماں کا آپریشن کر کے بچے کو نکالنے کا فتویٰ آپ نے دیا تھا، میں نے اس کی ماں کا آپریشن کر کے نکالا ہے اور میں نے اس کا نام ''مولی ابی حنیفہ'' رکھا ہے۔

علامہ ابن بزاز کردری کی عبارت یہ ہے:

"وعن عبد العزيز ابن خالد قاضي صغانيان وترمذ عن الإمام قال أتاني رجل وقال إن أختي ماتت وفي بطنها ولد يتحرك؟ قلت إذهب وشق بطنها، واخرج الولد، ففعل، وجاء ني بعد سبع سنين ومعه غلام، فقال أتعرف هذا؟ قلت لا، قال هذا الذي أفتيت بشق بطن أمه وإخراجه، فأخرجته وسميته بمولى أبي حنيفة"۔(۱)

(۱) مناقب الامام الاعظم: (۱/۱۲۶)۔ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد

علامہ ابن نجیم مصریؒ "البحر الرائق" میں لکھتے ہیں:

"لما كانت الحركة دليل الحيوة قالوا الحبلىٰ إذا ماتت وفي بطنها ولد يضطرب يشق بطنها ويخرج الولد"۔(۱)

ترجمہ: چونکہ حرکت کرنا زندگی کی دلیل ہے، اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ حاملہ عورت اگر مر جائے اور پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کر رہا ہو، تو اس کے پیٹ کو چیرا جائے اور بچے کو نکالا جائے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ "فتاویٰ النوازل" میں لکھتے ہیں:

"إمرأة ماتت وفي بطنها ولد يضطرب ، قال محمد يشق من جانب الأيسر ، والله تعالىٰ خلق حواء من آدم عليه السلام من ضلعه الأيسر ، وحكى عن أبي حنيفةؒ فعلوا كذلك بإمرأة فعاش الولد ، وصيانة الولد عن الهلاك واجب ، بخلاف ما اذا ابتلع درة غيره ، ثم مات ولم يترك مالا لايشق بطنه"۔(۲)

ترجمہ: ایک عورت فوت ہوگئی اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہے، امام محمدؒ نے فرمایا بائیں جانب سے (عورت) کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا ہے، حضرت امام ابو حنیفہؒ سے حکایت ہے کہ لوگوں نے ایک مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے بچے کو نکالا اور بچہ زندہ رہا لہٰذا بچے کو ہلاکت سے بچانا واجب ہے، برخلاف اس شخص کے جو کسی کا موتی نگل کر مر گیا ہو اور اس نے کوئی مال نہیں چھوڑا ہو، تو اسکے پیٹ کو چاک نہیں کیا جائے گا۔

اگر عورت کے پیٹ میں بچہ مر جائے، تو عورت کی جان بچانے کے لئے بچے کا کاٹ کر نکالنا بھی جائز ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب اس بات کا پورا یقین ہوگیا ہو کہ بچہ مر چکا

(۱) البحر الرائق

(۲) فتاویٰ النوازل، ص:۲۰۱

ہے، اگر بچہ زندہ ہو، تو اس کو کاٹنا جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: اگر حاملہ عورت کے شکم میں بچہ مر جائے، تو عورت کو بچانے کے لئے، بچہ کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب: بچہ کی موت کا پورا یقین ہو اور عورت کے انتقال کا خوف ہو، تو عورت کی جان بچانے کی خاطر بچہ کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے، بچہ زندہ ہو، تو کاٹنا جائز نہیں ہے۔(۱)

## بچہ پیدا نہ ہوتا ہو تو آپریشن کے ذریعے کاٹ کر نکالنا:

اگر عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو اور پیدائش نہ ہو رہی ہو، تو آپریشن کے ذریعے اگر بچہ پیدا ہو سکے، تو آپریشن کر کے بچہ پیدا کرایا جا سکتا ہے، لیکن اگر ڈاکٹر کہہ دیں کہ اگر بچہ زندہ حالت میں پیدا کرایا، تو ماں کی جان کو خطرہ ہے، اس لئے ماں کی جان بچانی ہو، تو بچہ کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا جائے گا، تو زندہ بچے کو کاٹ کر ٹکڑے کر کے نکالنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، کیا یہ ضروری ہے کہ ماں اس صورت میں یقینی طور پر زندہ رہ جائے گی، اس لئے بچہ کی زندگی ختم کر کے ماں کی زندگی بچانا صحیح نہیں ہے، حتی الامکان دونوں کی زندگی بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہاں اگر بچہ پیٹ میں مر جائے اور ماں زندہ ہو اور انجکشن دواء وغیرہ سے باہر نہ آ رہا ہو، تو آپریشن کر کے وہ نکالا جا سکتا ہے، اس لئے کہ اس صورت میں ماں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ یقینی ہے۔

"قال في الدر المختار: حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها من الأيسر، ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الأم قطع و أخرج لو ميتا و إلا لا "۔(۲)

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۱۸۵۔ دار الاشاعت کراچی

(۲) درمختار: ۳/۱۷۱۔ باب مطلب فی دفن المیت۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

"وقال العلامه الشامیؒ تحت قوله (وإلا لا) أی لو كان حيا لا يجوز تقطيعه لأن موت الأم به موهوم ، فلا يجوز قتل الآدمی حی لأمر موهوم"۔(۱)

یعنی اگر بچہ زندہ ہو، تو اس کا کاٹنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ماں کا مرنا موہوم ہے، اس کی وجہ سے زندہ آدمی کا قتل جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: عورت حاملہ ہے بچہ تولد نہیں ہوتا، ڈاکٹرنی کہتی ہے کہ بچہ کو ماں کے پیٹ میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالے، تو عورت کی جان بچ سکتی ہے، تو ایسی صورت میں بچہ کو کاٹے یا نہیں؟

الجواب: بچہ زندہ ہو تو کاٹنے کی شرعاً اجازت نہیں، بچہ کٹنے پر ماں کی زندگی کی گارنٹی کون دے سکتا ہے، لہٰذا آپریشن کر کے دونوں کی زندگی بچانے کی کوشش کی جائے، زندگی خدا کے قبضے میں ہے۔(۲)

کفایت المفتی میں ہے:

"زندہ بچے کو نکالنے کے لئے پیٹ ماں کا چیر کر نکالنا جائز ہے، کیونکہ ایسے آپریشن کامیابی سے ہو جاتے ہیں، اور ماں اور بچہ دونوں زندہ رہتے ہیں، مگر زندہ بچے کو کاٹ کر نکالنا جائز نہیں ہے، بچہ پیٹ میں مر گیا ہو، تو اس کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے"۔(۳)

## عورت کا اپنی خوبصورتی بچانے کے لئے آپریشن کرنا:

آج کل بعض خواتین بغیر ضرورت شرعی کے ولادت کے وقت آپریشن سے کرواتی ہیں،

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰ / ۱۸۵۔ دارالاشاعت کراچی

(۳) کفایت المفتی: ۹/ ۱۵۱۔ مفتی کفایت اللہ دھلویؒ۔ دارالاشاعت کراچی

ان کا مقصد صرف اور صرف اپنے حسن کو بچانا ہوتا ہے، تا کہ فطری طور پر ولادت کی صورت میں عورت کے بدن پر جو نشانات رہ جاتے ہیں، ان سے بچنا مقصود ہوتا ہے، اسی طرح فطری ولادت کی وجہ سے چھاتیاں لٹک جاتی ہیں، تو ان چیزوں سے بچنے کے لئے بہت ساری خواتین آپریشن کروالیتی ہیں۔

ایسی صورت کا حکم یہ ہے کہ مذکورہ آپریشن کروانا شرعاً بالکل ناجائز اور حرام ہے، بغیر ضرورت شرعی کے انسانی بدن کی چیر پھاڑ ناجائز اور حرام ہے، جس کو ہم پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں، اس لئے ڈاکٹر حضرات کو چاہئے کہ ایسی صورت میں آپریشن کرنے سے صراحتاً انکار کر دیں۔

## ڈاکٹر کا بغیر ضرورت کے عورت کا آپریشن کرنا:

دنیاوی لالچ انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے، جس کی وجہ سے وہ کسی کی مجبوری یا کسی کی تکلیف کو نہیں دیکھتا، اس کا کام صرف اور صرف اپنا پیٹ بھرنا ہوتا ہے، اسی لالچ کا نتیجہ ہے کہ بے شمار ایسے کیس جس میں نارمل ڈیلوری ہو سکتی ہے، لیکن ڈاکٹر اپنی فیس کی خاطر مریضہ کو آپریشن کا کہہ دیتے ہیں اور بلا ضرورت شرعی عورت کے پیٹ کو کاٹ ڈالتے ہیں، یہ صریح ظلم ہے، ایسے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

## مرد کا عورتوں کے مخصوص علاج میں مہارت حاصل کرنا:

عورتوں کے خصوصی امراض کے علاج کے سلسلے میں عورتوں کو ہی مہارت حاصل کرنی چاہئے، مردوں کیلئے Gyna cologist بننا اور بطور خاص عورتوں کے خصوصی امراض کے علاج و معالجہ کا طریقہ سیکھنا اور اس شعبہ سے وابستہ ہونا جائز نہیں، مردوں کو دوسرے امراض میں مہارت حاصل کرنی چاہئے۔

بطور خاص کا مطلب یہ ہے کہ صرف یہ طریقہ سیکھنا جائز نہیں، اگر مکمل طریقہ علاج سیکھ لے اور اس ضمن میں عورتوں کے مخصوص امراض کا علاج بھی سیکھ لے، تو درست ہے، لیکن

مستقل یہ شعبہ اختیار نہ کرے، اگر کہیں واقعی اس کی ضرورت پیش آگئی اور اس کے علاوہ کوئی صورت اور متبادل نہ ہو، تو گنجائش ہے۔

## ہسپتال میں بچہ کی ولادت:

اگر گھر پر زچگی کا بندوبست نہ ہوسکتا ہو، یا بندوبست ممکن ہو، لیکن زچہ و بچہ کی جان کو خطرہ ہو، تو ایسی صورت میں ہسپتال میں بچہ کی ولادت اور اس کا انتظام درست ہے اور ایسے ہسپتال کا انتخاب کرنا ضروری ہے، جس میں باپردہ انتظام ہو اور خواتین ڈاکٹرز عمل ولادت کے درمیان خدمت سرانجام دیتی ہوں۔

## کیا مرد عورت کا مخصوص آپریشن کرسکتا ہے:

جدید سہولیات نے انسانی رہن سہن اور معاشرتی ماحول کو بھی بہت متاثر کیا ہے، زچگی کا عمل ہر دور میں خواتین کے لئے مشکل عمل رہا ہے، لیکن موجودہ زمانے میں کام کاج نہ کرنے، فارغ رہنے اور پرسکون زندگی گزارنے کی وجہ سے زچگی کا عمل پہلے سے کہیں زیادہ مشکل اور پیچیدہ ہوگیا ہے، بلکہ اگر دیکھا جائے تو آج کل ہر تیسری چوتھی عورت کا وضع حمل گھر کے بجائے ہسپتال میں ہورہا ہے۔

دوسری طرف ہمارے ہسپتالوں کی حالت یہ ہے کہ اکثر ہسپتالوں میں تو لیڈی ڈاکٹر موجود ہی نہیں ہوتے، اگر ہیں بھی تو وہ سرجری کے عمل سے ناواقف ہیں، اکثر ہسپتالوں میں یہ کام مرد ڈاکٹر کرتے ہیں جس کی وجہ سے عموماً لوگ پریشان رہتے ہیں۔

عام حالت میں ایک مسلمان عورت کو مسلمان ڈاکٹر خاتون یا دایہ سے زچگی کروانی چاہئے، ایک خاتون کے جسم کے جن حصوں پر کوئی نظر نہیں ڈال سکتا، ان کو کسی مرد کے سامنے نہیں کھولا جاسکتا، تاہم ایسی صورت حال پیدا ہوسکتی ہے کہ کسی خاتون کو زچگی کے پوشیدہ کیس کی وجہ سے ماہر ڈاکٹر سے زچگی کروانے کا مشورہ دیا جائے، اگر کوئی ماہر اور تجربہ کار خاتون ڈاکٹر دستیاب نہ ہو اور مطلوبہ قابلیت کا صرف مرد ڈاکٹر ہی دستیاب ہو، تو ایسی

صورت میں مرد ڈاکٹر سے زچگی کروانا جائز ہوگا لیکن یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ اجازت مخصوص حالات کے لئے ہے، اس قسم کے ہنگامی حالات میں اجازت انفرادی مریض کے لئے دی جاتی ہے، سب کو نہیں، اور وہ کیس کی نوعیت اور اس میں درپیش خطرات کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر زندگی بچانے کے لئے حرام گوشت کی اجازت دی گئی ہے، لیکن گوشت صرف اتنی مقدار میں استعمال کرنا جائز ہے، جس سے جان بچائی جاسکے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر زچگی کا عمل کوئی عورت دایہ یا لیڈی ڈاکٹر انجام دے سکتی ہو، تو عورت سے علاج کروانا فرض ہے، ایسی صورت میں مرد ڈاکٹر سے علاج کروانا جائز نہیں ہے، اگر عورت میسر نہ ہو، جو زچگی کا عمل انجام دے سکے، تو پھر ضرورتاً مرد سے علاج کروانا بھی جائز ہے۔

"قال فی الدر: ومداواتها ينظر الطبيب موضع مرضها بقدر الضرورة و ينبغي أن يعلم إمرأة تداويها لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف"۔(۱)

ترجمہ: اور عورت کا علاج طبیب بقدر ضرورت عورت کے مرض کی جگہ کی طرف دیکھ سکتا ہے اور طبیب کو چاہئے کہ وہ کسی عورت کو اس کا علاج سکھا دے، اس لئے کہ جنس کا جنس کی طرف دیکھنا آسان ہے۔

اگر کوئی بیماری ایسی ہو جس میں عورت کو نا قابل برداشت تکلیف ہو، یا کوئی ایسا آپریشن ہو کہ جس کے بغیر عورت کی ہلاکت کا اندیشہ ہو اور کوئی لیڈی ڈاکٹر بھی میسر نہ ہو، جو تسلی بخش علاج کر سکے، اور کسی عورت کو دواء وغیرہ بتا کر علاج کرنا بھی ممکن نہ ہو، تو سخت مجبوری کی صورت میں عورت مرد Gynaecologist کے پاس جاسکتی ہے، لیکن اس مجبوری کی صورت میں بھی یہ ضروری ہے کہ عورت کے بدن کو پورا ڈھانپ لیا جائے، تاکہ اس کا باقی بدن چھپا رہے۔

ڈاکٹر صرف بقدر ضرورت نظر ڈال سکتا ہے، ڈاکٹر صرف علاج کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے،

---
(۱) درمختار: ۹/ ۶۱۱۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

باقی جسم سے ڈاکٹر اپنی نگاہ نیچی رکھے، اس میں بھی بہتر صورت یہ ہے کہ ڈاکٹر کے پاس عورت کا محرم، یا کوئی دوسری عورت یا عورت کا شوہر موجود رہے، تاکہ ڈاکٹر کے ساتھ تنہائی لازم نہ آئے۔

علامہ وھبۃ الزحیلی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

"وإن تتم معالجة الطبيب للمرأة هذه بحضور محرم أو زوج أو امرأة ثقة خشية الخلوة"۔(١)

ترجمہ: اور یہ کہ ڈاکٹر عورت کا علاج کرے محرم یا شوہر یا کسی عورت کی موجودگی میں کرے تنہائی سے بچتے ہوئے تاکہ تنہائی لازم نہ آئے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"إذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج يجوز النظر إليه عند الدواء لأنه موضع ضرورة، وإن كان في موضع الفرج فينبغي أن يعلّم امرأة تداويها، فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلك أو يصيبها وجع لا تحتمله يستروا منها كل شيء إلا موضع العلة"۔(٢)

ترجمہ: جب بیماری عورت کے شرمگاہ کے علاوہ باقی بدن میں ہو، تو ڈاکٹر کے لئے علاج کے وقت اس کی طرف دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ یہاں ضرورت ہے اور اگر مرض شرمگاہ میں ہے، تو چاہئے کہ کسی عورت کو اس کا علاج سکھا دیا جائے، پس اگر کوئی عورت ایسی نہ ہو اور عورت کی ہلاکت کا خوف ہو یا اس کو ایسی تکلیف پہنچے جسے وہ برداشت نہ کر سکتی ہو، تو اس کے پورے بدن کو چھپا دیا جائے سوائے بیماری کی جگہ کے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت عورت کا مخصوص آپریشن مرد ڈاکٹر کر سکتا ہے، جب اور کوئی صورت نہ ہو، البتہ اس صورت میں ڈاکٹر کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے، یعنی

---

(١) الفقہ الاسلامی وادلتہ: ٧/٥٢٣٩

(٢) ردالمحتار: ٩/٦١٢

ان شرائط کے ساتھ مرد عورت کا آپریشن کر سکتا ہے:

(۱) اس علاج کی ایسی ماہر لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہو، جس سے تسلی بخش علاج ہو سکے اور کسی عورت کو دواء وغیرہ بتا کر علاج کرنا بھی ممکن نہ ہو۔

(۲) آپریشن واقعی ضروری ہو، اس کے بغیر عورت کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

(۳) ڈاکٹر مریضہ کے صرف اس حصے کو دیکھے جہاں بیماری ہے، باقی پورا جسم عورت کا اچھی طرح چھپا ہوا ہو۔

(۴) ڈاکٹر دوران علاج مریضہ کے باقی اعضاء سے نگاہ نیچے رکھے، یعنی دوسرے اعضاء سے اپنی نظر کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

(۵) حتی المقدور اپنے دل کو شہوت سے بچا کر رکھے اور دوران علاج ڈاکٹر استغفار کی کثرت بھی کرے، تو زیادہ بہتر ہوگا۔

## دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی کا فتویٰ:

سوال: ایک مسلمان عورت کے پاؤں پر دو سال سے دانہ موجود ہے، جس کا سائز ایک چھوٹے پیسے کا ہے اور وہ خشک اور کالا پن ہو گیا ہے، نیز اگر چہ وہ عورت پیدل چل سکتی ہے، اس کو تکلیف محسوس ہوتی ہے، مقامی لیڈی ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ سرجری سے یہ دانہ الگ کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ سرجن مرد ہوگا، آیا ایسی سرجری مرد سرجن سے کروانا جائز ہے جبکہ

(۱) جان کو خطرہ نہیں اور سرجری نہ کرنے سے کسی عضوء کا تلف ہونے کا اندیشہ نہیں۔

(۲) اگر کسی اور لیڈی سرجن کو تلاش کیا جائے تو بہت وقت لگ جائے گا۔ نیز دوسری سرجری کے ساتھ رجسٹر کرنا پڑتا ہے اور پہلی سرجری کو ترک کرنا پڑتا ہے، جسکی وجہ سے بہت وقت لگتا ہے اور کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً: صورت مسئولہ میں مذکورہ مسلمان عورت اپنے پاؤں

کے دانے کا علاج مرد سرجن سے کرواسکتی ہے، البتہ ضروری ہے کہ وہ اپنے بدن کا اتنا ہی حصہ کھولے جو علاج کروانے کے لئے ضروری ہے، ضرورت سے زائد حصہ ہرگز نہ کھولے۔(۱)

## آپریشن کے بعد ولادت کی صورت میں خون کا حکم:

اگر کسی عورت کے ہاں ولادت آپریشن کے ذریعے ہوا، تو اگر خون زخم کی جگہ سے آرہا ہو، تو اس پر زخم ہی کے احکامات جاری ہوں گے، نہ کے نفاس کے، یعنی اس سے نماز روزہ وغیرہ ساقط نہیں ہوں گے اور اگر خون رحم سے آرہا ہو، تو اس پر نفاس کے احکامات جاری ہوں گے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"فلو ولدته من سرتها إن سالت الدم من الرحم فنفساء، و إلا فذات جرح "۔(۲)

پس اگر عورت نے بچہ ناف سے جنا، تو اگر خون رحم سے نکلا، تو وہ نفاس والی ہوگی، ورنہ وہ زخم کا خون ہوگا۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"(قوله من سرتها )عبارة البحر من قبل سرتها بأن كان ببطنها جرح فانشقت وخرج الولد منها ( قوله فنفساء ) لأنه وجد خروج الدم من الرحم عقب الولادة " بحر " (قوله و إلا )أى بأن سال الدم من السرة"۔(۲)

"من سرتها " بحر کی عبارت اس طرح ہے" من قبل سرتها "یعنی کہ اس عورت کے پیٹ میں زخم ہو اور وہ پھٹ جائے اور اس سے بچہ نکلے ( قوله فنفساء ) اس لئے نفاس ہوگا کہ خون کا نکلنا پایا گیا رحم سے ولادت کے بعد۔

(۱) حلال غذا، جدید طب اور سائنس، ص:۱۵۳

(۲) درمختار:۱/۵۴۵۔مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

(۳) حوالہ بالا

خیر الفتاویٰ میں ہے:

بعض اوقات ولادت میں پیچیدگیوں کی وجہ سے بڑے آپریشن کے ذریعہ بچہ پیٹ سے نکالا جاتا ہے، تو اس صورت میں نفاس کے احکام کیا ہوں گے؟

الجواب: اگر آپریشن کے بعد خون رحم سے جاری ہو جائے، تو وہ نفاس کے حکم میں ہے اس پر نفاس والے احکام جاری ہوں گے اور اگر صرف آپریشن ہی کی جگہ سے نکلے اور رحم سے نہ آئے، تو وہ زخم کے حکم میں ہے، اس صورت میں نماز وغیرہ ساقط نہیں ہوں گے۔(۱)

فتاویٰ عباد الرحمٰن میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل بعض اوقات بچے کی پیدائش آپریشن کے ذریعہ ہوتی ہے، اب اس کے بعد جو خون آتا ہے، یہ خون نفاس میں شامل ہے یا نہیں؟

جواب: نفاس اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچے کے پیدائش کے بعد عورت کے رحم سے آئے بچہ فطری طریقہ سے پیدا ہو، یا آپریشن کے ذریعہ سے، لیکن آپریشن کے بعد اگر خون آپریشن کی جگہ سے آئے، تو یہ نفاس نہیں ہے اگر رحم سے آئے، تو یہ نفاس شمار ہوگا۔(۲)

---

(۲) فتاویٰ عباد الرحمٰن: ۱/۳۱۵

(۱) خیر الفتاویٰ: ۲/۱۴۶

# (۸)

# آٹھواں باب

# آپریشن برائے نس بندی

خاندانی منصوبہ بندی یا بہبودِ آبادی کے جاذب عنوان سے تحدید ولادت کی جو تحریک چل رہی ہے، یہ ایک علاقائی یا ملکی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ بین الاقوامی مسائل کی فہرست میں اس کو خاص جگہ دی گئی ہے، اس کی پشت پر دنیا کی وہ بڑی طاقتیں کھڑی ہیں، جو مادر پدر آزاد معاشرہ کے قیام کے علم بردار ہیں، اور اپنے مقررہ اہداف تک رسائی کے لئے ایک آسان راستہ سمجھتی ہیں، گویا اس میں کسی مجبوری اور قابل رحم صنف یا کسی شخص کی خیر خواہی کم اور آزاد معاشرہ کے قیام کا عمل زیادہ کارفرما ہے، تاہم یہ الگ مسئلہ ہے کہ عیاری اور چالاکی سے کام لے کر کبھی اس کو خواتین کے حقوق کے چارٹر میں ڈالا جاتا ہے، اور کبھی اس کو نادار اور مفلس معاشرہ کی خیر خواہی اور ہمدردی کا لباس پہنایا جاتا ہے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

"آج کل ضبط ولادت کی حکومتی سطح پر حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اس مقصد کے لئے ایک خطیر سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے، اہل حق اور علماء کرام ہمیشہ سے اس مہم کی حوصلہ شکنی کرتے آئے ہیں، اس لئے کہ ضبط ولادت مہم کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اہل مغرب اور دشمنان اسلام نے مسلمانوں کو ڈرایا کہ اگر آبادی بڑھ گئی تو ان کے لئے اسباب معاش مہیا کرنا تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا، در اصل وہ اس مہم کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف یہ سازش کر رہے ہیں کہ کسی

طرح دنیا کے اندر مسلمانوں کی تعداد کم سے کم ہو، تاکہ مسلمانوں کی افرادی قوت کم ہو جائے اور وہ مغرب کے مظالم سے ٹکرانے کے بجائے اس کی غلامی کا قلادہ گردن میں ڈالنے پر مجبور ہو جائیں"۔(۱)

## تاریخ ضبط ولادت:

ازمنۂ قدیم سے مانع حمل طریقے خصوصاً عورتوں کے استعمال کے لئے رائج ہیں، لیکن ان کا علم صرف حکماء یا پیشہ ور عورتوں ہی کو تھا، اس راز سے غالباً دور زوال کی رومی عورتیں بھی باخبر تھی جن کے بانجھ پن کو ہجو و تمسخر کرنے والوں نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

ضبط ولادت کی تدابیر میں سب سے پہلی تدبیر جس کا علم ہوا دو ہزار قبل مسیح کا مصری papyrus ہے، یہ عورت کے استعمال کے لئے ایک مرکب دواء تھی، جو گرمچھ کے فضلہ، شہد، سوڈے اور گوند جیسی شے پر مشتمل تھی۔

ازمنہ وسطیٰ میں فارسی اطباء اکتیس نسخوں سے واقف تھے، ان میں سے صرف نو مردوں کے استعمال کے لئے تھے، اٹھارویں صدی تک یورپ ان سے بالکل ناواقف تھا۔

فرانس غالباً پہلا جدید ملک تھا جس نے ان کا بڑا وسیع استعمال کیا جس کا ثبوت مالتھس کے دور میں فرانس میں آبادی کی شدید قلت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

موجودہ دور میں ضبط ولادت کی تحریک کی ابتداء انگلستان میں مالتھس کے ڈرانے کے بعد ہی ہوئی۔ 1832ء میں ایک امریکی charles knowlton نے ایک پمفلٹ فلسفہ کے نام سے لکھا جس میں مانع حمل تدابیر کا ذکر تھا۔

تحریک چلانے والوں کا راستہ خاصا دشوار تھا اور ان کا لٹریچر فحش و ناشائستہ قرار دیا گیا اور اکثر اوقات حکام کی جانب سے ضبط کرلیا جاتا تھا، 1877ء میں اینی بیسنٹ اور چارلس بریڈلا پر نولٹن کے پمفلٹ بیچنے پر مقدمہ چلایا گیا، لیکن اس منسلکہ تشہیر نے مالتھوسین لیگ کے قائم کرنے میں مدد دی۔

---

(۱) درس مسلم: ۲/۴۱۴۔ ادارۃ المعارف کراچی

1878ء میں ہالینڈ میں ضبط ولادت کلینک قائم کرنے کی کامیابی الیٹا جیکبز کو حاصل ہوئی، 1921ء میں اس جیسا ایک اور مطب Dr , stopes کی کوششوں سے لندن میں قائم ہوا۔

1919ء میں جب بروکلن میں مارگریٹ سینگر نے اپنا مطب کھولا تو پولیس نے اسے بند کرادیا اور مس سینگر کو بیس دن کی قید کے لئے جیل بھیج دیا گیا لیکن ان رکاوٹوں سے مایوس یا خوف زدہ نہ ہوئی اور اس نے سب سے پہلے ضبط ولادت تنظیم ضبط ولادت لیگ Birth control league کے نام سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں قائم کی۔

1923ء میں وہ اپنا مستقل مطب کھولنے میں کامیاب ہوئی، اس کی کوششیں بتدریج بارآور ہوئیں اور اس صدی کی تیسری دہائی میں مانع حمل تدابیر کے خلاف پابندیاں کچھ نرم کی گئی۔

1936ء میں ضبط ولادت کے بارے میں معلومات بذریعہ ڈاک ارسال کرنے کے خلاف قانون ختم کیا گیا، عدالتی فیصلوں نے آہستہ آہستہ مانع حمل تدابیر کے خلاف ریاستی قوانین کو ختم کیا، فی الوقت اکثر کلیسا ضبط ولادت کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ رومن کیتھولک کلیسا اب تک سوائے Rhythim طریقے کے اور ہر قسم کی تدبیر پر پابندی عائد کرتا ہے۔

1967ء دسمبر میں اقوام متحدہ کی ایک پالیسی اسٹیٹمنٹ وضع کی گئی اور 126 رکن اقوام میں سے تیس نے اس پر دستخط کئے جن مین سے ایک پاکستان بھی ہے۔(۱)

موجودہ دور میں منع حمل کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، جن میں سے بعض تدابیر تو وہ ہیں جو بعض حالات میں جائز بھی ہیں اور بعض وہ ہیں جو کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے، منع حمل کی جو تدبیریں دائمی اور مستقل نوعیت کی اب تک مشہور ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) نس بندی Vasectomy اس میں بارآور کرنے والی نسوں کو دونوں جانب سے

---

(۱) فقہی مضامین، ص:۲۹۷۔ مجلس نشریات اسلام کراچی

یا کسی ایک جگہ سے کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے، تا کہ مادہ منویہ کا افراز وانزال ختم ہو جائے۔

(۲) گرہ بندی Tubal liation اس میں بار آور کرنے والی نس کو کاٹے بغیر اس طرح باندھ دیا جاتا ہے کہ مادہ منویہ کا افراز رک جائے۔

(۳) تقطیع وتخریج Hystrection اس میں عورت کی بیضہ دانی (رحم) کو کاٹ کر شکم سے باہر نکال دیا جاتا ہے، تا کہ بار آور نہ ہو سکے۔

یہ تینوں طریقے عمل جراحی (آپریشن) کے نتیجے میں عمل میں لائے جاتے ہیں، اس سے ملتی جلتی ایک چوتھی شکل جو انتہائی پیچیدہ اور مشکل ہے، وہ اسقاط حمل ہے، اس کا حکم ہم بعد میں بیان کریں گے، نس بندی کی صورتیں مردوں کے لئے الگ اور عورتوں کے لئے الگ ہیں۔

## خواتین کے لئے آپریشن:

اس آپریشن میں فیلوپین ٹیوبز کو کاٹ کر بند کر دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں انڈا رحم میں جا کر بار آور نہیں ہو پاتا، لہٰذا جس کی وجہ سے حمل قرار نہیں پاتا۔ اس آپریشن کو میڈیکل میں Tubal liation کہا جاتا ہے۔

اس آپریشن میں دیگر اعضاء تولید بالکل محفوظ رہتے ہیں اور اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں جبکہ بیضہ دانیاں ovaries بھی اپنا کام کرتی رہتی ہیں، لیکن ان کے اندر بننے والا انڈا رحم میں داخل ہی نہیں ہو سکتا، لہٰذا حمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مانع حمل آپریشنوں میں یہ آپریشن سب سے محفوظ تر ہے۔

اس آپریشن کو نل بندی بھی کہتے ہیں، چند منٹ کے عرصے میں یہ آپریشن ہو جاتا ہے اور مریضہ کچھ ہی دیر میں گھر روانہ کر دی جاتی ہے، البتہ اس آپریشن کے بعد اگر کوئی عورت بچوں کی خواہش کرنے لگے اور چاہے کہ اسے حمل ہو جائے، تو یہ آپریشن دوبارہ بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

## مرد حضرات کے لئے مانع حمل سرجری:

اس سرجری (آپریشن) کو "Vasectomy" کہتے ہیں، اس سرجری کے بعد مرد بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتا، لیکن اس کی مردانہ قوت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، مقامی جگہ کو سن کر کے چند منٹ میں یہ آپریشن ہو جاتا ہے، اس آپریشن کو "نس بندی" بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ فوطے منی کے جراثیم (Sperm) بناتے ہیں اور یہ Sperm ایک نالی Duct Spermatic کے ذریعے آگے جاتے ہیں، سرجری میں یہ Duct Spermatic کاٹ کر بند کر دی جاتی ہے، لہٰذا Sperm یعنی جراثیم جو بچہ پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں، وہ عورت کے رحم میں نہیں پہنچ پاتے اور اس طرح بچہ پیدا نہیں ہو پاتا۔

## نس بندی کا حکم:

نس بندی کرانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے، شرعاً اس کی اجازت کسی بھی صورت میں نہیں دی جاسکتی، کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرنا جس میں بالکلیہ اور دائمی طور پر مرد کی تولیدی قوت اور عورتوں کی حاملہ ہونے کی قوت ختم کر دی جائے ناجائز اور حرام ہے۔

## وجوہ دلائل:

۱)......قرآنی آیت:

﴿ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾(۱)

اور

﴿ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ ﴾(۲)

(۱) سورۃ البقرہ، آیت: ۱۸۷

(۲) سورۃ النساء، آیت: ۲۴

سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا شرعی مقصد اولاد کا طلب کرنا ہے، نہ کہ محض شہوت رانی، منع حمل کی تدبیر اختیار کرنے کے بعد یہ مقصد ختم ہو جاتا ہے، جو شریعت کے مقصد کے خلاف ہے۔

۲)......حدیث میں آیا ہے:

"تزوجوا الولود الودود فإني مكاثر بكم الأمم"۔ (۱)

اور اس مفہوم کی دوسری روایتوں سے شارع علیہ السلام کی ہدایت تو یہ نکلتی ہے کہ تکثیر نسل اور افراد امت کی زیادتی مطلوب ہونی چاہئے، جب کہ منع حمل سے اس کی قطعا خلاف ورزی ہوگی، جو کہ شارع علیہ السلام کی خواہش کے خلاف ہے۔

۳)...... یہ تغییر لخلق اللہ ہے اور ابلیس لعین کے منصوبے کی تکمیل ہے، جو نصا حرام ہے۔

۴)...... یہ حکما بنی آدم کو خصی کرنا ہے، روایات صحیحہ اور اجماع امت نے اس کی حرمت ثابت ہے، اس لئے منع حمل کی تمام صورتیں نا جائز اور حرام ہیں۔

## مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ کی رائے:

حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ لکھتے ہیں:

"نس بندی میں آپریشن کے ذریعے مرد یا عورت کی قوت تولید ختم کر دی جاتی ہے، مگر قوتِ جماع باقی رہتی ہے، جس سے وہ اپنی شہوت تو پوری کر لیتے ہیں، صرف بچہ کی پیدائش کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، قوت تولید ختم کرنے کی ایک قدیم صورت وہ تھی کہ مرد اپنے کو خصی بنا لیتا تھا، جیسا کہ جانوروں کے سلسلے میں یہ عمل رائج ہے، جس سے قوت تولید کے ساتھ ساتھ قوت جماع بھی ختم ہو جاتی تھی اس کو اسلام نے قطعی حرام قرار دیا ہے۔

جیسا کہ بعض صحابہؓ نے اس کا ارادہ کیا، تو آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا، لیکن نس بندی میں چونکہ قوت جماع باقی رہتی ہے، اس لئے اس پر بھی وہی حکم

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح (۱/۵۶۰) رقم الحدیث: (۳۰۹۱) بیروت

لگایا جائے گا، یا اس کی نوعیت جائز قرار دی جائے گی؟ یہ مسئلہ بہت دنوں سے زیر غور ہے، کچھ لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں، مگر راقم الحروف کے نزدیک یہ بالکل ناجائز ہے۔

اس کے دلائل یہ ہیں:

عام فقہاء دیت کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ کسی کے زخمی کرنے سے کسی کا کوئی عضو بے کار ہو جائے، تو اس میں یا تو قصاص ہوگا یا پھر دیت ہوگی؟، الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے مرتب الجنایہ علی الاطراف کے تحت لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص انسان کے کسی عضو کو ضائع کر دے، تو اس کے بدلے میں اس کا عضو بھی ضائع کیا جائے گا، بشرطیکہ اس عضو سے جو فائدہ اس کو پہنچ رہا تھا، وہ بالکل نہ پہنچے، اگر کچھ فائدہ پہنچ رہا ہے، تو اس اعتبار سے دیت ہوگی۔

اگر کوئی کسی شخص کا عضو تناسل یا اس کا حشفہ کاٹ دے تو کچھ لوگ پوری دیت کے قائل ہیں اور اکثر فقہاء اس میں تاوان کے قائل ہیں:

"عند أكثر الفقهاء إن في الخصي والعنين حكومة"۔

اکثر فقہاء کے نزدیک اختصاء کرنے والے کے اندر گو جماع کی قدرت نہیں رہ جاتی، اسی طرح عنین کا عضو بے کار ہو جاتا ہے، لیکن اگر اس کا عضو تناسل کو زخمی کر دے، تو حاکم اس پر تاوان عائد کرے گا، پھر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے جواب لکھتے ہیں:

جو شخص اپنے کو خصی بنالیتا ہے اور وہ اپنے عضو تناسل کو فرج میں داخل کرنے کی قدرت رکھتا ہے جو کمی ہوتی ہے وہ یہ کہ اولاد پیدا نہیں ہوگی، اس طرح نامرد ہونا عیب ہے، مگر دوسری چیزوں میں اس لئے کہ شہوت قلب میں ہوتی ہے اور عضو تناسل ان دونوں میں سے کسی کا محل نہیں ہے، وہ نقص سے پاک سمجھا جائے گا، یہی حکم حشفہ کا بھی ہے۔

کسی عضو کو شل کر دینے کے سلسلے میں صاحب اقناع لکھتے ہیں: کسی عضو کے شل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا جو کام ہے، یا جو فائدہ اس سے ہو رہا ہے، وہ نہ ہو (مثلاً ہاتھ سے پکڑنے کا کام، پیر سے چلنے کا کام، عضو تناسل سے قضاء شہوت کا اور چھاتی سے دودھ پینے کا) اور گونگے کی زبان یا نابینا کی شکل آنکھ کو مجروح کرنا (بھی حرام ہے)۔

انسان کے ایسے اعضاء جن سے منفعت پوری حاصل نہیں ہوتی ہے، یا وہ شل ہو گیا ہے، ان کو بھی کوئی زخمی کر دے، تو اس پر تاوان ہوگا۔

بعض لوگ یہ غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ حدیث میں اختصاء (خصی بنانے) سے روکا گیا ہے، جس میں قوت جماع اور قوت تولید دونوں ختم ہو جاتی ہے، مگر نس بندی میں صرف قوت تولید ہی ختم ہوتی ہے، قوت جماع باقی رہتی ہے، اس لئے اس پر وہ حکم نہیں لگایا جا سکتا، لیکن جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ کسی بھی فطری قوت کو ختم کرنا یا کسی عضو کا کاٹ دینا یا زخمی کر دینا خواہ دوسرا کوئی کرے، یا خود وہ آدمی اپنے عضو کیساتھ کرے، تو یہ شریعت کے نزدیک جرم (جنایت) ہے اور اس کی سزا ہے، اب اگر کسی عضو کی پوری منفعت ضائع ہو جائے، تو بڑا جرم ہوگا اور اگر کچھ باقی رہے اور کچھ ضائع ہو جائے، تو اسی اعتبار سے جرم شمار ہوگا، جیسا کہ اوپر فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے کہ جس قدر منفعت میں کمی ہوگی، اس کے بقدر دیت تاوان میں کمی ہوگی، مگر بہر حال اس کے جرم ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ وہ صورتیں جن میں مکمل دیت واجب ہوتی ہے، ان میں دو باتوں پر غور کرنا ہے، ایک سبب، دوسرا شرط، دیت کے واجب ہونے کا سبب اس نفع سے محرومی ہے جو کسی عضو کا مقصود ہوتا ہے، نفع کا فقدان اور محروم ہونا دونوں صورتوں میں ہوگا، ایک تو یہ کہ عضو کو ہی ختم کر دیا جائے، دوسرے یہ

کہ عضو تو باقی رہے، لیکن اس سے جو کام لینا مقصود ہے، وہ اس کام کے لائق نہ رہے، آگے علامہ کاسانی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس زمرے میں یہ صورت بھی آتی ہے کہ کسی کا آلہ تناسل تو باقی رہے اور توالد وتناسل کی قوت برباد کردی جائے۔(۱)

## مفتی سیف اللہ خالد مدظلہ العالی کی رائے:

''منع حمل کی ایسی صورت جو مستقل طور پر قوت تولید کو ختم کردے، جس کے لئے ہمارے زمانے میں مردوں کی نس بندی اور عورتوں کا آپریشن کیا جاتا ہے اصلاحرام ہے، قدیم زمانے میں اس کے لئے اختصاء کی صورت اختیار کی جاتی تھی، بعض صحابہ نے خود کو خصی کرنا چاہا، تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت عبادت کے لئے یکسو کرسکیں، تو آپ ﷺ نے منع فرمایا (آگے فرماتے ہیں) اسی بناء پر فقہاء نے بھی اختصاء کو حرام قرار دیا ہے۔

قاضی ابوالحسن لکھتے ہیں: ویمنع من خصاء الآدميين والبهائم ويؤدب عليه منع کیا جائے گا انسان اور جانوروں کو خصی کرنے سے اور اس پر سزا بھی دی جائے گی۔(۲)

حافظ ابن حجرؒ نے نہ صرف اختصاء بلکہ ایسی ادویہ کے استعمال کو بھی حرام قرار دیا ہے اور اس پر اتفاق نقل کیا ہے جو قوت تولید کو ختم کردے:

"والحجة فيهم أنهم اتفقوا على منع الجب والخصاء فيلحق بذلك معناه من التداوی بالقطع أصلا "۔(۳)

فقہاء شوافع میں سے علامہ بجیریؒ نے بھی مستقل طور پر قوت تولید کو ختم کرنے کو

(۱) اسلامی فقہ:۲/ ۲۱۹۔ پریگریسو بکس لاہور
(۲) مجلہ الاحکام السلطانیہ
(۳) فتح الباری: (۹/ ۹۷)

حرام قرار دیا ہے اور مستقل اور عارضی منع حمل میں فرق کیا ہے:

"ویحرم استعمال ما یقطع الحبل من أصله إما ما یبطئ الحمل مدة و لا یقطعه فلا یحرم بل إن کان لعذر کتربیة ولد لم یکره وإلا کره"۔(۱)

ایسی چیز کا استعمال حرام ہے، جو صلاحیت حمل کو بالکلیہ ختم کر دے، ہاں ایسی چیز جو قوت حمل کو بالکل ختم تو نہ کرے، مگر عارضی طور پر روک دے، حرام نہیں ہوگا، بلکہ اگر کسی عذر مثلاً بچوں کی تربیت و پرورش کی غرض سے کی ہے، تو مکروہ بھی نہیں، ورنہ یہ صورت بھی مکروہ ہے۔(۲)

## فتاویٰ بینات میں ہے:

کوئی ایسی صورت اختیار کرنا کہ جس سے جنس کی خواہش ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور تولید کی قابلیت نہ رہے، باجماع امت ناجائز اور حرام ہے۔(۳)

## حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی کا فتویٰ

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

"کوئی ایسی دواء یا تدبیر اختیار کرنا کہ ہمیشہ کے لئے ولادت کی صلاحیت ختم ہو جائے یا حمل قرار نہ پائے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں، کثرت آبادی کے خوف سے پیدائش کو محدود کرنا نظام خداوندی میں دخل اندازی ہے، خداوند قدوس نے جتنی جاندار مخلوق پیدا کی ہے سب کے لئے رزق کا وعدہ فرمایا ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾(۴) زمانہ جاہلیت میں

(۱) حاشیۃ الخطیب: (۴/۴۰)
(۲) خاندانی منصوبہ بندی: ۳۱۴
(۳) فتاویٰ بینات: ۴/۳۳۱۔ مکتبہ بینات کراچی
(۴) سورہ ہود، آیت: ۶

قلت رزق کے خوف سے لوگ اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے، آج کی فیملی پلاننگ بھی اسی تصویر کی ایک مہذب تصویر ہے قرآن پاک میں اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ﴾(۱) یعنی فقر کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو"۔(۲)

## حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کی رائے:

"ملازمت قائم رکھنے یا ملازمت کی سہولتیں اور آسائشیں حاصل کرنے کے لئے خود کا یا اپنی عورت کا آپریشن کرا کر ہمیشہ کے لئے اولاد سے محروم ہو جانا اور خصی ہو جانا کفران نعمت ہے اور شرعاً ناجائز اور حرام ہے"۔(۳)

## مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کا فتویٰ:

سوال: ضبط ولادت اور اسقاط حمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب: ضبط تولید اسقاط حمل دونوں کی مجموعی طور پر چار صورتیں بنتی ہیں:

(۱) قطع نسل: یعنی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی وجہ سے دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جائے۔

(۲) منع حمل: یعنی ایسی صورت اختیار کرنا کہ قوت تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار نہ پائے۔

(۳) حمل ٹھر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے اس کو ساقط کرنا۔

---

(۱) سورہ اسراء، آیت:۳۱

(۲) فتاویٰ محمودیہ:۱۸/۳۰۷

(۳) فتاویٰ رحیمیہ:۱۰/۱۸۲۔ کتاب الحظر والاباحہ۔ دارالاشاعت کراچی

(۴) چار ماہ گزر جانے کے بعد حمل گرانا۔

احکام: پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں اور خواہ اس کے دواعی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں۔

دوسری صورت کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ بلا عذر یہ صورت اختیار کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور درج ذیل اعذار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔

(۱) عورت اتنی کمزور ہے کہ بار حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔

(۲) عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام میں ہے جہاں اس کا مستقل قیام وقرار کا ارادہ نہیں اور سفر کسی ایسے ذریعے سے ہے کہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہوں۔

(۳) زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا قصد ہے

(۴) پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

(۵) یہ خطرہ ہو کہ فساد زمانہ کی وجہ سے بچہ بد اخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب ہوگا۔

اگر کوئی ایسی غرض کے تحت حمل روکے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے تو اس کا عمل بالکل نا جائز ہوگا، مثلاً کثرت اولاد سے تنگی رزق کا خیال ہو، یا یہ وہم ہو کہ بچی پیدا ہوگئی، تو عار ہوگی۔

تیسری صورت بلا عذر نا جائز اور حرام ہے، البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً

(۱) حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہوگیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن یا متعذر ہو۔

(۲) کوئی حاذق دیندار طبیب عورت کا معائنہ کر کے کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا، تو عورت کی جان، یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی گنجائش نہیں۔(۱)

## ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کی رائے:

''ضبط ولادت کی وجہ سے مرد کوئی آپریشن کرائے، یا عورت کوئی آپریشن کرائے سب ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ اس میں تغییر لخلق اللہ ہے''۔(۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ دور میں نس بندی آپریشن کے ذریعے کی جاتی ہے، جس کے بعد مرد ہو یا عورت بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، ایسا آپریشن کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، البتہ اضطراری حالت میں جس طرح خنزیر یا شراب کا پینا جائز ہے، اسی طرح آپریشن کر کے عورت کا رحم نکالنا بھی اضطراری حالت میں جائز ہے۔

مثلاً ایک ایسی عورت ہے جس کے لئے وضع حمل اور اسقاط حمل دونوں ہی جان لیوا ثابت ہونے کا شدید خطرہ ظن غالب کے درجے میں یقینی ہو، یا ولادت آپریشن سے ہوتی ہو اور تین آپریشن ہو چکے ہوں اور چوتھا آپریشن ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق جان لیوا ثابت ہو، اس قسم کی عورت کے لئے اس آپریشن کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ بعض اوقات عارضی منع حمل تدابیر اختیار کرنے کے باوجود استقرار حمل کا امکان رہتا ہے، بلکہ استقرار ہو جاتا ہے، مثلاً مرد کا پلاسٹک کا غلاف پھٹ جائے، یا دواء مرہم بے اثر ہو جائے، خود عزل جوان اشیاء کی نظیر ہے کے بارے میں استقرار حمل کا امکان احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

## حدیث نمبر(۱):

''عن جابرؓ قال إن رجلا أتى رسول الله ﷺ فقال إن لي جارية هي خادمتنا و أنا أطوف عليها وأكره أن تحمل، فقال أعزل عنها إن شئت، فإنه سيأتيها ما قدر لها، فلبث الرجل، ثم أتاه فقال إن

(۱) احسن الفتاوی: ۸/ ۳۴۷۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

(۲) فقہ اسلامی، ص: ۸۱۔ مجلس نشریات اسلام کراچی۔ مسائل بہشتی زیور ۲/ ۸۴

الجارية قد حبلت فقال قد أخبرتكم أنه سيأتيها ما قدر لها"۔(۱)

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضورﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک باندی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے اور میں اس سے ہمبستر ہوتا ہوں، میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ اسے حمل ٹھہر جائے، تو حضورﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو، تو عزل کرلو، جو اس کے مقدر میں ہے وہ پیدا ہو کر رہے گا وہ آدمی کچھ عرصہ ٹھہرا رہا پھر آیا اور کہا کہ باندی کو حمل ٹھہر چکا ہے، حضورﷺ نے فرمایا میں نے تم کو خبر دی تھی کہ عنقریب اس کا بچہ ہوگا جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

## حدیث نمبر (۲)

"عن أبي سعيد الخدريؓ وقلنا نعزل ورسول الله ﷺ بين أظهرنا قبل أن نسئله فسألناه عن ذلك فقال ما عليكم إلا تفعلوا ما من نسمة كائنة إلى يوم القيمة إلا وهي كائنة"۔(۲)

ترجمہ: اور ہم عزل کرتے اور رسول اللہ ہمارے ہاں موجود تھے، آپ سے پوچھنے سے پہلے عزل کرتے، جب ہم نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا تمہارے پر کوئی گناہ نہیں، کہ تم یہ کرو نہیں کوئی جان جس نے پیدا ہونی ہے، قیامت کے دن تک مگر وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عزل کرنے کے باوجود بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔

## عزل اور نس بندی میں فرق:

فیملی پلاننگ کو جائز کہنے والے عموماً عزل کو بنیاد بناتے ہیں، اگر تھوڑی دیر کے لئے بحث

(۱) مشکوۃ المفاتیح: ۲/۲۷۵

(۲) مشکوۃ: ۲/۲۷۵

کے واسطے یہ استدلال درست مان لیا جائے، تو اس کی (عزل کی) اجازت فیملی پلاننگ کی شکلوں، بالخصوص نس بندی کو قیاس کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ خرگوش پر ہاتھی کا قیاس کرنا، محض اس بنیاد پر کہ دونوں جاندار ہیں، اور بغیر سینگ کے ہیں اور جو خصوصیات دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے والی ہیں، انہیں نظر انداز کر دیا جائے اور دونوں کا حکم یکساں بتایا جانے لگے۔

واقعہ یہ ہے کہ ''نس بندی'' اور عزل میں اتنی مشابہت بھی نہیں جتنی خرگوش اور ہاتھی میں ہے، ''عزل'' اور ''نس بندی'' کے درمیان جو بہت واضح اور نمایاں فرق نظر آتے ہیں، ان کو مختصراً ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) عزل میں دوسرے سے مدد نہیں لی جاتی (بلکہ نہیں لی جاسکتی) بخلاف نس بندی کے کہ یہ بغیر ماہر ڈاکٹر کے اور کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا۔

(۲) عزل میں کوئی عمل جراحی (آپریشن) نہیں ہوتا، بخلاف نس بندی کے کہ وہ تو آپریشن ہی سے کی جاسکتی ہے۔

(۳) عزل میں کسی ممنوع محل میں ستر کھولنا نہیں ہوتا، برخلاف نس بندی کے کہ اس میں ڈاکٹر کے سامنے بلا ضرورت شرعی کے ستر کھولنا پڑتا ہے اور ستر کھولنا حرام ہے، صرف واجب کاموں کے لئے (بیوی اور باندی کے علاوہ) کسی کے سامنے ستر کھولا جاسکتا ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ تنہا یہی ایک وجہ (ستر کا ڈاکٹر کے سامنے کھولنا) نس بندی کو حرام قرار دینے کے لئے کافی ہے، حالانکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب اس کی حرمت کے موجود ہیں۔

(۴) عزل میں کوئی انسانی عضو معطل نہیں ہوتا اور نہ اس کی اہم قوت اور منفعت زائل ہوتی ہے، بخلاف نس بندی کے کہ اس میں ایک اہم قوت معطل ہو جاتی ہے، اگر چہ کہا یہ جاتا ہے کہ دوبارہ آپریشن کے ذریعہ اس (قوتِ تولید) کو بحال کیا جاسکتا ہے (اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ دوبارہ آپریشن کے ذریعہ قوت

تولید بحال ہوسکتی ہے، تو کیا انسان کے کسی عضو کی اہم منفعت کا ختم کرنا مثلاً آنکھ
کی روشنی زائل کر دینا، خواہ چہرے کا حسن نہ
بگڑے، محض اس لئے جائز ہو جائے گا کہ دوبارہ آپریشن کر کے روشنی بحال کی جا سکتی ہے) مگر ماہر ڈاکٹروں نے یہ بتایا کہ دوبارہ قوت بحال کرنے والے آپریشن میں کامیابی کے امکانات صرف ایک سے پانچ فیصد تک ہیں اور امتداد زمانہ سے یہ امکان اور بھی کم ہوتا رہتا ہے، گویا کامیابی اور قوتِ تولید کی بحالی کا امکان نفی کے برابر ہے، پھر اس پر مستزاد یہ شرط کہ بحالی قوت کے آپریشن کروانے کی اجازت ڈسٹرک مجسٹریٹ سے لینا ضروری ہے، جس کا جوئے شیر لانے کے برابر محال ہونا محتاج بیان نہیں (ہمارے ملک پاکستان میں یہ شرط نہیں ہے "مرتب")

(۵) عزل کا عمل اور اس کا اثر بہت محدود ہوتا ہے، اگر بالفرض اس میں اثر مانا جائے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ منع حمل کے بارے میں عزل قطعی غیر موثر ثابت ہوا ہے، جیسا کہ ایک حدیث صحیح سے بھی ثابت ہے کہ ایک صاحب نے عزل کیا، مگر اس کے باوجود بچہ پیدا ہو گیا، اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے یہ کہہ دیا تھا کہ (اگر تو چاہے تو عزل کر لے، مگر ہوگا وہی جو مقدر ہے، یعنی اگر بچہ ہونا ہوگا تو عزل کے باوجود ہو جائے گا) اور نس بندی کے نتیجے میں اولاد سے محرومی یقینی اور تقریباً دائمی ہوتی ہے، اس بناء پر نس بندی بلاشبہ اختصاء کے مشابہ بلکہ اس کی ترقی یافتہ شکل ہے اور اختصاء کی حرمت منصوص اور متفق علیہ ہے، رہا یہ کہنا کہ نس بندی میں جماع کی قوت باقی رہتی ہے اور اختصاء میں نہیں رہتی، صحیح نہیں، کیونکہ اختصاء کی صورت میں بھی کبھی قوت جماع باقی رہتی ہے، اسی لئے خصی سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

(۶) عزل کرنے نہ کرنے کا ہمیشہ پورا اختیار رہتا ہے، بخلاف نس بندی کے کہ ایک بار

---

() دیکھئے ہدایہ آخرین: ۴/ ۴۴۷

کرا لینے کے بعد تقریباً ہمیشہ کے لئے قوت تولید سے محرومی ہو جاتی ہے، ان وجوہ کے علاوہ دونوں میں اور بھی بہت سے فرق تھوڑے سے غور و فکر کے بعد نظر آسکتے ہیں۔(۱)

## اضطراری حالت میں آپریشن کی اجازت:

اگر عورت کی صحت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہو اور ماہر دیانت دار ڈاکٹر یہ کہے کہ آپریشن کرانے کے بغیر صحت ممکن نہیں ہے، اگر آپریشن نہ کیا گیا تو عورت کی جان کو خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں جب آپریشن کے بغیر عورت کی جان کا بچنا ممکن نہ ہو، تو آپریشن کرانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے سخت مجبوری کی حالت میں عورت کے لئے نس بندی، یا آپریشن کی اجازت دی ہے، لیکن یہ صرف عورت کے لئے ہے مرد کے لئے کسی بھی صورت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: (۲۴۸) میری بیوی عرصہ دراز سے بیماری میں مبتلاء ہے جس کی بناء پر کمزور اور کم طاقت ہے، کوئی کام نہیں ہوسکتا، چھ سات برس سے یہ حالت ہے علاج معالجہ کے باوجود کوئی فرق نہیں، اس حالت میں ایام حمل میں طبعیت خراب رہتی ہے کمزوری میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، تو ایسی حالت میں آپریشن کرانا جائز ہے یا نہیں؟ ڈاکٹر و حکیم کہتے ہیں کہ تم آپریشن نہ کراؤ گے، تو طبیعت ایسی ہی رہے گی۔ بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا

الجواب: کمزوری اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے حمل کی قراری دشوار ہے، حمل برداشت نہیں ہوسکتا، تو اولاً ایسا علاج کیا جائے کہ کچھ عرصہ تک استقرار حمل نہ ہو، یعنی حمل نہ ٹھرے، پھر اگر یہ وقتی تدبیر مفید ثابت نہ ہو، تو بالآخر مسلمان

(۱) موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل، ص ۲۱۵۔ مولانا برہان الدین سنبھلی

دیندار تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق آپریشن کرانا جائز ہے، اس بارے میں غیر مسلم ڈاکٹر یا حکیم کی صلاح غیر معتبر ہے۔(۱)

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے ایک سوال (ایک شخص نے اپنی بیوی کا آپریشن کرایا ہے، اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟) کے جواب میں لکھا ہے اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی خرابی صحت کی بنیاد پر بڑے خطرے سے بچنے کے لئے معتبر ڈاکٹر کے مشورہ پر بیوی کا آپریشن کرایا ہے، تو وہ معذور ہے اور اگر محض زیادتی اولاد کے خطرے سے بچنے کے لئے ایسا کیا ہے، تو وہ فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔

قاضی شریعت کے اس جواب سے سخت مجبوری کی حالت میں عورت کے لئے آپریشن کرانے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

نیز مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ کے کتابچہ ''خاندانی منصوبہ بندی'' کی عبارت سے سخت مجبوری کی حالت میں عورت کے لئے آپریشن کرانے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''بلاشبہ یہ بات اہم اور قابل توجہ ہے کہ کسی عورت کی صحت اگر تجربہ کار طبیبوں کی نگاہ میں اس لائق نہیں ہے کہ وہ حمل اور ولادت کے دشوار گزار مرحلوں سے گزر سکے اور اس کی جان کو خطرہ یا کسی بڑے نقصان کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں اس عورت کو ایسے جائز طریقوں کے استعمال کی رائے دی جاسکتی ہے، جو اس کی صحت جسمانی اور جان بچانے کے لئے ضروری ہو''۔(۲)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ کے ایک فتویٰ سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت جب اور کوئی چارہ نہ ہو اور عورت کی جان کو خطرہ ہو، تو آپریشن کر کے رحم نکال سکتی ہے۔

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۱۸۱۔ دارالاشاعت کراچی

(۲) خاندانی منصوبہ بندی، ص: ۱۵

## بچہ دانی کا نکلوانا:

چنانچہ فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال:[۸۸۰۹] میرے گھر میں جب حمل قرار پاتا ہے، تو بہت الجھن ہوتی ہے اور سخت قسم کی تکلیف ہوتی ہے اور جس قدر پیدائش کا زمانہ قریب آتا ہے، تکلیف بڑھتی جاتی ہے، پھر بچہ بھی ضائع ہوجاتا ہے، ڈاکٹر علاج کرتے کرتے عاجز آچکے ہیں، کوئی صورت نفع کی نہیں ہوتی، ولادت کے بعد بہت مدت تک علاج جاری رہتا ہے، تب تکلیف دور ہوکر قوت آتی ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ بچہ دانی نکلوادیجئے، پھر یہ تکلیف نہ ہوگی، براہ کرم فرمائیے کہ شرعا اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: اگر استقرار حمل اور ولادت کی وجہ سے ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے اور خطرناک امراض پیدا ہوجاتے ہیں، جن سے جان جانے کا قوی مظنہ ہوتا ہے، تو تحفظ کی اور صورتیں بھی ہیں، مثلاً عزل کرلیا جائے، یعنی جماع کے وقت منی علیحدہ نکالی جائے، فرج کے اندر انزال نہ کیا جائے، منع حمل دواء استعمال کی جائے جس سے علوق نہ ہونے پائے، یا بعد علوق حمل ضائع کردے، یا شوہر دوسری شادی کرلے موجودہ بیوی سے ہمبستری نہ ہو۔

اگر کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو، تو پھر بحالت مجبوری عورت کی جان بچانے کے لئے بچہ دانی نکلوانے کی بھی گنجائش ہے، جب تک دوسری صورت بھی قابل عمل ہو بچہ دانی نہ نکلوائی جائے، ممکن ہے کہ آئندہ حالات اور عمر کے تغیر سے موجودہ تکلیف اور امراض کی کیفیت ختم ہوکر بچہ سہولت سے پیدا ہوسکے، بچہ دانی نکلوانے کے بعد توقع ہی ختم ہوجائے گی، اور ایک عورت کو نسل کے اعتبار سے بے کار کردیا جائے گا۔ اور حمل اور ولادت کی تکلیف تو سب کو ہی ہوتی ہے، قرآن پاک سے ثابت ہے ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ

کُـرۡهًـا﴾(۱) ایسی عمومی تکلیف کی وجہ سے بچہ دانی نکلوانے کی اجازت نہیں ہے۔(۲)

''اہم فقہی فیصلے'' میں ہے:

''دائمی منع حمل کی تدابیر کا استعمال مردوں کے لئے کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، عورتوں کے لئے بھی منع حمل کی مستقل تدابیر ممنوع ہیں، سوائے ایک صورت کے، وہ استثنائی صورت یہ ہے کہ ماہر قابل اعتماد اطباء کی رائے میں بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کی جان جانے، یا کسی عضوء کے تلف ہو جانے کا ظن غالب ہو، تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کرا دینا، تاکہ استقرار حمل نہ ہو سکے جائز ہے''۔(۳)

انتہائی سخت مجبوری کی حالت میں عورت کے لئے اس کا بچہ دانی آپریشن کر کے نکالنا جائز ہے، لیکن رحم نکالنے کے بعد اگر اس عورت کو خون آتا ہے، تو کیا یہ خون حیض کا شمار ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی عورت کو آنے والا خون حیض شمار نہ ہوگا، اس لئے کہ حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو رحم سے آئے، اور جس عورت کا رحم ہی نہیں، تو یقیناً اس کا خون غیر رحم سے ہوگا اور غیر رحم سے آنے والا خون استحاضہ کا خون کہلاتا ہے، لہٰذا ایسی عورت کا خون حیض نہ ہوگا، بلکہ ایسی عورت پر استحاضہ کے احکامات جاری ہوں گے۔

## مجبوری کی صورت میں قطع نسل کا حکم:

بعض امراض اور بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی بابت ڈاکٹروں کی تحقیق کے بعد قطعی اور یقینی بات ہو جاتی ہے کہ اگر اس سلسلہ تولد کو بالکلیہ ختم نہ کیا گیا اور حمل قرار پا گیا، تو اس کی ولادت کی کوئی صورت نہیں، اور مجبور عورت کے لئے موت کے سواء کوئی چارہ نہیں،

(۱) سورۃ الاحقاف، آیت:۱۵
(۲) فتاویٰ محمودیہ:۱۸/۲۹۰۔باب التداوی والمعالجہ
(۳) اہم فقہی فیصلے، ص:۷۔ادارۃ القرآن کراچی

مثلاً بعض خواتین ایسی ہوتی ہیں کہ قدرتاً ان کے اعضاءِ تولید اس قابل نہیں ہوتے کہ جن سے طبعی اور فطری ولادت ہو سکے، مجبوراً غیر فطری طریقہ آپریشن کے ذریعہ بچہ کی ولادت ہوتی ہے اور ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق اس طرح آپریشن کے ذریعہ دو مرتبہ یا زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ تو ولادت ہو سکتی ہے، اس کے بعد آپریشن کے ذریعہ بھی ولادت کی کوئی شکل نہیں ہوتی، گویا ہمیشہ کے لئے اس کے اعضاء میں ولادت کی صلاحیت باقی نہیں رہتی، اور نہ ہی عادۃً اس کے پائے جانے کا اب امکان ہے، ایسی صورت میں عورت کے پیٹ میں بچہ آجانا خطرہ سے خالی نہیں، جان تک کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے ایسی اضطراری و مجبوری کی حالت میں (جبکہ ماہر ڈاکٹر فیصلہ کردے کہ ہمیشہ کے لئے یہ عورت ولادت کے قابل نہیں ورنہ جان کا خطرہ ہے) ایسی صورت اختیار کرنے کی گنجائش ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ولادت کا سلسلہ منقطع ہو جائے، جس کو آج کی اصطلاح میں آپریشن کہتے ہیں، کیونکہ ضرورت اور اضطرار کی صورت میں ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور یہاں ضرورت کا آخری درجہ پایا جا رہا ہے، اگرچہ احتمال اس کا بھی ہے کہ عارضی تدابیر اختیار کر کے سلسلہ کو ختم نہ کر کے صرف موقوف کر دیا جائے اور حمل قرار پانے کی صورت میں بھی اس کا اسقاط کر دیا جائے۔

## اسقاط حمل:

اسقاط حمل کی تین صورتیں بن سکتی ہیں:

(۱) حمل میں جان پڑ جانے کے بعد اسقاط۔

(۲) حمل میں جان پڑنے سے قبل اعضاء کی تخلیق کے بعد اسقاط۔

(۳) اعضاء کی تخلیق سے قبل اسقاط۔

## پہلی صورت:

جب حمل میں جان پڑ جائے، تو کیا اس کے بعد اسقاط کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ حدیث کی صراحت کے مطابق حمل میں چار ماہ کے بعد روح ڈال دی جاتی ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث ہے:

" قال حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق إن خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوما نطفة ثم يكون علقة مثل ذلك ثم يكون مضغة مثل ذلك ثم يبعث الله إليه ملكا بأربع كلمات فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقي أو سعيد ثم ينفخ فيه الروح"۔(۱)

ترجمہ: عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا جو صادق اور مصدوق ہیں بے شک تم میں سے کسی کی پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ جمع ہوتا ہے تو اتنے ہی دن جما ہوا خون ہوتا ہے اور اتنی ہی دن گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے، چار چیزوں کے ساتھ وہ فرشتہ لکھتا ہے ان کا عمل اس کی موت، اس کی روزی اور نیک بخت یا بد بخت ہونا پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ ۱۲۰ دن کے بعد حمل میں روح ڈال دی جاتی ہے، یعنی چار ماہ کے بعد ایک روایت عبداللہ بن عباسؓ سے چار ماہ دس دن کی مروی ہے، یعنی ۱۳۰ دن کے بعد حمل میں جان ڈال دی جاتی ہے۔

چنانچہ فتاویٰ شامی میں علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

"نقل بعضهم أنه اتفق العلماء أن نفخ الروح لا يكون إلا بعد أربعة أشهر أي عقبها كما صرح به جماعة وعن ابن عباسؓ أنه بعد أربعة أشهر و عشر أيام وبه أخذ أحمد"۔(۲)

بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ نفخ روح چار ماہ کے بعد ہی ہوتا ہے، جیسا کہ ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے چار مہینے اور دس دن مروی ہیں اور یہی امام احمدؒ کا قول ہے۔

(۱) بخاری شریف، کتاب القدر: ۲/۹۷۶۔ مشکوٰۃ: ۱/۲۰۔ مکتبہ رحمانیہ

(۲) ردالمحتار: ۱/۵۵۰۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

دوسری جگہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"وتقدم فی باب الحیض أنه لا یستبین خلقه إلا بعد مائة وعشرین یوما"۔(۱)

"حیض کے باب میں پہلے یہ گزر چکا ہے کہ حمل کی خلقت واضح نہیں ہوتی مگر ۱۲۰دن کے بعد"۔

فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حمل میں جان پڑ جانے کے بعد بالاتفاق حمل کا اسقاط ناجائز اور حرام ہے، چار ماہ کے بعد اسقاط حمل قتل نفس کے مترادف ہے، شیخ احمد علیش مالکیؒ فرماتے ہیں۔

"والتسبب فی إسقاطه بعد نفخ الروح فیه محرما إجماعا وهو من قتل النفس"۔(۲)

اور فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ میں ہے:

"إسقاط الحمل حرام بإجماع المسلمین وهو من الواد الذی قال الله تعالیٰ فیه ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾"(۳)

## حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ

سوال: نطفہ جب تک علقہ، مضغہ رہے، اس وقت تک اس کا اسقاط کسی وجہ سے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں، تو قتل نفس کا گناہ ہوگا یا کچھ کم؟

الجواب: جب تک روح نہ آوے اسقاط حکم قتل نفس میں نہیں، لیکن بلاضرورۃ مکروہ ہے اور بعذر جائز اور بعد نفخ روح حرام وکبیرہ وقتل نفس زکیہ۔(۴)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں درمختار کی عبارت ذکر کرنے

(۱) ردالمحتار:۱۰/۲۶۲
(۲) فتح العلی مالکی:۱۱/۳۹۹
(۳) فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ:۴/۲۱۷
(۴) امداد الفتاویٰ:۴/۲۰۳۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی

کے بعد فرماتے ہیں:

"اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے:

(۱) بلا عذر اسقاط حمل ناجائز ہے۔

(۲) عذر و ضرورت سے جب تک حمل میں جان نہ پڑی ہو جائز ہے۔

(۳) اگر بعد جان پڑنے کے اسقاط کیا تو اگر مردہ ہی گر گیا، تو ایک غرہ یعنی پانچ سو درہم ضمان لازم ہے اور وہ باپ کو ملے گا اور اگر زندہ پیدا ہو کر مر گیا، تو پوری دیت یعنی خون بہا اور کفارہ قتل واجب ہے۔(۱)

## حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی کا فتویٰ:

حضرت مفتی صاحب اسقاط حمل چار ماہ گزرنے کے بعد کے بارے میں فرماتے ہیں:

" چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی گنجائش نہیں ہے"۔(۲)

درمختار میں ہے:

"أسقطته ميتا عمدا أو فعل كضربها بطنها بلا إذن زوجها فإن أذن أو لم يتعمد لا غرة لعدم التعدي ولو أمرت امرأة ففعلت لاتضمن المأمورة"۔"وقال فيه :وفي الواقعات۔ شربت دواء لتسقطه عمداً فإن ألقته حيا فمات فعليها الدية والكفارة وإن ميتا فالغرة ولاترث في الحالين"۔(۳)

قال العلامة الحصكفي ( ويعزل عن الحرة ) وكذا المكاتبة " نهر " (بإذنها ) لكن في الخانيه أنه يباح في زماننا لفساده قال الكمال فليعتبر عذرا مسقطا لإذنها وقالوا يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر

(۱) امداد الفتاویٰ:۴/ ۲۰۴

(۲) احسن الفتاویٰ:۸/ ۳۴۸۔ ایچ ایم سعید کمپنی

(۳) درمختار:۱۰/ ۲۶۳۔ مکتبہ رشیدیہ

ولو بلا إذن زوج "۔(۱)

## دوسری صورت کا حکم:

یعنی اعضاء کی تخلیق کے بعد اور جان پڑنے سے قبل بھی صحیح قول کے مطابق اسقاط جائز نہیں ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"ولا یخفی أنها تأثم القتل لو استبان خلقه ومات بفعلها"۔(۲)

اور یہ بات مخفی نہیں کہ اس عورت کو قتل کا گناہ ہوگا اور بچے کے اعضاء ظاہر ہوگئے ہوں اور بچہ عورت کے فعل کی وجہ سے مرگیا ہو۔

فتاویٰ الہندیہ المعروف العالمگیری میں ہے:

"العالج لإسقاط الولد إذا استبان خلقه کالشعر والظفر ونحوها لا یجوز وإن کا غیر مستبین الخلق یجوز "۔(۳)

اور علاج بچہ کے اسقاط کے لئے جب اس کے اعضاء ظاہر ہوگئے ہوں جیسے بال، ناخن، وغیرہ تو یہ اسقاط جائز نہیں ہے اور اگر اس کے اعضاء ظاہر نہیں ہوئے، تو اسقاط جائز ہے۔

البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً عورت کی جان جانے کا خطرہ ہو، یا حمل کی وجہ سے عورت انتہائی مشقت میں مبتلاء ہو رہی ہو، تو ایسی صورت میں اسقاط اعضاء ظاہر ہونے کے بعد چار ماہ سے پہلے اسقاط کرانا بھی جائز ہے، لیکن عام حالات میں جائز نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

"تیسری صورت بلا عذر ناجائز اور حرام ہے، البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً

(۱) حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہوگیا، اور دوسرے ذرائع سے پہلے

---

(۱) بحوالہ احسن الفتاویٰ: ۸/۳۵۱

(۲) شامیہ: ۱۰/۲۶۲

(۳) عالمگیری: ۵/۴۳۶

بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن یا متعذر رہو۔

(۲) کوئی دیندار حاذق طبیب عورت کا معائنہ کر کے یہ کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا، تو عورت کی جان یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے"۔(۱)

عالمگیری میں ہے:

"وإذا اعترض الولد في بطن الحامل ولم يجدوا سبيلا لاستخراج الولد إلا بقطع الولد أربا أربا ولو لم يفعلوا ذلك يخاف على الأم قالوا إن كان الولد ميتا في البطن فلابأس به وإن كان حيا لم نر جواز قطع الولد أربا أربا"۔(۲)

جب جان پڑ جانے کے بعد جنین مر جائے، تو ماں کی جان کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اس جنین کو کاٹ کاٹ کر نکالنے کی اجازت ہے، تو جان پڑ جانے سے قبل اس عظیم مقصد کے لئے بدرجہ اولیٰ اس بات کی اجازت ہوگی۔

## تیسری صورت:

حمل متصور ہو جانے کے بعد بلا عذر شرعی حمل کا اسقاط جائز نہیں ہے، خواہ اعضاء کی تخلیق ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اس لئے کہ اس کا مستقبل زندگی ہے، لہٰذا یہ بھی زندہ کے حکم میں ہوگا اس حالت میں بھی اگر کوئی شخص بغیر عذر شرعی کے حمل ساقط کرے گا، تو گناہ گار ہوگا، البتہ اس کا گناہ پہلی اور دوسری صورت کی بنسبت کم ہوگا۔

البتہ اگر عذر شرعی ہے مثلاً استقرار حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ ختم ہو جائے، اور بچہ کے والد کے پاس اتنی مالی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ دایہ رکھ کر بچے کو دودھ پلوا سکے جس کی وجہ سے لڑکے کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں اسقاط حمل کی اجازت ہے۔

حضرت مولانا سیف اللہ خالد رحمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک زندگی اور روح پیدا ہونے سے پہلے اسقاط حمل کی بات ہے، تو یہ

(۱) احسن الفتاویٰ: ۸/۳۴۸

(۲) عالمگیری: ۵/۳۶۰

پہلے ذکر کی گئی صورت کے جیسا شدید گناہ تو نہیں ہے، لیکن ناجائز ہے، چنانچہ "درر الحکام" میں ہے:

"الجنين الذى استبان بعض خلقه بمنزلة الجنين التام"۔(۱)

ایسا حمل جس کے بعض اعضاء دیکھنے میں آجائیں کامل الخلقت وجود کے درجے میں ہے۔

اسی اصول کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تکمیل خلقت سے پہلے ہی حمل ساقط کر دیا جائے تو شرعاً وہی ضمان واجب ہوتا ہے، جو ایک کامل الخلقت حمل ضائع کرنےکی صورت میں واجب ہوتا ہے، جیسے کسی نے حاملہ کے پیٹ پر مارا اور حمل ساقط ہو گیا تو چاہے اس کی تخلیق پوری ہو گئی ہو، یا ابھی پوری نہ ہو سکی ہو بالاجماع غرۃ (ایک غلام یا باندی کا دینا) واجب ہوگا، اس لئے کہ اس سے ایک کامل انسان کی تخلیق متوقع تھی۔

اشکال: ممکن ہے کہ یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ چونکہ ایک دوسرا آدمی کسی کے ساتھ اس کی رضامندی کے بغیر جبراً وظلماً یہ حرکتیں کرتا ہے، اس لئے اس کو جرم قرار دیا گیا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی ازخود اپنی مرضی سے ایسا کرے، تو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؟

جواب: اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسلام میں خود انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے، اس کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے بدن کے کسی عضو کو کاٹ ڈالے، یا خودکشی کر لے، اس لئے جب یہ حرکتیں دوسروں کے لئے جرم ہے، تو خود شریعت اس کو بھی مجرم ٹھہراتی ہے، اور بسا اوقات سزا کا مستحق ٹھہراتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے ایسی حرکتوں کے ارتکاب پر عورت کو عاقلہ قرار دیا ہے۔

## اسقاط کے بعد آنے والا خون کونسا ہوگا:

بعض مرتبہ خواتین کا حمل ساقط ہو جاتا ہے، یا وہ خود اسقاطِ حمل کر لیتی ہیں، تو اس اسقاط کے بعد آنے والے خون کا کیا حکم ہوگا، آیا وہ خون حیض کا شمار ہوگا، یا نفاس کا؟

(۱) ابن حزم المحلی: ۱۲/ ۳۷۸

تو اس بارے میں اصول یہ ہے کہ اگر بچہ کے اعضاء مثلاً بال ناخن وغیرہ پیدا ہو چکے ہوں، تو اسقاط کے بعد آنے والا خون نفاس شمار ہوگا اور اگر اعضاء پیدا ہونے سے قبل اسقاط کیا گیا، تو آنے والا خون اگر تین دن سے زیادہ ہو تو حیض کا ہوگا، ورنہ استحاضہ کا شمار ہوگا۔

عالمگیری میں ہے:

"والسقط إن ظهر بعض خلقه من أصبع أو ظفر أو شعر ولد فتصير به نفساء، هكذا في التبيين ۔ وإن لم يظهر شيء من خلقه فلا نفاس لها، فإن أمكن جعل المرئي حيضا يجعل حيضا، وإلا فهو استحاض"۔(۱)

اسی طرح مجمع الانہر میں ہے:

"وقال الآفندي: والسقط إن ظهر بعضه فهو ولد، تصير به أمه نفساء والأمة أم الولد، ويقع به الطلاق المعلق بالولادة، وتنقضي به العدة، لأنه ولد، لكنه ناقص الخلق، ونقصان الخلقة لا يمنع أحكام الولادة"۔(۲)

ترجمہ: اور اسقاط اگر بچے کے بعض اعضاء ظاہر ہو چکے ہوں تو وہ بچہ ہی شمار ہوگا، اس سے اس کی ماں نفاس والی بن جائے گی اور باندی ام ولدہ ہو جائے گی اور اگر طلاق ولادت کے ساتھ معلق ہو، تو طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور اس سے عدت بھی پوری ہو جائے گی کیونکہ یہ بچے کے حکم میں ہے اگرچہ ناقص الخلقت ہے اور ناقص الخلقت ہونا یہ ولادت کے احکام سے مانع نہیں ہے۔

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ بھی اسی کے موافق ہے، چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: (۶۷) اگر حمل گرنے کے بعد کوئی عضو ظاہر نہ ہوتا ہو، بلکہ نرا خون ہی خون ہو، یا محض گوشت کا لوتھڑا ہو، تو وہ خون جو بعد اسقاط کے دیکھا ہے، وہ

---

(۱) فتاوی عالمگیری: ۱/ ۱۹

(۲) مجمع الانہر: ۱/ ۵۶

حیض ہے، یا استحاضہ؟

جواب میں عالمگیری کی عبارت درمختار کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''پس صورت مسئولہ میں نفاس تو نہیں، پھر اگر یہ خون تین دن تک رہا اور اس کے قبل طہر کی مدت پوری ہوئی تھی، تو حیض ہے، ورنہ استحاضہ۔(۱)

یہی بات خیر الفتاویٰ میں بھی مذکور ہے، چنانچہ خیر الفتاویٰ میں ہے:

''اگر کے بچے کے اعضاء مثلاً انگلی ناخن اور بال وغیرہ بن چکے تھے، تو اس اسقاط کے بعد آنے والا خون نفاس شمار ہوگا اور اگر اس میں سے کوئی چیز نہیں بنی تھی، تو اب یہ خون نفاس نہیں بنے گا، اگر حیض کی تعریف اس پر صادق آتی ہو، تو حیض بن جائے گا، وگرنہ استحاضہ ہوگا''۔(۲)

البتہ مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے نفخ روح کا اعتبار کیا ہے، یعنی نفخ روح کے بعد اسقاط ہوا ہو تو نفاس ہوگا، ورنہ استحاضہ ہوگا، چنانچہ مفتی رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اگر حمل چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کا ہو، تو ولادت کے بعد آنے والا خون نفاس ہوگا، اگر حمل پر چار ماہ نہ گزرے ہوں، تو یہ خون حیض ہے بشرطیکہ تین روز یا اس سے زیادہ آئے۔ اگر تین روز سے کم آیا، تو یہ استحاضہ ہے، اگر چار ماہ نہیں گزرے تھے، اس کے باوجود اس خون کو نفاس سمجھ کر نمازیں چھوڑ دیں، تو ان کی قضاء فرض ہے''۔(۳)

یہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے تسامح ہوا ہے اور اس کی بنیاد بعض فقہاء کی ان عبارات پر ہے، جن میں چار ماہ سے پہلے استبان خلق کی نفی کی گئی، یعنی کہ چار ماہ سے قبل بچے کے اعضاء پیدا نہیں ہو سکتے، لیکن یہ قول غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ چار ماہ سے پہلے ہی بچے کے

---

(۱) امداد الفتاویٰ:۱/۴۵

(۲) خیر الفتاویٰ:۲/۱۴۰

(۳) احسن الفتاویٰ:۲/۷۲

اعضاء بن جاتے ہیں، اس لئے علامہ ابن نجیمؒ نے کہا ہے کہ چار ماہ سے قبل بھی تخلیق اعضاء کا مشاہدہ ہے، علامہ شامیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"(قوله ولا یستبین خلقه) قال فی البحر: المراد نفخ الروح، وإلا فالمشاهده ظهور خلقه قبلها ......"۔

اس بات کو علامہ شامیؒ نے اطباء سے بھی ثابت کیا ہے کہ چار ماہ سے قبل اعضاء کی تخلیق ہوسکتی ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"وأیضا هو الموافق لماذکره الأطباء"۔(۱)

دور حاضر کے اطباء نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، چنانچہ پروفیسر طبیب بشیر احمد ظفر لکھتے ہیں:

''تیسرے مہینے میں جنین کی لمبائی ۲/۱۲اسے ۲/۱۳۱انچ تک اور وزن ۴/۱۱سے ۲/۱۱تک ہو جاتا ہے placenta آنول بن چکی ہوتی ہے، بال اور ناخن بننے شروع ہوتے ہیں اور بچے کی جنس متعین ہو جاتی ہے"۔(۲)

اس لئے مفتی بہ قول وہی ہے، جو ہم نے امداد الفتاویٰ اور خیر الفتاویٰ وغیرہ کتب سے نقل کیا ہے۔

## جینٹک ٹیسٹ:

سائنس کی موجودہ ترقی نے یہ ممکن بنادیا ہے کہ ماں کے رحم میں پرورش پانے والا بچہ تین ماہ گزرنے سے پہلے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ آیا یہ بچہ ناقص العقل، یا ناقص الاعضاء تو نہیں ہے، اگر جینیٹک ٹیسٹ کے ذریعے معلوم ہو جائے کہ ہونے والا بچہ ناقص العقل وناقص الاعضاء ہے، تو کیا اس ٹیسٹ کے بنیاد پر حمل کو ساقط کرسکتے ہیں، یا نہیں؟

ٹیسٹ کا مقصد: اس ٹیسٹ کا مقصد چونکہ مرض کو دریافت کرنا ہے اور مولود اور اس کے

---

(۱) دیکھئے رد المحتار: ۱/۵۵۰

(۲) فزیالوجی سال دوم، ص: ۱۰۱۔منافع الاعضاء

والدین کو تکلیف اور مضرت سے بچانا ہے، اس لئے ٹیسٹ کے جائز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، یعنی یہ ٹیسٹ جائز ہے۔

## کیا اس کی بنیاد پر اسقاط کر سکتے ہیں:

اس ٹیسٹ کی بنیاد پر چار ماہ سے قبل اسقاط کروانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس لئے فقہاء نے چار ماہ سے قبل اسقاط کے جواز کا قول نقل کیا ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ٹیسٹ کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ بچہ یقیناً ناقص ہوگا، بلکہ یہ ظنی چیز ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ ٹیسٹ غلط بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ الٹرا ساونڈ مشین کے ذریعے یا دوسرے آلات کے ذریعے مختلف چیزیں معلوم کرتے ہیں، جو کئی دفعہ غلط ثابت ہوجاتی ہیں۔

البتہ فقہاء کرام بعض موقعوں پر ظن کا بھی اعتبار کرتے ہیں، جیسے فقہاء نے ولد سوء کے اندیشہ کی بناء پر چار ماہ سے قبل اسقاط کی اجازت دی ہے، اسی طرح یہاں بھی اگر چہ بچے کا ناقص ہونا ظنی ہے، لیکن پھر بھی فقہاء نے چار ماہ سے قبل اسقاط کی اجازت دی ہے اور اس کو بھی ایک عذر شمار کیا ہے۔

ولد کا ناقص الاعضاء ہونا، یا کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہونا یہ ضرر ولد سوء سے بڑھ کر ہے، جب اس وقت اجازت ہے، تو ناقص العقل یا ناقص الاعضاء ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ چار ماہ سے قبل اسقاط حمل کی اجازت ہونی چاہئے، مکہ مکرمہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی نے بھی ایسی صورت میں چار ماہ سے قبل اسقاط کی تجویز منظور کی ہے۔(۱)

ناقص العقل اور ناقص الاعضاء سے مراد بچے میں ایسا نقص ہو جو کہ لا علاج ہو جس سے ہمیشہ کی معذوری کا خطرہ ہو، اس لئے جینٹک ٹیسٹ کی رپورٹ کی بنیاد پر چار ماہ سے قبل تو اسقاط حمل کی گنجائش ہے، لیکن چار ماہ کے بعد چونکہ حمل میں روح ڈال دی جاتی ہے، تو اس کے بعد اسقاط حمل کی اجازت ہرگز نہیں ہے، اگر چہ یہ معلوم ہو کہ بچہ ناقص الخلقت ہے۔

البتہ اس کی جان بچانے کے لئے قبل از ولادت بھی اس کا علاج کر سکتے ہیں، چنانچہ

---

(۱) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص: ۲۴۵

آج کل بہت ساری ایسی دوائیاں آگئی ہیں، جن کے ذریعے دوران حمل نقص کو دور کیا جا سکتا ہے، یا بعد از ولادت فوراً علاج کرنے سے بھی بے شمار بیماریاں ختم کی جا سکتی ہیں۔

## دارالعلوم کراچی کا فتویٰ:

سوال: کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام ان درج ذیل مسائل کے بارے میں:

(الف) اگر حمل کے چھٹے یا ساتویں مہینے میں معلوم ہو کہ بچہ معذور ہے، تو کیا اسقاط حمل کروایا جا سکتا ہے؟

(ب) اگر ماں کی صحت کو خطرہ ہو، تو چھٹے ساتویں مہینے میں اسقاط کروا سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: شرعاً چھ سات ماہ کے بعد بلکہ چار ماہ کے بعد بھی بچے کے معذور ہونے، کمزور ہونے، یا عورت کی صحت کو خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے اسقاط حمل جائز نہیں، کیونکہ اس میں قتل نفس کا گناہ ہے، جو گناہ عظیم ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اسقاط حمل ناجائز ہے اور اس سے احتراز لازم ہے اور صحت کے لئے جہاں تک ہو سکے، احتیاطی تدابیر بھی کرتے رہنا چاہئے۔

" في الدر: وقالوا يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج"۔(۱)۔(۲)

" نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے" میں لکھا ہے:

(۱) اگر جینٹک ٹیسٹ کے ذریعے معلوم ہو جائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہے، جو ناقابل علاج ہے اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے گھر والوں کے لئے تکلیف دہ رہے

(۱) الدرالمختار: ۳/۱۷۶

(۲) جدید مسائل کا حل، ص ۴۸۴۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

گی، تو ایسی صورت میں حمل پر ایک سو بیس دن گزرنے سے پہلے پہلے والدین کے لئے اس کا اسقاط جائز ہے۔

(۲) اگر جینٹک ٹیسٹ کے ذریعے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائش کے امکانات ہیں، تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلہ تولید کو روکنا قطعا نا جائز ہے۔(۱)

---

(۱) نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے، ص: ۱۶۷

# (۹)

# نواں باب

# آپریشن برائے تبدیلی جنس

# sex changing syrgery

سائنس کی ترقی کے اس دور میں جنس کی تبدیلی (یعنی مذکر سے مؤنث بنانا اور مؤنث سے مذکر بنانا) ممکن ہوگئی ہے، جو کچھ عرصہ پہلے ناممکن تھی، اسکی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق کے مطابق جنس کی تبدیلی ان لوگوں میں ہوتی ہے، جو ناقص الخلقت ہوتے ہیں اور ان کی جسمانی بدنی تکمیل نہیں ہوئی ہوتی، پیدائشی طور پر ان میں جسمانی، بدنی اور طبی نقص ہوتا ہے۔

## نقص خلقیت کے اسباب ومحرکات:

بچہ ناقص الخلقت کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اس کے اعضاء بدنیہ میں کمی کیوں ہوتی ہے،؟ اس کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاوقدر سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ میں نے ہی انسان کو کامل، تندرست وتوانا اور عمدہ ترکیب سے بنایا ہے، اگر یقین نہ آئے، تو ناقص الخلقت انسانوں کو دیکھ لو، کوئی ان کو اصل خلقت میں کامل نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾(۱)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ (۲)

اللہ وہی ذات ہے جو رحموں میں جیسے چاہے تمہارے صورتیں بناتا ہے۔

لہٰذا کسی کا ناقص الخلقت ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ انسان بے بس، کمزور اور ضعیف ہے۔ البتہ اس کی کچھ ظاہری وجوہ واسباب بھی ڈاکٹروں نے بیان فرمائے ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قرار حمل کے وقت خاتون کے رحم کا صحیح طور پر صاف نہ ہونا، یہی وجہ ہے کہ جدید طب میں رحم کی صفائی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

(۲) رحم میں غیر طبعی مواد اور اجزاء پیدا ہونا۔

(۳) رحم میں رسولی ہونا۔

(۴) حاملہ خاتون کا حمل کے دوران اپنی صفائی ستھرائی کا خیال نہ رکھنا۔

(۵) ناقص خوراک کا استعمال، یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر حضرات حالت حمل میں اچھی، عمدہ اور مقوی غذا استعمال کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

(۶) ماہواری میں بے قاعدگی اور خرابی۔

(۷) ممسک حیض ادویہ استعمال کرنا، خاص طور پر استقرار حمل کے آگے پیچھے کے ایام میں اس کا استعمال زیادہ مضر ہے۔

(۸) توہم پرستی اور جاہلانہ خیالات ورسوم۔

(۹) حالت حمل میں زیادہ پریشانی اور غم وفکر۔

یہ وہ اسباب ومحرکات ہیں، جن کی وجہ سے بچہ ناقص الخلقت پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) سورۃ التین، آیت:۴

(۲) سورہ آل عمران، آیت:۶

## تبدیلی جنس کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام:

جنسی اعضاء کے اعتبار سے لوگوں کی مختلف اقسام ہیں:

(۱) مردانہ جنسی اعضاء سے محرومی پر

(۲) ناقص زنانہ جنسی اعضاء والی عورت

(۳) مخنث مرد

(۴) مخنث عورت۔

اوپر ذکر کی جانے والی چار اقسام میں آخری تین (ناقص زنانہ جنسی اعضاء والی عورت، مخنث مرد، مخنث عورت) اقسام میں تو کوئی تبدیلی نہیں کرنی پڑتی، یہ عام انسانوں کی طرح نارمل زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کو کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی، ان میں سے کچھ لوگ غلط دھندہ کی وجہ سے تبدیلی کرواتے ہیں، جو حرام ہے، شریعت مطہرہ میں اس کی شدید مذمت آئی ہے۔

ناقص الخلقت کی اقسام میں سے پہلی قسم جنسی عضو سے محروم مرد ہے، یہ بھی سارے نہیں ان میں سے بعض کو بذریعہ سرجری کچھ جنسی تبدیلی کروانی پڑتی ہے اور بعض دفعہ یہ ضروری ہوتی ہے۔

اس کی مکمل تفصیل تو یورالوجی کی کتابوں سے دیکھی جاسکتی ہے، یہاں ہم اس کا مکمل عمل بیان کردیتے ہیں، تاکہ مسئلہ سمجھ میں آسکے، جن لوگوں کے ساتھ یہ مسئلہ درپیش آیا ہے، ان سے بعد از آپریشن کے احوال دریافت کئے گئے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

بوقت پیدائش والدین بچے کی شرمگاہ دیکھ کر بچہ یا بچی ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اور اس کا لباس، پرورش اور ماحول ملحوظ رکھتے ہیں۔ بچہ ہو تو بچوں والا لباس اور ماحول فراہم کرتے ہیں اور بچی ہو تو لباس و ماحول اور پرورش بچیوں والی کرتے ہیں۔

لیکن ناقص الخلقت کا معاملہ یہ ہے کہ ابتداء میں اس کی پیشاب کی جگہ مثل عورت ہوتی ہے اور وہ بھی کوئی اتنی نمایاں نہیں ہوتی، لیکن ہوتی عورتوں جیسی ہے، جس کی بناء پر والدین

اس پر بچی ہونے کا حکم لگا کر ابتداء ہی سے بچیوں والا لباس اور ماحول فراہم کرتے ہیں، لہٰذا ایسا بچہ جب کھیلنے کودنے کے قابل ہوتا ہے، تو گھر والے اور دیگر لوگ اس کو بچی ہی سمجھتے ہیں ابتدائی چند سالوں میں کوئی ایسی تکلیف بھی ظاہر نہیں ہوتی، لیکن جونہی چند سالوں کے بعد اس کا جسم بڑھنے لگتا ہے، تو وقتاً فوقتاً ہیڈو کے قریب دونوں اطراف میں بعض اوقات سخت درد اٹھتا ہے، جو نا قابل برداشت ہو جاتا ہے، کچھ دیر کے بعد ہلکی پھلکی دوائی کے استعمال سے یہ رفع بھی ہو جاتا ہے، عمر کے ساتھ ساتھ دورے زیادہ اور شدید ہو جاتے ہیں، ہیڈو کے قریب نلوں والی جگہ میں ابھار بھی دونوں طرف شروع ہو جاتا ہے، جو جلد کے اوپر نمایاں نظر آنے لگتے ہیں اور دبانے سے زیر جلد دونوں طرف گول گول دو گلٹیاں بھی محسوس ہوتی ہیں، ایسی بچی جوں جوں بلوغت کی طرف بڑھتی ہے، اس کی تکلیف میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

والدین پہلے بھی اس بچی کے متعلق فکر مند تھے، لیکن موجودہ صورتحال زیادہ پریشان کن ہوتی ہے، جس پر دیگر کسی بھی طریقے سے قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا اسے ڈاکٹر یا ہسپتال کی طرف لے جانا پڑتا ہے، یورالوجسٹ ڈاکٹر طبی معائنہ کے بعد سرجری لازم قرار دیتے ہیں، اتنے عرصے میں ایسی بچی جوان بھی ہو چکی ہوتی ہے، معاشرے میں بحیثیت عورت اپنا کردار ادا کر رہی ہوتی ہے، لہٰذا جیسا ہی اس کا آپریشن ہوتا ہے، تو لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں فلاں عورت مرد بن گئی ہے، جس کی وجہ سے ایسی خبریں اخبارات کی زینت بنتی ہیں، موجودہ دور میں جدید سرجری کی بدولت ایسا ہوا ہے، ورنہ پہلے لوگ صرف پیٹ درد کے نام سے واقف تھے، علاج نہ کرواتے تھے، چنانچہ بندہ ہیجانی کیفیت میں مبتلاء ہو جاتا، جذباتی شدت سے دیوانگی اور پوشیدہ امراض سے موت واقع ہو جاتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ پیٹ درد ہی ہوا تھا۔

## تبدیلی جنس کی اصل حقیقت کیا ہے:

تبدیلی جنس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ ابتداء ہی سے یا تو مرد ہوتے ہیں، یا مرادنہ

خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، لیکن والدین ناقص الخلقت پیدا ہونے، ابتدائی جسمانی معائنہ کے بعد کا علم نہ ہونے کی وجہ سے، یا جنسی عضو کے نامکمل یا مثل عورت ہونے کی وجہ سے اسے بچی قرار دیتے ہیں، لیکن جب اس کے جنسی اعضاء نے عمر کے ساتھ ساتھ کام کرنا شروع کیا، ان میں جنسی لہریں پیدا ہونا شروع ہوئیں، تو پتا چلا کہ جنسی اعتبار سے یہ کچھ اور ہے، یورالوجی کہتی ہے کہ ایسے شخص کے پہلے ہی مردانہ اعضاء ہوتے ہیں، لیکن وہ کسی پیچیدگی کی وجہ سے زیر جلد پوشیدہ رہتے ہیں، لیکن جب ان میں بلوغت کے وقت تحریک پیدا ہوتی ہے، تو پھر ان کو جلد سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔

ڈاکٹر حضرات کے نزدیک ایسے شخص کے وقفے وقفے سے تین آپریشن کرنے پڑتے ہیں، پہلے آپریشن میں خصیتین جلد سے باہر نکالنا ہوتے ہیں، تاکہ ان میں جنسی لہریں برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو، اس لئے مرد کی خصیتین اللہ تعالیٰ نے باہر فٹ کئے ہیں، ورنہ جنسی تحریک کے وقت ناقابل برداشت درد ہو۔

## آپریشن کب کیا جاتا ہے:

ایسے مریض کا آپریشن فوراً نہیں ہوتا، بلکہ اس کے دو بڑے ٹیسٹ ہوتے ہیں اور یہ ٹیسٹ پاکستان میں صرف دو جگہوں پر اسلام آباد اور کراچی میں ہوتے ہیں، ایسے شخص کے سپرم ٹیسٹ ہوتے ہیں، جس میں یہ پتا لگایا جاتا ہے کہ آیا ایسے شخص میں پیدا ہونے والے جنسی اعضاء مردانہ ہیں، یا زنانہ؟

## اس کے جسم کے دیگر ہارمون ورطوبتیں اور ٹشوز مردانہ ہیں یا زنانہ؟

اگر لیبارٹری رپورٹ ان تمام اجزاء کو مردانہ قرار دے، تو آپریشن ہوتا ہے، ورنہ نہیں ہوتا، سائیکالوجی اور سائیکاٹری جو کہ علم طب کی ایک شاخ ہے، جو ذہنی مسائل کا علاج کرتی ہے، اس میں وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایک ایسی ذہنی حالت ہے کہ جس میں انسان کے دماغ میں جو جنس کا خانہ ہے، وہ زنانہ خانہ ہوتا ہے، پیدائش سے پہلے

ہی جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، تو اس لوتھڑے کی حالت میں ۶ ہفتے کے اندر دماغ کی بناوٹ جسم کیساتھ ہو رہی ہوتی ہے، تو اگر ماں کسی پریشانی یا بیماری سے گزرے جس کی وجہ سے اس کے ہارمونز میں کمی یا زیادتی ہو، تو اس کا اثر دماغ پر ہوتا ہے، مگر اعضاء (جنسی) اور جسم اپنی علیحدہ رفتار سے پرورش پا رہے ہوتے ہیں اور جب ولادت ہوتی ہے، تو ایسی حالت میں بچے کا ظاہری جسم تو لڑکوں کی طرح ہوتا ہے، لیکن دماغ لڑکیوں والا ہوتا ہے۔

## شوقیہ تبدیلی:

تبدیلی جنس کی ایک صورت شوقیہ تبدیلی ہوتی ہے، یعنی ایسے مرد جو قصداً شوقیہ طور پر عورت بننے کے شوقین ہوتے ہیں، عورت بننا ان کے نزدیک ایک اچھا فعل ہوتا ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ میں مرد نہ رہوں بلکہ عورت بن جاؤں۔

## تبدیلی جنس کے احکامات:

مجموعی طور پر اس کی چند صورتیں بنتی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شوقیہ تبدیلی۔

(۲) ایسا مریض جس میں مرد اور عورت کے دونوں اعضاء جمع ہوں اور ایک جنس کے اعضاء زیادہ ہوں، مثلاً مرد کے اعضاء زیادہ ہیں۔

(۳) ایسا مرد جس میں زنانہ روح ہو اور اس کو تکلیف شروع ہو جائے، تکلیف دور کرنے کے لئے اس کا آپریشن کرنا تاکہ تکلیف ختم ہو۔

(۴) ایسا مرد جس میں روح زنانہ ہو، باقی اعضاء مردوں والے ہوں اور اسے کوئی تکلیف بھی نہ ہو، اس کا جنس تبدیل کرنا۔

## شوقیہ تبدیلی کا حکم:

یہ صورت بہر حال ناجائز ہے، اس کی وجہ ہم بعد میں بیان کریں گے۔

## دوسری اور تیسری صورت کا حکم:

یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ علاج کی ایک قسم ہے اور علاج کرنا شرعاً جائز ہے، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور ان صورتوں کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''دوم: جس شخص کے اعضاء میں مرد اور عورت دونوں کی علامتیں جمع ہوگئی ہوں، اس میں دیکھا جائے گا کہ کونسے اعضاء کا تناسب زیادہ ہے؟ اگر مرد کے اعضاء زیادہ ہوں تو طبی علاج کے ذریعے عورت ہونے کے اشتباہ کو دور کر لینا جائز ہے اور اگر عورت کے اعضاء غالب ہوں، تو طبی علاج کے ذریعہ مرد ہونے کے اشتباہ کو دور کر لینا جائز ہے، خواہ یہ علاج سرجری کے طور پر ہو، یا ہامورن کے ذریعہ ہو، اس لئے کہ یہ ایک طرح کا مرض ہے اور علاج کے ذریعہ مرض سے شفاء مقصود ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی''۔(۱)

تیسری صورت میں جواز کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ جب اس کو شدید تکلیف شروع ہو جائے اور آپریشن نہ کرنے کی صورت میں اس کی موت یقینی ہو، یا اس کو بغیر آپریشن کے شدید تکلیف ہو رہی ہو، تو آپریشن کرنا اس کی جان بچانے کے لئے بالکل جائز ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

## چوتھی اور پہلی صورت کا حکم:

ایسا مرد جس میں روح زنانہ ہو، باقی اعضاء اس کے مردوں والے ہوں اور اس کو کوئی تکلیف بھی نہ ہو، پھر وہ آپریشن کے ذریعے اپنی جنس تبدیل کرنا چاہے، تو کیا ایسا کر سکتا ہے، جیسا کہ اس دور میں کیا جاتا ہے؟

(۱) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص: ۲۳۰۔ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

پہلی صورت جس میں شوقیہ جنس تبدیل کی جائے، یا اس آخری صورت میں روح زنانہ ہونے کی وجہ سے جنس تبدیل کی جائے، تو اسلام کی نظر میں یہ بالکل ناجائز ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔

## پہلی وجہ حرمت:

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو مختلف اغراض اور مقاصد کے لئے پیدا فرمایا، مرد کی پیدائش کے اغراض اور ہیں، اور عورت کی پیدائش کے اغراض اور ہیں، عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے گھر کا کام کاج، بچوں کی دیکھ بال، ان کی پرورش اور نسل انسانی کو بڑھانے کیلئے بنایا، جبکہ مردوں کو گھر کے باہر کام کاج، امارت، سلطنت، تجارت، سیاست سپرد کئے ہیں، یعنی جتنے اہم امور ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذمے ٹھہرائے ہیں، جب ان دونوں کے اغراض مختلف ہیں، تو اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تقریباً تمام چیزوں میں فرق رکھا ہے، مردوں کا لباس اور ہے، عورتوں کا لباس اور ہے، مردوں کی جسمانی وضع قطع عورتوں کی جسمانی وضع قطع سے مختلف ہے، حتیٰ کہ احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے، تو دونوں کی عقل میں بھی فرق رکھا گیا ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث ہے:

"نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ وَ الدِّيْنِ" ۔(۱)

اللہ کے نبی ﷺ نے عورتوں کو ناقص العقل قرار دیا ہے، جب مرد اور عورت کی اکثر چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے فرق رکھا ہے، تو اسی لئے اسلام نے مردوں کے لئے عورتوں کی طرح بولنا، عورتوں کی طرح چلنا پھرنا، ان کی طرح لباس پہننا سب ناجائز اور حرام قرار دیا ہے اور عورتوں کیلئے مردوں کی طرح چلنا پھرنا اور ان کی طرح لباس پہننے کو حرام قرار دیا ہے۔

اس کی بنیادی وجہ مشابہت ہے، یعنی مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار کرنا، جبکہ یہ دونوں حرام ہیں، بہت ساری احادیث میں مشابہت کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم، الحدیث: ۳۰۴: (۱/۴۴)

بخاری شریف میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

"قال لعن النبی ﷺ المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال"۔(۱)

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے لعنت فرمائی ہے، مردوں میں سے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والوں پر، اور عورتوں میں سے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والیوں پر۔

حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ مردوں کی مشابہت اختیار کرنا عورتوں کے لئے باعث لعنت ہے، اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا مردوں کے لئے باعث لعنت ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أی هذا باب فی ذم الرجال المتشبهين بالنساء وبيان ذم النساء المتشبهات بالرجال ويدل على ذلك ذكر اللعن فی حديث الباب و تشبه الرجال بالنساء فی اللباس والزينة التی تختص بالنساء مثل لبس المقانع والقلايد والمجانق والأسورة والخلاخل والقرط ونحو ذلك مما ليس للرجل لبسه وتشبه النساء بالرجال مثل لبس النعال الرقاق والمشیء بها فی محافل الرجال ولبس الاردية والطيالسه و العمائم ونحو ذلك مما ليس لهن استعماله وكذلك لا يحل للرجال التشبه بهن فی الأفعال التی هی مخصوصة بهن كالانخناث فی الأجسام والتأنيث فی الكلام والمشیء وإما من كان ذلك فی أصل خلقه فإنه يومر بتكلف تركه ولادمان على ذلك بالتدريج فإن لم يفعل وتمادی دخله الذم ولا سيما اذا بدا منه ما يدل على الرضاء"۔(۲)

یہ باب ہے ان مردوں کے مذمت کے بیان میں جو عورتوں کی مشابہت اختیار

(۱) بخاری شریف: ۲/۸۷۴۔ دارالحدیث ملتان

(۲) عمدۃ القاری: ۲۲/۶۳۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

کرتے ہیں اور ان عورتوں کی مذمت کے بیان میں جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث باب میں ان پر لعنت کا ذکر ہے، مردوں کی مشابہت عورتوں کے ساتھ لباس میں اور زیب وزینت میں ہے، وہ جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں جیسے گھونگھٹ پہننا، اور ہار عورتوں کا طوق (ہار) کنگن، پازیب اور بالیاں وغیرہ اور اسی طرح وہ چیزیں جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں، ان کا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں ہے، اور عورتوں کی مشابہت مردوں کے ساتھ جیسے باریک جوتے پہننا، اور ان کو پہن کر مردوں کی مجلس میں جانا، اور مردوں کی چادریں اور پگڑی وغیرہ پہننا اور اسی طرح وہ چیزیں جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں، ان کا پہننا عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

اسی طرح مردوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ عورتوں کی مشابہت رکھیں ان افعال میں جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں جیسے جسم کے اعضاء کا نرم ونازک ہونا، اور عورتوں کی طرح بولنا، اور ان کی طرح چلنا، اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کی اصل خلقت میں ہی یہ چیزیں ہوں، تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بتکلف ان چیزوں کو چھوڑ دے اور وہ آہستہ آہستہ ان کو چھوڑتا رہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور اسی طرح لگا رہے تو حدیث میں مذکور مذمت اس کو شامل ہوگی اور خاص طور پر جب اس کے بغیر چارہ بھی موجود ہو۔

فائدہ: جب مردوں کے لئے عورتوں جیسا لباس، ان جیسی بول چال، اور ان جیسی شکل وصورت اپنانا ناجائز اور حرام ہے اور لعنت کا باعث اور سبب ہے، تو مرد سے عورت بننا اور اپنی جنس تبدیل کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، اس کے جواز کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں ہے۔

## عورت سے مرد بننا:

مولانا انعام الحق صاحب لکھتے ہیں:

''ترقی کے اس دور میں سائنس ہر وہ کچھ کرنا چاہتی ہے جس کا اگلوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا، ابھی چند سال پہلے کی بات ہے کہ اٹلی شہر میں ایک عورت نے اپنا سیکس تبدیل کرالیا، یعنی آپریشن کے ذریعہ عورت سے مرد بن گئی اس کے بعد اس نے کسی عورت سے شادی کی اور اس خودساختہ مرد کے نطفہ سے اس عورت کو حمل قرار پایا اور بچہ بھی ہوا۔

جب کہ خالق کائنات نے مرد وزن کی فطرت اور صفات میں خاص فرق رکھا ہے اور اسی فطری فرق کے مطابق زندگی گزارنے پر پابند کیا ہے اور ہر ایک کو اپنی پیدائشی وضع کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تاکید کی ہے اور اس کے خلاف رہنے کو باغیانہ جرم سے تعبیر کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت کو مرد کی مشابہت اور ہئیت یا مرد کو عورت کی مشابہت اختیار کرنے پر غیض وغضب کے انداز میں لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی ہے:

"لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال"۔(۱)

اللہ تعالیٰ ان مردوں پر لعنت کرے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اسی طرح ان عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

تو جب مرد وزن کے لئے اپنی پیدائشی وضع وقطع کے خلاف رہنا سہنا، لباس پہننا، جائز نہیں، بلکہ موجب لعنت ہے، تو پھر اپنی خلقت وصنف کو تبدیل کرنا یعنی مذکر سے مؤنث بننا یا مؤنث سے مذکر بننا کیونکر جائز ہوگا، قرآن حکیم نے خدائی تخلیق کو بدلنے کو حرام قرار دیا ہے اور یہ بھی تو خدائی تخلیق کو بدلنا ہے، اس لئے حرام ہوگا''۔(۲)

---

(۱) بخاری، مشکوۃ:۲/۳۸۰

(۲) علاج ومعالجے کے شرعی احکام، ص:۱۰۵۔ زمزم پبلشرز

## حرمت کی دوسری وجہ:

تبدیلی جنس کی حرمت کی دوسری وجہ تغییر لخلق اللہ ہے، یعنی جنس کا بدلنا اللہ کی خلقت کو بدلنا ہے جو کہ نص قطعی سے حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطانی عمل قرار دیا ہے، چنانچہ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾(۱)

ترجمہ: شیطان نے کہا، میں اس کو گمراہ کروں گا ان کو ہوس دلاؤں گا اور میں ان کو تعلیم دونگا جس سے وہ جانوروں کے کانوں کو تراشا کریں گے اور میں ان کو تعلیم دونگا جس سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔

ہر ایسا کام ممنوع ہے جس کے کرنے سے اللہ کی پیدا کی ہوئی خلقت میں تبدیلی آتی ہو، اس لئے علماء نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے ڈاڑھی منڈوانے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔(۲)

تفسیر قرطبی میں ہے:

"اختلف العلماء فی هذا التغییر إلی ماذا یرجع ؟ فقالت طائفة هو الخصاء وفق الأعین وقطع الآذان"۔(۳)

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ تغییر (جو آیت میں مذکور ہے) کس چیز کی طرف راجع ہے (یعنی اس سے کیا مراد ہے) ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس سے خصی کرنا، آنکھ کا پھوڑنا اور کانوں کا کاٹنا مراد ہے۔

تغییر خلق للہ کی حرمت بے شمار احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں مشہور حدیث ہے:

---

(۱) سورۃ النساء، آیت: ۱۱۹

(۲) دیکھئے بیان القرآن، تفسیر سورہ نساء،

(۳) الجامع لاحکام القرآن: ۵/۲۵۰۔ دارالکتب العلمیہ بیروت

"عن عبد الله بن مسعود إنه قال لعن اللّٰہ الواشمات و المستوشمات" قال محمد : والواصلات قال عثمان والمتنمصات ثم اتفقا و المتفلجات للحسن المغيرات خلق اللّٰہ"۔(۱)

اسی طرح بخاری شریف میں بھی مروی ہے:

"لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله "۔(۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے گودنے اور گودوانے والیوں پر اور بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والیوں پر اور دانتوں کے درمیان خلاء پیدا کرنے اور کروانے والیوں پر جو زینت کیلئے ایسا کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل کرنے والیوں ہیں۔

امام نوویؒ حدیث میں وارد الفاظ کی لغوی تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" لأنه تغيير لخلق الله تعالىٰ ، ولأنه تزوير ، ولأنه تدليس "۔(۳)

کیونکہ مذکورہ کام اللہ کی خلقت کو بدلنا ہے اور اسلئے کہ یہ فریب اور دھوکہ ہے

بذل المجہود میں ہے کہ تغییر خلق سے مراد ایسی تبدیلی ہے جو باقی رہے، ختم نہ ہو، اگر وقتی طور پر جو باقی نہ ہو، تو امام مالکؒ کے ہاں جائز ہے، جیسے سرمہ وغیرہ لگانا۔

" قال أبو جعفر الطبرى : فى هذا الحديث دليل علىٰ أنه لا يجوز تغيير شیء مما خلق الله المرأة عليه بزيادة أو نقص إلتماسا للتحسين لزوج أو غيره كما لو كان لها سن زائد فأزالتها أو أسنان طوال فقطعت اطرافها"۔(٤)

(۱) ابوداؤد:۲/۲۲۱۔کتاب الترجل۔مکتبہ رحمانیہ
(۲) بخاری و مسلم شریف:۲/۲۰۵۔قدیمی کتب خانہ
(۳) نووی حاشیہ مسلم:۲/۲۰۵۔قدیمی کتب خانہ
(۴) بذل المجہود:۶/۷۲۔مکتبہ قاسمیہ

امام ابوجعفر طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بھی چیز کا بدلنا جائز نہیں ہے، وہ جس پر اللہ نے آدمی کو پیدا فرمایا ہے اس میں زیادتی کرنا یا کمی کرنا خوبصورتی تلاش کرنے کے لئے شوہر کے لئے ہو یا کسی اور کے لئے ہو، جیسے اگر عورت کا کوئی دانت زائد ہو، اس کو ہٹانا، یا اس کے دانت لمبے ہوں ان کو اطراف سے کاٹنا۔

مذکورہ احادیث اور محدثین کی عبارات سے معلوم ہوا تغیر لخلق اللہ ناجائز اور حرام ہے اور جنس کا تبدیل کرنا یہ بالکل واضح ہے اور کھلی تغییر ہے، جو کہ قطعاً حرام ہے، جیسے کہ تفسیر قرطبی کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے۔

## تیسری وجہ حرمت:

تبدیلی جنس کی حرمت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں بلاضرورت شرعی کے اپنا ستر غیر محرم کے سامنے کھولنا لازم آتا ہے، جو کہ ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح اس میں ڈاکٹر کا بغیر ضرورت شرعی کے غیر محرم کے ستر کی طرف نظر ڈالنا اور چھونا لازم آتا ہے اور یہ بھی ناجائز اور حرام ہے، جیسا کہ پوسٹ مارٹم میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔

## چوتھی وجہ حرمت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے انسانوں میں سے بعض کو مرد بنایا اور بعض کو عورت بنایا ہے اور مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ہی تقسیم ہے، اور اس تقسیم پر راضی نہ ہونا، اور ناراضگی کا اظہار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرنا ہے، جو کہ انسان کو کسی بھی صورت میں زیب نہیں دیتا، جنس کو تبدیل کرنا مرد سے عورت بننا اپنے آپ کو افضلیت سے ادنیٰ درجے کی طرف اتارنا ہے، اس لئے تبدیلی جنس ایک طرح کا اللہ کی تقدیر پر اعتراض ہے، جو کہ جائز نہیں ہے، انسان کے لائق نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جس جنس پر بنایا ہے اس میں تبدیلی کرنا اللہ کی تقدیر پر اعتراض ہے جو کہ ناجائز اور

حرام ہے۔

## حرمت کی پانچویں وجہ:

مرد سے عورت بننے کی صورت میں مرد کا اختصاء (خصی کرنا) لازم آتا ہے، جس کی حرمت بے شمار احادیث سے ثابت ہے:

(۱)...... جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے:

"عن سعد ابن أبی وقاص ؓ يقول رد رسول الله ﷺ علیٰ عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا"۔(۱)

سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون پر تبتل کو رد کیا (جب انہوں نے اجازت مانگی) فرمایا اگر ان کو اجازت مل جاتی، تو ہم بھی خصی ہو جاتے (یعنی خصی بن جاتے)۔

(۲)...... عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے:

"كنا نغزو مع رسول الله ﷺ وليس لنا شیء؟ فقلنا ألا نستخصی فنهانا عن ذلك"۔(۲)

ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے جہاد (غزوا) میں ہمارے پاس کچھ نہ تھا (یعنی بیوی اور باندی نہ تھی) ہم نے کہا کہ ہم خصی نہ ہو جائیں، تو حضور ﷺ نے ہم کو اس سے منع فرما دیا۔

اسی لئے فقہاء کرام نے بھی اختصاء سے منع فرمایا ہے، چنانچہ عالمگیری میں لکھا ہے:

" خصاء بنی آدم حرام بالاتفاق "۔(۳)

بنو آدم کا خصی کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

---

(۱) بخاری شریف: ۲/۷۵۹۔ باب ما یکرہ من التبتل والخصاء

(۲) بخاری شریف: ۲/۷۵۹

(۳) فتاوی عالمگیری: ۵/۴۳۷

جب خصی ہونا حرام ہے، تو تبدیلی جنس بھی حرام ہی ہوگی۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: سیکس تبدیل کرنا یعنی آپریشن کے ذریعے مرد سے عورت بننا یا عورت سے مرد بننا شریعت مطہرہ کی رو سے کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ اس قسم کے متعدد واقعات ہو چکے ہیں، اس لئے عالی جناب کو زحمت دی جارہی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً: جو مرد انہ ہیئت اختیار کرے، یا زنانہ لباس پہنے اس پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے، یہاں تک کہ جو عورت مردوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہو اس پر بھی لعنت آئی ہے۔

"لعن الله الفروج على السروج كذا في فتح القدير"۔(۱)

نیز

"لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء" اور "لعن الله المتشبهات من النساء بالرجال"۔(۲)

پھر مستقلاً صفت ذکورت کو انوثت میں تبدیل کرنا یا صفت انوثت کو ذکورت میں تبدیل کرنا کہاں درست ہوگا کہ اس میں ہر دو کی تخلیق کی مخصوص غایت ہی فوت ہو جاتی ہے، تغییر خلق اللہ کی قباحت قرآن کریم میں مذکور ہے۔(۳)

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے منعقدہ گیارہویں سیمینار میں تبدیل جنس کے مسئلے پر اپنا فیصلہ سنایا جو مذکور ہے۔

## چھٹا فیصلہ تبدیلی جنس کا مسئلہ:

اول: جنس مذکر جس کے اپنے مخصوص اعضاء کامل ہو چکے ہوں، اسی طرح جنس مؤنث

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ: (۳۴۶/۸)

(۲) صحیح البخاری، کتاب اللباس: (۸۷۴/۲)

(۳) فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۱/۱۸۔ دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

کے اعضاء نسائیت پورے ہو چکے ہوں، انہیں ایک دوسرے میں تبدیل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، ایسی تبدیلی قابل سزا جرم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی زبان سے خبر دیتے ہوئے حرام قرار دیا:

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ (۱)

اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے گودنے والی اور گودوانے والی، بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی، حسن کیلئے دانتوں میں دوریاں پیدا کرنے والی اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی کرنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔

پھر راوی نے کہا جس پر اللہ کے رسول نے لعنت فرمائی ہے، اس پر میں کیوں نہ لعنت بھیجوں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (۲)

ترجمہ: اور رسول تم کو جو حکم دے دیا کرے لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دے، تم رک جایا کرو۔

دوم: جس شخص کے اعضاء میں مرد اور عورت دونوں کی علامتیں جمع ہو گئی ہوں، اس میں دیکھا جائے گا کہ کونسے اعضاء کا تناسب زیادہ ہے، اگر مرد کے اعضاء زیادہ ہوں، تو طبی علاج کے ذریعے عورت ہونے کے اشتباہ کو دور کر لینا جائز ہے اور اگر عورت کے اعضاء غالب ہوں، تو طبی علاج کے ذریعہ مرد ہونے کے اشتباہ کو دور کر لینا جائز ہے، خواہ یہ علاج سرجری کے طور پر ہو، یا ہامورن کے ذریعہ ہو، اس لئے کہ یہ ایک طرح کا مرض ہے اور علاج کے ذریعہ مرض سے شفاء مقصود ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی۔ (۳)

---

(۱) سورہ النساء، آیت: ۱۱۹

(۲) سورۃ الحشر، آیت: ۷

(۳) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص: ۲۳۰۔ ادارۃ القرآن کراچی

## جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ:

### آپریشن کے ذریعے جنس کی تبدیلی اور اس کا حکم:

"کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں میں نے اپنا آپریشن کروایا ہے، آپریشن اس طرح کا ہے کہ میں نے اپنی جنس تبدیل کروائی ہے، پیدائشی لڑکا ہوں، کپڑے، رہن سہن سب لڑکیوں کی طرح تھا، اسی وجہ سے آپریشن کروایا، اب ہر وقت مجھے یہ فکر لگی رہتی ہے کہ میں نے یہ گناہ کیا ہے، دل میں آتا ہے کہ تم نے اللہ کے نعمت کی ناشکری کی ہے، مفتی صاحب میں بہت پریشان ہوں، مجھے پتہ نہیں کہ میں نماز روزہ، اور دوسرے دینی احکام کس طرح بجالاؤں؟ لڑکی کی طرح، یا لڑکے کی طرح؟ اب تک آپریشن کے بعد لڑکوں کی طرح نماز روزہ ادا کرتا ہوں، جناب عالی مجھے کوئی راستہ بتائیں، میرا نام عمران ہے، ڈاکٹروں نے عمران سے عمرانہ کر دیا ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ تم کسی لڑکے سے شادی بھی کر سکتے ہو، مگر کسی بچے کا جنم نہیں ہوگا، کیونکہ تمہارے اندر بچہ دانی نہیں ہے، جناب میری ایک بہن ہے، اس کو لڑکا بننے کا بہت شوق ہے اور وہ کپڑے لڑکوں والے اور بال لڑکوں کی طرح رکھتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ میرا بھی کسی طرح آپریشن ہو جائے، جناب ہماری زندگی کس طرح گزرے گی؟ ان تمام باتوں کو پڑھنے کے بعد مجھے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں، میرے لئے زندگی گزارنے کا اب کیا طریقہ ہوگا؟ اور میری بہن کو کیا کرنا چاہئے نماز روزہ، شادی اور زندگی کے دوسرے تمام مراحل مجھے کس طرح طے کرنی چاہئیں، مجھے امید ہے کہ آپ اچھا مشورہ دیں گے، یاد رہے کہ ڈاکٹروں نے مجھے عورتوں والی شرمگاہ لگائی ہے، سینے کے ابھار کے لئے ان کا کہنا ہے کہ آپریشن کرنا پڑے گا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب: واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت بنا کر اشرف المخلوقات بنایا ہے، جیسا کہ آیت مبارکہ میں ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾(۱)

ترجمہ: اور ہم نے بنایا آدمی کو خوب سے انداز ے پر۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے انسانوں میں سے بعض کو مرد اور بعض کو عورت بنایا ہے اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی تقسیم ہے اور اس تقسیم پر راضی نہ ہونا اور ناراضگی کا اظہار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرنا ہے، جو کہ انسان کو کسی صورت میں بھی زیب نہیں دیتا، اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جس جنس پر بنایا ہر شخص کو اسی جنس پر رہنا ضروری ہے اس میں تبدیلی کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں سائل نے جو آپریشن کروا کر اپنی جنس تبدیل کی ہے، تو یہ حرام کام کیا ہے اور یہ تغییر لخلق اللہ کی بناء پر کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ انسان کا جسم انسان کے پاس اللہ رب العزت کی طرف سے امانت ہے اور اس میں کسی قسم کی خیانت یعنی تبدیلی کرنا گناہ کبیرہ ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے:

"ويؤخذ منه أن جناية الإنسان على نفسه، كجناية على غيره في الإثم، لأن نفسه ليست ملكا له مطلقا بل لله تعالىٰ فلا يتصرف فيه إلا بما أذن له".(۲)

اور صحیح مسلم میں ہے:

"عن ابن عمرؓ إن رسول الله ﷺ لعن الواصلة والمستوصلة و

---

(۱) سورۃ التین، آیت:۴

(۲) فتح الباری:۱۱/۵۳۹۔لاہور

الواشمة والمستوشمة"۔

قال النووی فی شرحه : هذا الفعل حرام علی الفاعلة والمفعول بها، لهذه الأحادیث ، لأنه تغییر لخلق الله ولأنه تذویر وتدلیس"۔(۱)

لہٰذا سائل کو چاہیے کہ اس گناہ پر توبہ اور استغفار کرے اور اپنے اس گناہ کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے اور اپنی بہن کو بھی سمجھائے اور اس کو ناجائز آپریشن کے گناہ سے بچائیں، ورنہ وہ بھی سخت گناہ گار ہوگی اور سائل عمران پر حسب سابق مردوں کے احکامات لاگو ہیں، یعنی کسی مرد سے شادی جائز نہیں ہے، اور نماز روزہ وغیرہ بھی مردوں کی طرح ادا کرنا ضروری ہے اور زنانہ کپڑے پہننا ناجائز اور حرام ہے اور ایسے مرد اور عورت پر لعنت ہے، جیسا کہ مشکوۃ شریف میں ہے:

"وعن ابن عباسؓ قال : لعن الله المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال"۔(۲)۔(۳)

## دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کا فتویٰ:

سوال نامہ: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان دین اس مسئلہ کے بارے میں مسئلہ: کہ ایک مرد کو عورت بنایا گیا یعنی مردانہ اعضاء (ذکر) وغیرہ کاٹ دیئے گئے اور زنانہ اعضاء بنائے گئے یعنی جماع اور پیشاب کا راستہ بنایا گیا اور ہارمونز کے ذریعہ اس کے پستان بھی عورت کی طرح ابھارے گئے، اور عورت والی اشتہاء بھی دوائی کے ذریعے اس میں پیدا کی گئی، لیکن صرف بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں، کیونکہ اس میں رحم (بچہ دانی) ہے ہی نہیں،

(۱) صحیح مسلم:۲/۲۰
(۲) بخاری، مشکوۃ:۲/۳۸۰۔ایچ ایم سعید کمپنی
(۳) بشکریہ ماہنامہ بینات

باقی دیکھا جائے تو کوئی فرق نہیں کرسکتا کہ یہ پیدائشی ہے یا مصنوعی؟ لیکن ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ اس کے ذہن (دماغ) اور ظاہری اعضاء میں تضاد تھا، یعنی دماغ عورتوں والا اور ظاہری جسم مرد والا، کیونکہ اگر ایسا مریض ویسا چھوڑ دیا جائے، تو بسا اوقات خودکشی کر لیتا ہے، چنانچہ اس مریضہ نے بھی علاج سے پہلے خودکشی کی کوشش کی، محترم یہ قسم ان تمام اقسام سے جدا ہے، جبکہ مریض میں دونوں طرح کے اعضاء ہوں، یا ایک طرف غالبیت ہو یا پیدائش کے بعد تو مرد ہو بعد میں عورتوں والے اعضاء پیدا ہوئے ہوں، سائے کالوجی اور سائیکاٹری جو کہ طب کی ایک شاخ ہے، اس میں بیماری کو وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، عام طور پر کفرستان میں ایسی بیماریوں کا نزول ہوا ہے، یہ بات واضح ہو کہ ایسے بیمار کا پتہ حرکات وسکنات سے چلتا ہے۔ بہرحال اب سوال یہ دریافت کرنا ہے:

(۱) کیا ڈاکٹر حضرات کا یہ فعل جائز تھا، یا نہیں؟

(۲) بہرصورت اب اس عورت کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کے ساتھ ایک مرد نکاح کرنا چاہتا ہے اور یہ عورت بھی تیار ہے۔

(۳) کیا ایسے بیماروں پر مکمل جنس تبدیل ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں؟ جنس مکمل تبدیل ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ تفصیلا فتویٰ درکار ہے، بہت ہی شکر گزار ہونگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً: (۱) جسم سمیت انسان کا پورا وجود امانت ہے اور اس میں ہر قسم کے تصرف کے لئے وہ اپنے رب کے حضور جواب دہ ہے، لہٰذا صورت مذکورہ میں انجام دیا گیا فعل ''تغییر لخلق اللہ'' کے زمرے میں آتا ہے، جو نا جائز اور حرام ہے، حالتِ اضطرار کے تحقق پر ایک جملہ دال ہے ''مریضہ نے خودکشی کی کوشش کی'' دال ہے۔ لیکن یہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ ہر انسان کے

حوصلہ ہمت کا ظرف مختلف ہے، بعض ایسے ہیں جو بڑی سے بڑی مصیبت اور مشکل میں بھی مایوسی اور ناامیدی کو پاس پھٹکنے نہیں دیتے، جبکہ بعض چھوٹی چھوٹی باتوں پر انتہائی اقدام اٹھالیتے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے، لہٰذا خودکشی کی کوشش کرنا کسی حرام فعل کو حلت کے دائرے میں داخل نہیں کرسکتا، اگر ابتدائی زمانہ سے ہی متاثرہ شخص پر توجہ دی جاتی اور تعلیم وتربیت کا مناسب انتظام کیا جاتا، تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ نوبت یہاں تک پہنچتی۔

(۲) جائز نہیں، کیونکہ نکاح کا مقصد شرعی یعنی توالد وتناسل ناممکن ہے، جیسا کہ تصریح موجود ہے۔

(۳) جنس اگر قدرتی طور پر تبدیل ہو، تو ''تصرف خالق فی خلقہ'' ہے، جس میں کوئی اشکال نہیں، لیکن خود کوشش کرنا درست نہیں۔(۱)

| | | |
|---|---|---|
| واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب | الجواب صحیح | الجواب صحیح |
| محمد عمر عادل | منظور احمد مینگل | عبداللہ غفرلہ |
| متخصص الجامعۃ الفاروقیہ | | |

## جامعہ بنوریہ سائٹ ایریا کا فتویٰ:

سوال: میں آپ سے جنس کی تبدیلی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں، مردانگی سے نسوانیت کی طرف اور نسوانیت سے مردانگی کی طرف۔

الجواب حامداً ومصلیاً: واضح ہو کہ جنس کی تبدیلی خواہ مرد سے عورت بننے کی صورت میں ہو، یا عورت کا مرد بننے کی صورت میں ہو، بالکل حرام وناجائز ہے، اور اس سے احتراز لازم ہے:

"قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید ﴿لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾"(۲)

(۱) ہکذا فی فتاویٰ محمودیہ: ۵/۱۶۳۔ مظہری کتب خانہ

(۲) سورۃ الروم، آیت: ۳۰

"وفی الجامع لاحکام القرآن : قال عکرمة وروی عن ابن عباسؓ وعمر بن الخطاب ان المعنیٰ ۔ لا تغییر لخلق اللہ من البھائم ان تخصیٰ فحولھا فیکون معناہ ان النھی عن خصاء الفحول من الحیوان "۔(۱)

"وفی البخاری عن ابن عباسؓ قال:"لعن رسول اللہ ﷺ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال"۔(۲)

| | | |
|---|---|---|
| الجواب صحیح | الجواب صحیح | واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب |
| الجواب صحیح | الجواب صحیح | محمد آصف کان اللہ لہ |
| مفتی سیف اللہ | مفتی عبداللہ شوکت | ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ |

دارالافتاء جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

## تبدیلی جنس کے بعد شادی کا حکم:

اب اگر کوئی شخص اپنی جنس تبدیل کرلے، مثلاً آپریشن کے ذریعے مرد سے عورت بن گئی تو کیا ایسا (عورت) شخص جس کا آپریشن ہوا ہے، وہ کسی مرد سے شادی کرسکتی ہے یا نہیں؟

چونکہ وہ حقیقت میں مرد ہی ہے، جنس بدلنے سے اس کی حقیقت نہیں بدلتی، اس لئے ایسی عورت کا جو آپریشن کے ذریعے عورت بنی ہو، وہ کسی مرد سے نکاح نہیں کرسکتی، کیونکہ اصلاً یہ مرد ہی ہے، عورت نہیں ہے، ایک تو اس کو حیض، استحاضہ، نفاس وغیرہ کی بیماری بھی نہیں آسکتی اور نہ ہی اس میں رحم ہوتا ہے، نہ ہی اس میں ولادت کی صلاحیت ہے، ایسی عورت جو درحقیقت مرد ہے، اس پر مردوں والے ہی احکام لاگو ہوں گے، اور نماز وغیرہ بھی مردوں کی طرح پڑھنا اس کے لئے ضروری ہے، اسی طرح اس کے لئے عورتوں والے کپڑے پہننا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

البتہ اگر کسی شخص کی جنس خود بخود تبدیل ہوجائے، یعنی مرد تھا روح زنانہ تھی، درد شروع ہوا اور آپریشن کے ذریعے عورت بن گئی، یا عورت تھی مرد بن گیا، تو ایسے شخص پر وہی

(۱) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۲۴/۱۴
(۲) صحیح البخاری: ۸۷۴/۲

احکامات لاگو ہوں گے، جس جنس میں بدل گیا ہے۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

''جنسی تبدیلی اگر حقیقت واقعہ ہے تو اس کا مشابہت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ جنس تبدیل ہونے کے بعد وہ جس صنف میں شامل ہوا ہے، اسی صنف کے احکام اس پر جاری ہوں گے، اگر لڑکی کی جنس تبدیل ہوگئی اور وہ واقعۃً لڑکا بن گئی، تو اس پر مردوں کے احکام جاری ہوں گے، اور اگر لڑکا تبدیل جنس کے بعد سچ مچ لڑکی بن گیا، تو اس پر اس تبدیلی کے بعد لڑکیوں کے احکام جاری ہوں گے''۔(۱)

## تبدیلی جنس سے پہلے اور بعد کی اولاد کا آپس میں نکاح:

مسئلہ یہ ہے کہ عورت مرد بن جائے، یا مرد عورت بن جائے، تو تبدیلی جنس کے پہلے کی اولاد اور تبدیلی جنس کے بعد کی اولاد کا آپس میں نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا، بعد میں اس عورت کی جنس بدل گئی، اس سے مرد بن گیا، پھر اس نے نکاح کیا کسی اور عورت سے اور اس عورت سے بچی پیدا ہوئی، شرعاً اس بچے اور بچی کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ مذکورہ لڑکا اور لڑکی ایک ہی ذات سے پیدا ہوئے، اگر چہ بوقت ولادت مولود منہ (جس سے وہ پیدا ہوئے ہیں) کی صفت مختلف تھی، تحریم نسبی میں اصل ذات اور شخصیت کا اعتبار ہوتا ہے، صفت کا نہیں۔

## اعضاءِ مخصوصہ (اعضاء تناسل) کی پیوندکاری:

یہ مسئلہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے ساتھ متعلقہ ہے، جو بحیثیت مجموعی نیا مسئلہ ہے، جو میڈیکل سائنس کی ترقی کا نتیجہ ہے، اپریل ۲۰۰۰ء میں ملک فہد ہسپتال جدہ میں اس قسم کا ایک نیا اور پیچیدہ آپریشن کر کے تقریباً پچاس سالہ ماں کا رحم ''بچہ دانی'' نکال کر اس کی بیٹی کو

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۴۰۴

لگا دیا گیا۔

مذکورہ بیٹی کو اپنی پہلی اولاد کی پیدائش کے بعد کسی مرض کے نتیجے میں رحم کو بذریعہ آپریشن نکلوانا پڑا، تو اس نے مزید بچوں کی خاطر سارے وسائل صرف کیے اور سوجتن کر کے اپنی ماں سے نیا رحم حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

اسی طرح یہ صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ کسی ایک مرد کا آلہ تناسل لے کر کسی دوسرے کو لگا دیا جائے، تو کیا ایسا کرنا شریعت اسلامی کی رو سے جائز ہے یا نہیں۔ ہم نے یہاں پر اعضاء کی پیوند کاری کے جواز یا عدم جواز کو بیان نہیں کرنا، کیونکہ اعضاء کی پیوند کاری کے مسئلے پر کافی تحقیق ہو چکی ہے، ہندوستان اور پاکستان کے علماء میں سے اکثریت نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، ہم صرف اس مذکورہ مسئلے کا شرعی حکم اختصار کے ساتھ بیان کریں گے، یہاں پر دلائل کا احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ بہت سارے علماء مثلاً ڈاکٹر یوسف البدری (ممبر مجلس امور شرعیہ قاہرہ) محمد طیب النجار (چیئرمین عالمی مرکز برائے سیرت وسنت مصر) عبدالجلیل شلبی (ممبر افتاء کونسل ازہر) شیخ احمد حسن مسلم (ممبر افتاء کمیٹی ازہر) شیخ محمد احمد جمال (استاذ ام القریٰ یونیورسٹی) مکہ مکرمہ کی ہے، ان تمام علماء کے ہاں سارے جنسی اور تناسلی اعضاء چاہئے مرد کے ہوں، یا عورت کے پیوند کاری ناجائز اور حرام ہے۔

## وجوہات حرمت:

اس کے ناجائز ہونے کی بے شمار وجوہات ہیں، ہم ان وجوہات کو یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے:

(۱) خصیتین اور اسی طرح باقی اعضاء کی منتقلی دراصل خلق اللہ میں تبدیلی ہے، جو نص قطعی سے حرام ہے، جس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔

(۲) اعضاء کی منتقلی مثلہ ہے اور مثلہ کی حرمت احادیث سے صراحتہً ثابت ہے۔

(۳) جس شخص سے جنسی اعضاء کو منتقل کیا جائے گا، گویا اس کو نسل کی افزائش کے فرض

کی ادائیگی سے روک لیا گیا اور یہ مقاصد شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(۴) یہاں چونکہ ضرورت شرعی کا تحقق نہیں ہے، جس کی بناء پر جنسی اعضاء کے انتقال کے جواز کی اجازت دی جائے، کیونکہ اگر جنسی اعضاء کو منتقل نہ بھی کیا جائے، تو اس کے بغیر نہ تو کوئی ہلاکت کا خوف ہے اور نہ ہی ضرر کثیر کا خوف ہے، جس کو بنیاد بنا کر جواز کا فتویٰ دیا جاسکے۔

(۵) اس طرح جواز کا فتویٰ دینے کی صورت میں نسب کا اختلاط وضیاع لازم آئے گا، جو بہت بڑا مفسدہ ہے اور مقاصد شریعت کے خلاف ہے، بالخصوص بیض کی منتقلی کی صورت میں، اس لئے سداً للذریعہ اس کو حرام قرار دیا جائے گا۔

(٦) اس طرح کے معاملات میں اہل فن کی تحقیق یہ ہے کہ خصیتین اور مبیض کی منتقلی سے نسلی خصاصیات بھی منتقل ہوتی ہیں، اس لئے بھی یہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۷) عورت یا مرد کے ظاہری اعضاء تناسل کی منتقلی چاہے مرد کا آلہ ذکر ہو، یا عورت کی شرم گاہ، یہ شرم وحیاء اور انسانی غیرت کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہے، شرم وحیاء اور دینی غیرت رکھنے والا کوئی انسان اس کو اپنی ماں، بہن اور دیگر محرمات کے بارے میں ہرگز برداشت نہیں کرسکتا، اس کی حرمت کے دلائل وہی ہیں جو اعضاء کی پیوندکاری کی حرمت کے ہیں۔

# (۱۰)

# دسواں باب

# سرجری برائے حسن وزیبائش (یعنی پلاسٹک سرجری)

پلاسٹک سرجری کی دو قسمیں ہیں:

(۱) shape making surgery یعنی شکل وصورت بدلنے والی سرجری جس میں انسانی اعضاء میں سرجری کے ذریعے تغیر کیا جاتا ہے، جیسے آنکھ کو خوبصورت بنانا، تھوڑی کو خوبصورت بنانا۔

(۲) young making surgery یعنی وہ سرجری جو بڑھاپے کے آثار چھپانے کے لئے کی جاتی ہے۔

اسلام میں حسن وزیبائش یا زیب وزینت اختیار کرنے کو جائز قرار دیا ہے، البتہ حسن وزیبائش کے لئے بھی اسلام نے ایک حد مقرر کی ہے، چنانچہ مشکوۃ میں روایت ہے:

"قال النبی ﷺ لایدخل الجنة من كان فی قلبه مثقال ذرة من كبر، قالوا يا رسول الله! إن أحدنا يحب أن يكون ثوبه حسنا و نعله حسنا قال إن الله جميل يحب الجمال، الكبر بطر الحق و غمط الناس "۔(۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، باب الغضب والکبر: (۲/۴۳۳) قدیمی کراچی

میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو، تو کیا یہ بھی کبر میں داخل ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے حسن و جمال کو پسند کرتا ہے، کبر تو یہ ہے کہ حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ رکھنا۔

تو معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں رہ کر زیب وزینت اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں، بلکہ محمود ہے، لہٰذا مرد اور عورت دونوں کو زیب وزینت اختیار کرنے کی اجازت ہے، البتہ ان میں زیب وزینت کی طرف عورتوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے، البتہ بعض صورتوں کی اجازت تو شریعت نے دی ہے اور بعض صورتوں سے منع فرمایا ہے مثلاً ناخن تراشنا، زائد بال صاف کرنا، عورتوں کا ہاتھوں میں مہندی لگانا، مردوں کا سفید بالوں کو سیاہ کے علاوہ کسی اور رنگ سے رنگنا۔

تھوڑی سے ایک مشت زائد بال کاٹنا، مونچھیں کترنا، عورتوں کا بندے اور بالیاں پہننے کے لئے کان چھیدنا یہ تمام وہ صورتیں ہیں، جو اسلام میں بالکل جائز ہیں، جن کا جواز ہر خاص وعام کو معلوم ہے۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے، مثلاً جسم کو گودنے والیوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں، اسی طرح چہرے کے بال یعنی آبرو اکھیڑنے والی پر اور دانتوں کو گھس کر جدا جدا کرنے والیوں پر بھی حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے جیسے کہ پہلے ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں۔

## حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

اب ہم موجودہ زمانے میں رائج جراحت برائے تحسین یعنی cosmetic surgery کا حکم ذکر کرتے ہیں:

cosmetic surgery سے یہ مراد نہیں کہ کسی پیدائشی یا حادثاتی جسمانی نقص وعیب کو دور کیا جائے، بلکہ اس سے مراد سرجری کے ذریعے (۱) یا تو

جسمانی بناوٹ میں وہ تغیرات کرنا ہے جن کا شمار محض تکلف میں ہوتا ہے، مثلا ایک شخص کا خیال ہے کہ اس کے ہونٹ کچھ موٹے ہیں، تو وہ اپنے ہونٹوں کو پتلا کرواتا ہے، حالانکہ اس کے ہونٹوں کی موٹائی ناقابل قبول نہیں اور وہ قدرتی تفاوت کی قابل قبول وسعت کے اندر ہے، اسی طرح ایک شخص خیال کرتا ہے، کہ اس کی ناک کچھ دبی ہوئی ہے، حالانکہ وہ نارمل رینج Normal range میں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی ناک میں کچھ چونچ سی بن جائے، یا اگر چونچ ہے تو وہ اس کو پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ اس کو دور کردے، ظاہر ہے کہ تحصیل حسن کے لئے اس قسم کے طریقے محض تکلفات ہیں، خصوصا جب مردان کو اختیار کریں۔

(۲) یا وہ تغیرات ہیں جن سے دھوکہ وفریب دینا مقصود ہو، مثلا چہرے سے بڑھاپے کی جھریوں کو سرجی کے ذریعے سے دور کردیا جائے، تاکہ آدمی خصوصا عورت جوان نظر آئے۔

(۳) یا وہ تغیرات ہیں جن سے غرض فاسد کو پورا کرنا مقصود ہو، مثلا عورت کی چھاتیاں ڈھلک جائیں، تو سرجری کرکے ان کو دوبارہ اٹھا دینا، یا حمل کی وجہ سے زیر ناف جو داغ اور جھریاں پڑ جاتی ہیں ان کو دور کرنا، تاکہ دوسرے لوگوں کے سامنے ان اعضاء کی نمائش اور ان کا اظہار کیا جاسکے۔(۱)

## پلاسٹک سرجری کی بنیادی دوصورتیں:

پلاسٹک سرجری کی بنیادی دوصورتیں بنتی ہیں:

پہلی صورت: علاج اور ازالہ عیب کے لئے سرجری کرنا، جیسے کسی مرد یا عورت کے جسم کے کسی حصہ میں کسی حادثہ یا مرض کی وجہ سے کوئی عضو ضائع ہوجائے، یا زخمی ہوجائے، یا

(۱) فقہی مضامین، ص: ۳۴۸

جل جانے کی وجہ سے وہ عضو بدنما نظر آئے، یا گل سڑ جائے، یا جسم پر کوئی داغ لگ جائے، یا کسی کی ناک ٹیڑھی ہو جائے، یا ہونٹ کٹ جائے، تو ایسی صورت میں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ اس بیماری کو دور کرنا جائز ہے، سرجری کرا کر اس عیب کو دور کر سکتا ہے، جائز اس وجہ سے ہے کہ اس سرجری کا مقصود اللہ کی خلقت کو بدلنا نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو دھوکہ دینا مقصود ہے، اس لئے ایسی سرجری کرنا شرعاً جائز ہے۔

پلاسٹک سرجری کی نظیر سونا یا چاندی وغیرہ کے دھات ہیں، ازالہ عیب کے لئے سونا یا چاندی کا استعمال کرنا احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ عرفجہ بن سعد کی ناک کٹ گئی، تو انہوں نے چاندی کی ناک لگائی، تو اس میں بدبو پیدا ہوئی، تو حضور نے ان کو حکم دیا تو انہوں نے سونے کی ناک بنائی۔

”عن عبد الرحمن بن طرفة ان جده عرفجة بن سعد قطع أنفه يوم الكلاب، فاتخذ أنفا من ورق، فأنتن، فأمره النبي ﷺ فاتخذ أنفا من ذهب“۔(۱)

دوسری صورت: بڑھاپے کو چھپانے کے لئے یا قدرتی طور پر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری کرنا، شرعاً ایسی پلاسٹک سرجری کرنا جائز نہیں ہے۔

## چہرے کی جھریاں چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری کرنا:

بڑھاپا طاری ہونے سے چہرے پر جھریاں آجانا فطری بات ہے، بعض لوگ اپنے چہرے کی جھریاں زائل کرنے کے لئے سرجری کراتے ہیں، تا کہ چہرے سے جوان لگے، اس میں چونکہ اپنے بڑھاپے کو چھپانا اور اپنے آپ کو جوان ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لئے شرعاً اس سرجری کی اجازت نہیں ہے، یہ عملی جھوٹ اور دھوکہ ہے۔

مریض و معالج کے احکام میں ہے:

”مسئلہ: جسم میں کوئی خلقی (پیدائشی) نقص ہو، جو عیب کا باعث ہے، یا کسی

(۱) ابوداؤد، کتاب الخاتم، باب ماجاء فی ربط الاسنان بالذهب: ۲/۲۲۹

حادثہ کے باعث عیب پیدا ہو گیا ہو، تو اس عیب کے رفع کرنے کیلئے پلاسٹک سرجری کرانا جائز ہے، لیکن بڑھاپے کو چھپانے کیلئے یا قدرتی طور پر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو چھپانے کیلئے پلاسٹک سرجری کرانا جائز نہیں ہے''(۱)

## سرجری میں انسانی کھال کا استعمال:

اس وقت سرجری کے لئے انسانی کھال بھی استعمال کی جاتی ہے، اس کی صورت عموماً یہ ہوتی ہے کہ بدن کا جو حصہ جل کر یا کسی حادثہ میں متاثر ہو جائے، تو انسانی بدن کے دوسرے حصے سے کھال اتاری جاتی ہے، عموماً ایسی جگہ سے جو انسانی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے مثلاً ران، سرین وغیرہ، کھال اتارنے کے لئے عمل جراحی اور آپریشن سے کام لیا جاتا ہے، پھر وہ کھال متاثرہ حصہ پر لگا دی جاتی ہے، اس سے زخم جلدی بھر جاتا ہے، اس کی بدنمائی بھی ختم ہو جاتی ہے، اکھڑی ہوئی کھال کی جگہ بھی درست ہو جاتی ہے اور اگر عضو جلا ہے، تو اس کی سوزش بھی ختم ہو جاتی ہے۔

شرعاً اس کی دو صورتیں بنتی ہیں:

(۱) اسی متاثرہ انسان اور مریض کے جسم سے کھال حاصل کی جائے، یہ صورت بوقت ضرورت جائز ہے، جیسے انسان کے اپنے بال ایک جگہ سے دوسری جگہ لگانا جائز ہے

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے انسان کی کھال حاصل کر کے لگائی جائے، یہ صورت جائز نہیں، یہ اعضاء کی پیوندکاری کی طرح ہے، جو نا جائز ہے۔

## پلاسٹک سرجری کا حکم نومولود بچہ کی جھلی سے آگ والے کا علاج کرنا:

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: (۲۲۸) مدت سے ڈاکٹروں کے یہاں آگ کی جلن کے لئے معالجہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جلے ہوئے حصے پر دواء لگانے کے بعد دوسرے موضع (مثلا

---

(۱) مریض ومعالج کے احکام، ص:۲۶۹

سرین) سے بذریعہ آپریشن کچھ کھال نکال کر اس جلے ہوئے حصے پر لگا لیتے ہیں، چونکہ جلنے سے کبھی بہت گہرا زخم ہو جاتا ہے، اور اس موضع کی کھال بالکل اکھڑ جاتی ہے، تو زخم کے بھر جانے کے واسطے اس شخص کے بدن کے کسی حصے سے (اکثر و بیشتر سرین سے کہ وہ ہمیشہ نظروں سے غائب ہے) بقدر ضرورت کھال نکال لیتے ہیں اور اسی کھال کو جلے ہوئے موضع پر لگا دیتے ہیں، ایسا کرنے سے وہ حصہ جلدی درست ہو جاتا ہے، اور سوزش کی تکلیف جلد ختم ہو جاتی ہے۔

ابھی حال ہی میں ڈاکٹر حضرات کے یہاں جلن کے لئے ایک جدید علاج زیر تحقیق ہے (ابھی تک اس نئے علاج کا عام رواج نہیں ہوا، بطور آزمائش چند لوگوں پر استعمال جاری ہے) تفصیل اس کی یہ ہے کہ رحم کے اندر جو جھلی ہے جس میں حمل لپٹا ہوتا ہے، اسی جھلی کو ولادت کے بعد ڈاکٹر نکال لیتا ہے، مختلف ادویہ اور مسالہ جات کے ساتھ اس جھلی کو ملا لیتا ہے، یہاں تک کہ ایک لیس دار مادہ تیار ہو جاتا ہے مرہم کی طرح۔ اب اگر کوئی آگ سے جل گیا تو اس جھلی سے تیار شدہ مرہم کو استعمال کرتے ہیں، جلے ہوئے حصے پر لگانے سے بہت جلد زخم بھر جاتا ہے اور کھال پہلی حالت کی طرف لوٹ آتی ہے، اب کھال کے قلم کرنے کی ضرورت نہیں، ان دونوں مسئلوں میں شرعی حکم دریافت طلب ہے کہ آیا علاج بایں دو طریق جائز ہے، یا نہیں؟ واضح رہے کہ ان دونوں صورتوں میں جان کے ہلاک ہونے کا تو خوف نہیں ہے، البتہ سخت تکلیف سے نجات ہے، مؤدبانہ گذارش ہے کہ جواب کتب فقہیہ سے مدلل و مبرہن ہو، أجركم على الله وهو خير الموجرين

الجواب حامدا ومصليا ومسلما: صورت مسئولہ میں دونوں قسم کا علاج اضطرار اور ضرورت شدید کی حالت میں درست ہے، رحم کی جھلی جس میں بچہ لپٹا ہوا رہتا

ہے اور باہر آتا ہے خارجی استعمال کرنے میں قباحت نہیں ہے، فضول اور ناکارہ شی ہے اور سوزش دور کرنے میں فوری طور پر اس کا مرہم استعمال کیا جاتا ہے، بخلاف بذریعہ آپریشن کھال نکالنے کے کہ ''تا تریاق از عراق آوردہ شدہ ما گزیدہ مردہ شود''، عورت کا دودھ جو انسان کا جزء ہے، علاجاً استعمال کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے:

''ولا بأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء''۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب(۲)

## عرب کے مشہور عالم فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین فرماتے ہیں:

افزائش حسن کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک یہ ہے کہ کسی حادثے یا بیماری کی وجہ سے جسم میں لگ جانے والے کسی عیب کو دور کرنے کی خاطر خوبصورتی اختیار کرنا تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کو جس کی ناک دوران جنگ کٹ گئی تھی، سونے کی ناک لگوانے کی اجازت عطاء فرمائی تھی۔

(۲) جب کہ دوسری قسم میں اپنے حسن کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے، یہ کسی جسمانی عیب کو زائل کرنے اور ختم کرنے کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ اس میں مزید اضافے کی نیت سے ہوتا ہے، تو یہ حرام ہے، کسی صورت میں جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی، جسم گوندھنے والی اور گوندھوانے والی پر لعنت فرمائی ہے، کیونکہ ان مذکورہ کاموں میں حسن و جمال کو بڑھانے اور مکمل کرنے کی سعی وجد وجہد ہوتی ہے، کسی عیب کو دور کرنے کی نیت نہیں ہوتی۔(۳)

---

(۱) فتاوی ہندیہ:۶/ ۲۳۶، کتاب الکراہیۃ

(۲) فتاوی رحیمیہ:۱۰/ ۱۲۸۔ دار الاشاعت

(۳) فتاوی المرأۃ ص:۴۱۵ بحوالہ زیبائش نسواں، ص:۱۰۴۔ دار البلاغ لاہور

## مفتی ابراہیم صادق آبادی فرماتے ہیں:

سوال: ٹریفک حادثے کے دوران مجھے شدید چوٹیں آئیں، چہرے پر بہت نشان ہیں، جو بدنما لگتے ہیں، یہ نشان ختم کروانے کے لئے ڈاکٹر سے مشورہ کیا، تو اس نے بتایا کہ ان کا ازالہ صرف سرجری سے ہی ممکن ہے، کیا مرد ڈاکٹر سے سرجری کرانا جائز ہے؟

جواب: سرجری کرواسکتی ہیں، کوشش کریں کہ کسی لیڈی ڈاکٹر سے ہو جائے، یہ ممکن نہ ہو، تو مرد ڈاکٹر سے بھی کرواسکتی ہیں۔(۱)

## سرجری کی چند قسمیں اور ان کا حکم:

دنیا میں ہر سال تقریباً ایک ملین افراد دنیا بھر میں کاسمیٹک سرجری کرواتے ہیں، ایک اندازے کے مطابق زیادہ حسین نظر آنے کے لئے صرف جرمنی میں تین لاکھ لوگ سالانہ ایسا آپریشن کرتے ہیں، جو خوبصورت نظر آنے کے لئے ہوتا ہے، خوبصورتی لئے مندرجہ ذیل سرجری ہوتی ہے:

(۱) نوز کریکشن اور اس کا حکم:

یہ آپریشن ناک کی درستگی کے لئے ہوتا ہے، جو انتہائی پیچیدہ اور مشکل ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ جیسے آپ ناک بنانا چاہتے ہیں، ویسے ہی ناک بنے گا، بہت سارے لوگوں کی ناک آپریشن کے بعد پہلے سے بھی بدصورت نظر آنے لگتی ہے۔

اس کا حکم:...... شرعاً یہ آپریشن جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کوئی علاج یا بیماری دور کرنے کے لئے نہیں، بلکہ حسن میں اضافے کے لئے ہے، جو ناجائز ہے۔

(۲) لپ کریکشن اور اس کا حکم:

یہ آپریشن ہونٹ درست کرنے کے لئے ہوتا ہے، ہونٹ درست کرنے کے دیسی

(۱) خواتین کے دینی مسائل: ۲/ ۲۲۸۔ الحجاز کراچی

طریقے بھی ہیں، مثلاً انجکشن لگا کر ہونٹوں کو موٹا کرنا، یا ابھارنا، اسی طرح آئل بھی ملتا ہے جو ہونٹوں کو موٹا کرتا ہے، لیکن یہ عارضی طریقے ہوتے ہیں، ایک طریقہ سرجری کا ہے، یہ خوبصورتی کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔

**اس کا حکم:**...... یہ ہے کہ شرعاً یہ سرجری جائز نہیں ہے، البتہ ہونٹ اگر کٹ گئے ہوں ان کی سرجری کرانا تاکہ سیدھے ہو جائیں اور بدنما نہ لگیں یہ جائز ہے، کیونکہ یہ ایک طرح کا علاج ہے اگر آپریشن نہ کرایا جائے تو عموماً لوگ ایسے شخص سے نفرت کرتے ہیں، شرعاً ایسا آپریشن کرنا جائز ہے۔

**(۳) آبرومنی پلاسٹی اور اس کا حکم:**

یعنی پیٹ کی کاسمیٹک سرجری، یہ عموماً اس وقت ہوتا ہے جب وزن بڑھ جائے، یا عمر بڑھنے کی صورت میں پیٹ کی جلد ڈھیلی پڑھ جاتی ہے اور پیٹ کے پٹھوں کو پھیلنے کا موقع مل جاتا ہے، ایسی سرجری میں زائد جلد اور چربی کو نکال لیا جاتا ہے، اس کے لئے پیٹ کے نچلے حصے پر ایک کٹ لگایا جاتا ہے۔

**اس کا شرعی حکم:** یہ ہے کہ اسے جائز ہونا چاہئے، اگر اس میں کوئی غرض فاسد نہ ہو، مثلاً لوگوں کے سامنے ان اعضاء کو ظاہر کرنا مقصود نہ ہو، جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دھوکہ نہیں پایا جاتا۔ پیٹ، پیٹھ، اور رانوں کی سرجری کا بھی یہی حکم ہے۔

**(۴) چہرے کی کاسمیٹک سرجری اور اس کا حکم:**

چہرے کو جوان دکھانے کے لئے اب عام طور پر پورے چہرے کے جلد کے بجائے حلق اور تھوڑی کے جلد کو کھینچ کر ٹانکے لگا دئے جاتے ہیں، ٹانکے لگانے کے بعد دھاگے جلد کے اندر ہی رہنے دئے جاتے ہیں۔

**اس کا شرعی حکم:** یہ ہے کہ یہ دھوکہ ہے اور تدویر میں شامل ہے، اس لئے شرعاً یہ سرجری ناجائز ہے۔

**(۵) لائپوسکشن یا جلد کے نیچے سے چربی نکالنا اور اس کا حکم:**

یہ دنیا بھر میں کیا جانے والا پلاسٹک سرجری کا سب سے عام علاج ہے، یہ طریقہ وزن کم

کرنے کے لئے نہیں، بلکہ جسم کے اندر ایسی چربی کو نکالنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو ڈائٹ یا ورزش کے ذریعے نہیں پگھلی، زائد چربی نکالنے کے لئے خاص محلول کو متعلقہ جگہ پر انجکیٹ کیا جاتا ہے اور پھر پگھلی ہوئی چربی کو سکشن ٹیوب کے ذریعے نکال لیا جاتا ہے۔

**اس کا شرعی حکم:** یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے، یہ صرف اسمارٹ نظر آنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، اگر بطور علاج کے ہو، پھر تو جائز ہے، لیکن صرف زائد چربی کو ہٹانے کے لئے کیا جاتا ہے، جس کے ہونے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہے۔

**(۶) آئی لڈ لفٹ اور اس کا حکم:**

یعنی آنکھوں کے پپوٹوں کی سرجری، یہ بھی کاسمیٹک کی عام سرجری ہے، پپوٹوں کے قریب جھریوں کا حامل انسان جو تھکا ہوا لگتا ہے اور عمر رسیدہ بھی لگتا ہے، اس چھوٹے سے آپریشن میں آنکھ کے پپوٹوں پر دو کٹ لگا کر زائد جلد کو الگ کر دیا جاتا ہے۔

**اس کا شرعی حکم:** یہ ہے کہ یہ بھی ناجائز ہے، یہ بھی خوبصورتی کے لئے کیا جاتا ہے، اس میں بھی دھوکہ پایا جاتا ہے، اس لئے یہ بھی ناجائز ہے۔

**(۷) آپریشن کرکے قد بڑھانا اور اس کا حکم:**

بھارت میں بہت سارے ڈاکٹر ایسے ہیں جو قد بڑھانے کے لئے بھی کاسمیٹک سرجری انجام دیتے ہیں، یہ ایک انتہائی خطرناک سرجری ہے، اس میں اپاہج ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس سرجری میں ٹانگوں کی ہڈیوں کو کھولا جاتا ہے، یہ سرجری اصل میں ۱۹۵۰ء میں ایک سوویت کے شہری نے دریافت کی تھی، یہ صرف زخمی اور حادثات کا شکار ہونے والے لوگوں کے لئے تھی، مگر اب لوگوں نے اس سرجری کو قد بڑھانے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

**اس کا شرعی حکم:** یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے، قد کا چھوٹا ہونا عیب تو ہوسکتا ہے، لیکن یہ ایسا عیب نہیں ہے جس کو ضرورت کے درجے میں شمار کیا جاسکے، اور اس کی بنیاد پر اس آپریشن کی اجازت دی جاسکے، البتہ اگر زخمی ہونے والے یا حادثات کا شکار ہونے والے یہ آپریشن کرائیں تو پھر یہ آپریشن جائز ہوگا۔

**(۸) اندام نہانی کو تنگ کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری کا حکم:**

اندام نہانی کو تنگ کرنے کے لئے بھی آپریشن کیا جاتا ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) **پہلی قسم:** بسا اوقات اندام نہانی تنگ کرنے کا آپریشن امراض وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً اندام نہانی اوپر کی جانب پیشاب کے راستے کیساتھ مل جائے، یا نیچے کی جانب پاخانہ کے راستے کیساتھ مل جائے، یا ابھی ملی تو نہ ہو، لیکن اندام نہانی کے پٹھے کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے ملنے کا خدشہ ہو، تو ایسے موقع پر آپریشن کرنا جائز ہوگا، کیونکہ اس کا تعلق علاج معالجے سے ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہونی چاہیے۔

(۲) **دوسری قسم:** بسا اوقات اندام نہانی کا آپریشن محض جنسی لذت بڑھانے کے لئے ہوتا ہے، ایسی صورت میں پلاسٹک سرجری کروانا حرام ہے، اس کے حرام ہونے کی بہت ساری وجوہات ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اندام نہانی کے پٹھوں کا ڈھیلا پن ایک قدرتی امر ہے، جو عمر کے بڑھنے اور پے در پے ولادت کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے، اس قدرتی امر کو آپریشن کے ذریعے تبدیل کرنا خلقت الٰہی کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے، اور تغیر خلق اللہ حرام ہے۔

(۲) یہ آپریشن عورت کی اندام نہانی کو دیکھے اور چھوئے بغیر ممکن نہیں ہے، جبکہ یہ سخت ترین حرام کام ہے اور فتنے کا باعث ہے جس کی اجازت عام حالات میں نہیں دی جاسکتی، کیونکہ اگر یہ آپریشن نہ بھی ہو، تو خاتون نارمل زندگی گزار سکتی ہے، جیسا لاکھوں عورتیں عمر بڑھنے کیساتھ ساتھ بچے بھی جنتی ہیں اور ازدواجی زندگی بھی گزارتی ہیں۔

(۳) اس آپریشن پر کثیر مقدار میں سرمایہ بھی ضائع ہوتا ہے، یہ سرمایہ کا ضیاع ہے اور یہ کوئی ایسی حاجت یا ضرورت نہیں جس پر کثیر مقدار میں سرمایہ خرچ کیا

جائے، اس لئے اندام نہانی کو تنگ کرنے کے لئے سرجری کرانا جائز نہیں ہے۔

## پلاسٹک سرجری کے نقصانات:

پلاسٹک سرجری کے فوائد ہمارے سامنے تو ہیں، لیکن اس کے نقصانات ہماری نظروں سے اوجھل ہیں، بے شمار ڈاکٹر حضرات نے پلاسٹک سرجری کو باعث نقصان قرار دیا ہے، اس کی وجہ سے بہت ساری بیماریوں میں مبتلاء ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات یہ جان تک بھی لے لیتا ہے۔ ڈاکٹر شریف بن مصطفیٰ عبداللہ اس بات کو زرا زور دار الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''مراکز افزائش حسن میں یا بعض جلدی امراض کی میڈیکل ڈسپنسریوں میں جو سرجری کے کام کیے جاتے ہیں، ان سے مریض کو چنداں فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات انکے نقصانات ہی سامنے آتے ہیں، لیکن ان کا اس عمل سے مقصد وحید اپنی پناہ گاہوں میں بیٹھ کر لوٹ کھسوٹ جاری رکھنا ہوتا ہے۔
> پھر انہوں نے ان سرجری والے کاموں اور اعمال کا مختصر سا جائزہ پیش کیا ہے کہ ان میں انسانی جلد کو خوبصورت اور چہرے کو حسن و جمال کا پیکر بنانے کے لئے میک اپ کے کچھ سامان کو استعمال میں لایا جاتا ہے، مزید کہ جوانی کے گرمی دانے ختم کرنے چہرے کی جلد صاف بنانے، یا چہرے سے چھوٹے چھوٹے داغ دبے ختم کرنے، یا ناخنوں کو سوارنے کے لئے یہ عملیات بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ (۱)

ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ سرجری پلاسٹک کی وجہ سے بے شمار لوگ اپنی زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے، ہم بطور نمونہ کے صرف دو واقعات ذکر کرتے ہیں، تا کہ پلاسٹک سرجری کرنے والے ان سے عبرت حاصل کر سکیں۔

(۱) مجلۃ الیمامہ، شمارہ ۱۴۲۴ء

"تقریباً چودہ سال کی ایک نوجوان لڑکی نے اپنے والدین سے اصرار کیا کہ اسے وہ اپنے بڑے اور لمبے کانوں کو موزوں بنانے کے لئے سرجری برائے حصول حسن و جمال کی اجازت دیدیں۔ سرجری کے دوران اس لڑکی کے پھیپھڑے کام کرنے سے رک گئے، اس کے دماغ میں خرابی اور بگاڑ پیدا ہوگیا، جس کے دوران سرجری علاج ناممکن تھا، اس کے پھیپھڑوں کو حرکت میں لانے کے لئے کوشش کرنے کے باوجود کوئی بھی کاوش کارگر نہ ہوئی، تمام کاوشیں بے کار ہوگئیں اور لڑکی نے اسی آپریشن تھیٹر کی چارپائی پر اپنے آخری سانس پورے کئے، یہ سزاء ہے اس آدمی کی جو اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل کرنے کے بارے میں سوچتا ہے"۔(۱)

## پلاسٹک سرجری نے سابقہ مس ارجنٹائن کی جان لے لی:

"پلاسٹک سرجری کے ذریعے جسمانی خد و خال کو پرکشش بنانے کی خواہش نے سابقہ مس ارجنٹائن کی جان لے لی، ۱۹۹۶ء میں مس ارجنٹائن منتخب ہونے والی ۳۸ سالہ سولا گنے مگنانو سرجری کے دوران ہونے والی پیچیدگیوں سے انتقال کرگئی، وہ بیونس آئرس ایک انسٹیٹیوٹ میں کولہوں کی سرجری کے لئے داخل ہوئی تھی، سرجری کے دوران شریانوں میں خون جمنے کے باعث انہیں ہسپتال منتقل کیا گیا، لیکن وہ جانبر نہ ہوسکیں، ماہرین کا کہنا ہے کہ اس قسم کی سرجری کے دوران مائع سلیکون سرنج کے ذریعے جسم میں داخل کی جاتی ہیں، جو گردوں تک پہنچنے کی صورت میں جان لیوا ثابت ہوسکتی ہیں"۔(۲)

یہ تو ہم نے صرف دو واقعات ذکر کئے، ورنہ ایسے بے شمار واقعات ہیں جس میں بہت سارے شائقین سرجری کی جان تک چلی گئی۔

---

(۱) جریدہ الریاض، شمارہ:۱۱، ص:۹۷

(۲) عالمی اخبار، ۱۳/ فروری ۲۰۱۰ء

# (۱۱)

# گیارہواں باب

# سرجری سے متعلق متفرق مسائل

## کیا ٹاٹو (Tatoo) بنوانا جائز ہے:

غیر مسلم ممالک میں اس کا رواج بہت زیادہ ہے کہ لوگ اپنے جسم پر ''ٹاٹو'' بناتے ہیں، یعنی گودوا کر اپنے جسم پر کوئی نام لکھنا یا کسی کی تصویر گودوانا، اب مسلمانوں میں بھی یہ طریقہ شروع ہو گیا ہے، مسلمان بھی فیشن کے طور پر ٹاٹو بنواتے ہیں، آیا کسی مسلمان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دائمی ٹاٹو (Tatoo) یعنی جسم پر نقش ونگار وغیرہ گودوانا ناجائز اور حرام ہے، اس کو شرعی اصطلاح میں ''وشم'' کہا جاتا ہے، اس میں جسم کو بلا ضرورت زخمی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی خلقت کو تبدیل کرنا لازم آتا ہے، جس کو احادیث مبارکہ میں سختی سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ بخاری شریف میں حدیث ہے:

''عن عبد الله رضی الله عنه قال، لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات المغيرات خلق الله ''۔(۱)

ترجمہ: اللہ کی لعنت ہو گوندھنے والی پر گوندھوانے والی پر اور بالوں کو اکھاڑنے والیوں پر جو اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنے والی ہیں۔

(۱) بخاری شریف، کتاب اللباس، باب المستوشمہ: (۸۷۹/۲)

اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ سوئی کے ساتھ جسم پر نشانات بنائے جاتے ہیں، پھر اس میں سرمہ یا نیل وغیرہ ڈالا جاتا ہے، جس سے نشانات واضح ہو جاتے ہیں، حدیث میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

## زائد عضو کو آپریشن کے ذریعے کاٹنا:

اگر عام فطرت کے خلاف انسانی بدن میں کوئی عضو زائد ہو، تو آپریشن کر کے اس کو ہٹانا یا کاٹنا جائز ہے، مثلاً کسی شخص کی پانچ کے بجائے چھ انگلیاں پیدا ہوگئی ہوں، تو آپریشن کے ذریعے زائد انگلی کو ہٹایا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعا زائداً أو شيئا اخر...... إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك ، فإنه لا يفعل ، وإن كان الغالب هو النجاة ، فهو في سعة من ذلك "۔(۱)

ترجمہ: جب آدمی زائد انگلی یا کسی دوسری چیز کو کاٹ دینا چاہے، تو اگر غالب امکان اس کے کاٹنے کی وجہ سے ہلاکت کا ہو، تو ایسا نہ کرے اور اگر غالب امکان بچ جانے کا ہو، تو اس کی گنجائش ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: [۸۸۴۰]: اگر کسی کی ایک انگلی زائد ہو اور وہ بدنما معلوم ہوتی ہے، تو اس کو کٹوانا کیسا ہے، جائز ہے، یا ناجائز؟ اگر جائز ہے، تو اولیٰ کیا ہے؟ یعنی رضائے الٰہی کٹوانے میں ہے، یا نہ کٹوانے میں؟

الجواب حامدا ومصلیا: کٹوانا بھی جائز ہے، رضائے الٰہی کے خلاف نہیں، مگر تکلیف بھی ہوگی، اپنے تحمل کو دیکھ لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

(۱) الفتاویٰ الہندیہ: ۳۶۰/۵

(۲) فتاویٰ محمودیہ جدید: ۳۳۴/۱۸

یاد رہے آج کل آپریشن کرنے میں مریض کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، اس عضو کو سن کر دیا جاتا ہے۔

## معطل اور بیکار عضوء کا کاٹنا بھی جائز ہے:

بعض اوقات کسی حادثہ یا بیماری کی وجہ سے کوئی عضو معطل اور بے کار ہو جاتا ہے اور جسم کے ساتھ ویسا ہی لٹکتا رہتا ہے، جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ عضو بد نما اور برا بھی لگتا ہے، تو شرعاً ایسے عضوء کا کاٹنا جائز ہے۔

## خلاف شرع امور سے بچنے کے لئے عضوء کاٹنا:

اپنا یا کسی دوسرے کا کوئی عضو اس لئے کاٹنا یا معطل کرنا تا کہ وہ خلاف شرع امور اور برے کاموں سے بچ سکے، جیسے چوری، ڈاکہ، زنا، اور بد چلنی سے بچنے کے لئے اپنا کوئی عضو کاٹنا یہ شرعاً جائز نہیں ہے، ناجائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت مانگی، تا کہ گناہ سے بچ سکیں، لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو خصی ہونے کی اجازت نہیں، حالانکہ یہ ایک نیک اور اہم مقصد کے لئے تھا، لیکن پھر بھی اللہ کے نبی ﷺ نے ان کو منع فرما دیا۔

چنانچہ فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

> ”اگر یہ مقصود ہے کہ کسی عضو کو معطل کر دیا جائے، تا کہ اس کی بد چلنی موقوف ہو جائے، تو ایسا کرنا جائز نہیں، حضور اکرم ﷺ نے اختصاء کی اجازت نہیں دی“۔(۱)

## کیا آپریشن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

اگر روزے کی حالت میں کسی کا آپریشن ہوا، تو کیا اس سے روزے پر کوئی اثر پڑے گا یا

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۳۳۳

نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محض آپریشن اور عمل جراحی سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ یہ مفسد صوم اشیاء میں سے نہیں ہے، البتہ دوران آپریشن دوسرے مفاسد پائے جانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ سکتا ہے، چنانچہ آپریشن سے مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا:

(۱) وہ آپریشن جو پیٹ، معدہ اور دماغ کے علاوہ جسم کے کسی ایسے حصے کا کیا جائے جن سے دماغ یا پیٹ کی طرف منفذ اصلی (راستہ) موجود نہ ہو۔

(۲) جسم کے کسی حصے میں مصنوعی پیوند کاری سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ کوئی دوائی پیٹ یا دماغ تک نہ پہنچے۔

(۳) اگر خود معدہ، دماغ یا پیٹ کا آپریشن اس طرح کیا گیا کہ وہاں سے کچھ کاٹ کر نکال دیا گیا، کوئی چیز داخل نہیں کی گئی، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(۱) آپریشن کے دوران معدہ، دماغ یا پیٹ میں کوئی دوائی پہنچ جائے۔

(۲) معدہ، پیٹ یا دماغ میں کوئی مصنوعی عضو لگا دیا جائے۔

(۳) معدہ پیٹ یا دماغ سے آپریشن کے ذریعے کوئی عضو نکالا گیا، پھر اس کو اندر لگا دیا گیا، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

## آپریشن کے ذریعے بدن کے اندر سے گوشت کاٹ کر باہر لانے سے روزہ ٹوٹنے کا حکم:

جواہر الفتاویٰ میں ہے:

سوال: جناب مفتی صاحب! آج کل ہمارے ملک میں نئی نئی مشینیں ایجاد ہوئیں ہیں، انہی مشینوں کے ذریعے پیٹ کے امراض کا تعین کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ پیٹ سے گوشت کا ٹکڑا نکال دیا جاتا ہے، اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ کتب فقہ کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب: واضح رہے کہ آج کل معدہ کے بعض امراض کی شناخت کے لئے معدہ کے منہ کے ذریعے نلکی پہنچائی جاتی ہے، جو بعض

دفعہ گوشت کا ٹکڑا کترا کر اپنے ساتھ کھینچ لاتی ہے اور اس پر تحقیق ہوتی ہے، ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، اصل میں روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا مدار اس بات پر ہے کہ معدہ میں داخل ہونے والی چیز اندر ٹھہر گئی ہے، یا واپس آگئی ہے؟ اگر رہ گئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔

اس بارے میں علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں کہ اگر کھانا دھاگے سے باندھے اور اس کو اپنے حلق میں چھوڑ دے، دھاگہ کا ایک سرا خود اس کے ہاتھ میں ہو، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا:

"ولو شد الطعام بخيط، وأرسله في حلقه، وطرف الخيط في يده لايفسد الصوم"۔(۱)

"كما فى البدائع الصنائع: وهذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط لفساد الصوم"۔(۲)۔(۳)

## الثقب، چھید یعنی سوراخ کرنا:

سرجری کے مرحلوں میں سے ایک مرحلہ چھید کرنے کا بھی ہے، جو اصلاً ممنوع ہے، کیونکہ اس میں جسم کے ایک جزء کو تلف کرنا لازم آتا ہے، لیکن بوقت ضرورت فقہاء کرامؒ نے چھید کرنے کی اجازت دی ہے، جیسے کہ اگر کسی بچے کی مقعد کا راستہ خلقی (پیدائشی) طور پر بند ہو، تو اس کو کھولنا شرعاً جائز ہے، یا پیشاب کا راستہ بند ہو، تو اس کو کھولنا جائز ہے، کھول سکتے ہیں۔

## عورتوں کا ناک کان چھیدنا:

عورتوں کی زیب وزینت کے لئے ان کے کانوں میں سوراخ کرنا جس میں وہ بالیاں

(۱) البحر الرائق:۲/۲۷۹

(۲) بدائع:۲/۹۳۔

(۳) جواہر الفتاوی:(۵/۴۳۸)

لٹکائیں جائز ہے، اگر چہ یہ حسن کے لئے ہے، لیکن پھر بھی فقہاء کرامؒ نے اس کی اجازت دی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ عید کے موقع پر حضور ﷺ نے خواتین کو صدقہ خیرات کرنے کی ترغیب دی، چنانچہ عورتوں نے اپنے کان، اور گلے کے زیوارات صدقہ کئے۔(۱)

حدیث میں "قرط" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور قرط کان کے زیور کو کہا جاتا ہے، چاہے زیور سونے کے ہوں یا چاندی کے یا کسی اور چیز کے، عام طور پر بالیاں کانوں کو چیر کر ہی پہنی جاتی ہیں، اس لئے اس حدیث سے محدثین نے کان چھیدنے کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"واستدل به على جواز ثقب أذن المرأة لتجعل فيها القرط و غيرها"۔(۲)

نیز حدیث کی مشہور کتاب طبرانی کی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی سے صراحۃً مروی ہے کہ بچیوں میں سات چیزیں سنت ہیں، ان میں ساتویں چیز کان کا چھیدنا ہے، اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولا بأس بثقب آذان النسوان كذا في الظهيرية، ولا بأس بثقب آذان الأطفال من البنات، لأنهم كانوا يفعلون ذلك في زمان رسول الله ﷺ من غير إنكار"۔(۳)

اور کوئی حرج نہیں ہے عورتوں کے کانوں میں سوراخ کرنے میں، اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ میں ہے اور کوئی حرج نہیں بچیوں کے کانوں میں سوراخ کرنے

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۵۸۸۳، باب القرط للنساء
(۲) فتح الباری: ۱۰/۳۳۴
(۳) عالمگیری: ۵/۳۵۷

میں، اس لئے کہ وہ لوگ حضور ﷺ کے زمانے میں ایسا کرتے تھے بغیر انکار کے۔

احسن الفتاویٰ میں مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

''کانوں میں بالیاں پہننے کا حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں رواج تھا اور اب بھی عرب میں اس کا رواج ہے، اس پر قیاس کرکے ناک چھیدنا بھی جائز ہے اگر یہ تغییر خلق اللہ میں داخل ہوتا، تو حضور اکرم ﷺ ضرور نکیر فرماتے''۔(۱)

(۱) احسن الفتاویٰ: ۱۹۲/۸

(۱۲)

# بارہواں باب

# سرجری ہیئر ٹرانسپلانٹ یعنی بالوں کی پیوندکاری کا شرعی حکم

## بالوں کی پیوندکاری:

اس طریقہ علاج میں انسانی سر، مونچھوں، ڈاڑھی اور بھنوؤں پر جدید سرجری کے ذریعے نئے بال لگائے جاتے ہیں، جن کو قدرتی بالوں کا نام دیا جاتا ہے، جو قدرتی بالوں ہی کی طرح ہوتے ہیں، یہاں تک کہ انہیں کاٹنا بھی پڑتا ہے۔

آج کل بعض وجوہات کی بناء پر لوگوں میں بال گرنے کا مرض عام ہے، جو گنجے پن تک جا پہنچتا ہے، اس مرض کی وجہ سے لوگ مکمل گنجے ہو کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس میں احساس کمتری میں مبتلا ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔

دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں حال ہی میں یہ تحقیق سامنے آئی ہے، کہ بالوں کی بھی پیوندکاری ممکن ہے اور یہ بات پوری دنیا میں تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے، بالوں کی پیوندکاری جس کو انگلش میں ''ہیئر ٹرانسپلانٹ'' کہتے ہیں، اب پاکستان میں بھی بے شمار علاقوں میں بالوں کی پیوندکاری کی جاتی ہے، بلکہ اب تو پاکستان کے ہر شہر میں یہ علاج ہو رہا ہے۔

بالوں کو ملانے کے دو طریقے ہیں:

(۱) وصل یعنی بالوں کو بغیر آپریشن کے ملانا، جیسے وگ وغیرہ کا استعمال کرنا، وگ چاہے عارضی ہو یا مستقل ہو۔

(۲) بالوں کو بذریعہ آپریشن سرجری کے پیوست کرنا۔

## وصل کا شرعی حکم:

احادیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے انسانی بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا ہے، اس بارے میں بے شمار احادیث مروی ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ

"إن جارية من الأنصار تزوجت وإنها مرضت فتمعط شعرها فأرادوا أن يصلوها فسألوا النبي ﷺ فقال: لعن الله الواصلة والمستوصلة" (۱)

ترجمہ: انصار کی ایک عورت کی شادی ہوئی اور وہ بیمار ہوئی جس سے اس کے بال گر گئے، تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کے بالوں کے ساتھ بالوں کو ملایا جائے، انہوں نے حضور ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے بال ملانے والی پر اور بال ملوانے والی پر۔

مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

"زجر النبي ﷺ أن تصل المرأة برأسها شيئا"۔ (۲)

ترجمہ: جابر ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ڈانٹا کہ کوئی عورت اپنے سر میں کچھ (بال) ملائے۔

اسی طرح وصل کی ممانعت بے شمار صحابہ کرام ؓ سے مروی ہے، جن میں حضرت معاویہ ؓ، جابر بن عبداللہ، وغیرہ صحابہ شامل ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مرد یا عورت کے لئے اپنے بالوں کے ساتھ کسی انسان کے بال لگانا بالکل ناجائز اور حرام ہے، چاہے وہ وگ کی شکل میں ہوں یا ویسے ہی ملا لئے ہوں، البتہ خنزیر کے بالوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کے بالوں کی وگ کا استعمال

---

(۱) بخاری شریف، کتاب اللباس، باب الوصل فی الشعر: (۸۷۸/۲)
(۲) مسلم شریف، باب تحریم فعل الواصلة: (۲۰۴/۲)

کرنا جائز ہے، اسی طرح اون کو بھی اپنے بالوں کے ساتھ ملانا (وصل کرنا) جائز ہے، چنانچہ عبداللہ ابن عباسؓ کی حدیث ہے:

"قال لا بأس بالوصال فی الشعر إذا كان من صوف"۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے بالوں میں وصل کرنے میں جب وہ اون سے بنے ہوں یا اون ہو۔

اسی طرح اون ہو یا ریشم سے بنے ہوئے بال ہوں، یا کسی اور کپڑے سے بنے ہوئے بال ہوں، ان سب کے استعمال کرنے کی اجازت ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولا بأس للمرأة ان تجعل فی قرونها وذوائبها شيئا من الوبر"۔(۲)

فقہاء کرام کی عبارات ہم بعد میں بیان کریں گے، اس سے پہلے وگ کی شرعی حیثیت کو بیان کرتے ہیں۔

## وگ کا مفہوم:

وگ (Wig) انگریزی زبان کا لفظ ہے، عربی میں اس کے معنی اللمه یا الجمه کے ہیں، جدید عربی میں وگ کو "باروکا" کہا جاتا ہے، جو دراصل فرانسیسی زبان کا لفظ ہے، وگ ہی سے لفظ Wigged بنا ہے، یعنی لابس الشعر المستعار یا لابس اللمه والجمه (وگ پہنے ہوئے)۔

## وگ یعنی بناوٹی بال استعمال کرنے کا حکم:

مسلمانوں کے ہاں وگ کے استعمال پر کوئی تاریخی شہادت دستیاب نہیں ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے وگ پہننے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے، فقہاء کے نزدیک بالوں کے ساتھ اور بالوں کو ملا کر انہیں لمبا کرنا یا مصنوعی بال سر پر لگانا حرام ہے۔

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

(۱) سنن بیہقی کبریٰ، باب لا تصل المرأۃ شعرھا بشعر غیرھا، حدیث نمبر: ۴۴۰۲

(۲) الفتاویٰ الہندیہ: ۵/ ۳۵۸

"وَوصل الشعر بشعر الآدمی سواء کان شعر المرأة أو شعر غیرها فیه من التذویر"۔(۱)

(۱) وگ کی حرمت کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ یہ ایک طرح کا دھوکہ ہے اور دھوکہ دہی منع ہے، لہٰذا وگ لگانا منع ہوا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں یہود سے مشابہت پیدا ہوتی ہے، جبکہ حضور ﷺ نے یہود ونصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا ہے، اور ان کی سی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، بمصداق "من تشبه بقوم فهو منهم"۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ وگ کا استعمال کرنا ایک قوم کے لئے ماضی میں عذاب بن چکا ہے اور جس امر سے عذاب الٰہی کے نزول کا امکان ہو، اس کا ترک لازم ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب یہود کی عورتوں نے بال لگانا شروع کیے، تو ان پر بربادی مسلط کردی گئی۔

(۴) ممانعت اور حرمت کی چوتھی اور زیادہ قوی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور حکم الٰہی ہے کہ حضور ﷺ جس کام سے روکیں اس سے رکنا واجب ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾(۲)

نیز اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ

"اللعنة علی الشیء تدل علی تحریمه"۔

کسی شے پر لعنت اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔

"لأن فاعل المباح لا تجوز لعنه"۔

کیونکہ کسی امر مباح پر لعنت کرنا جائز نہیں اور جب وگ کا استعمال ملعون عمل ٹھہرا، تو یہ مباح نہ رہا بلکہ حرام ہوگیا۔

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ:۱/

(۲) سورۃ الحشر، آیت:۷

## وگ کے بارے میں احادیث:

آج کل اصطلاح ''قرآن وسنت'' کا بڑا چرچا ہے، حتیٰ کہ جاہل سے جاہل شخص بھی کہتا ہے قرآن وسنت کا حوالہ دیجئے، ایسے دور میں جب قرآن وسنت کا حوالہ مانگنے کا مطلب حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی جچی تلی اور علمی آراء کو درخوداعتناء نہ سمجھنا ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت سے منور فقہی آراء کے باوصف صریح احادیث بھی ذکر کردی جائیں تا کہ کسی کو فقہاء کرام کو وگ کا دشمن، قدامت پسند اور تنگ نظر (Minded narrow) کہنے کی جرأت کرکے گنہگار نہ ہونا پڑے۔

صحیحین (بخاری ومسلم) کی وگ کے بارے میں بعض احادیث حسب ذیل ہیں:

(۱) عن أسماء بنت أبی بکر رضی الله عنهما قالت: "لعن النبی ﷺ الواصله والمستوصله"۔(۱)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

(۲) عن ابن عمر رضی الله عنهما إن رسول الله ﷺ قال: "لعن الله الواصله والمستوصله والواشمه والمستوشمه"۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی، گودنے والی اور گودوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

(۳) عن سعید ابن مسیبؒ قال قدم معاویة المدینة اخر قدمة فخطبنا فاخرج كبة من شعر قال: ماكنت أرى أحدا يفعل هذا غير اليهود إن النبی ﷺ سماه الزور، یعنی الواصلة فی الشعر"۔(۳)

(۱) بخاری، باب الوصل فی الشعر، حدیث نمبر: ۸۷۶

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۸۷۷

(۳) بخاری، حدیث: ۸۷۸

حضرت سعید بن مسیبؒ کا بیان ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب آخری مرتبہ مدینہ منورہ آئے تو خطبہ دیتے ہوئے انہوں نے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور فرمایا: میں نے یہودیوں کے علاوہ کسی اور کو یہ کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، بے شک نبی کریم ﷺ نے بالوں کے جوڑنے کو زور (دھوکہ بازی) قرار دیا

(٤) عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ قال: "لعن الله الواصله والمستوصله والواشمه والمستوشمه"۔(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والی اور بال جڑوانے والی، گودنے والی، گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

اس سلسلے میں مزید احادیث بھی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا گیا، ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وگ کا استعمال ممنوع وحرام ہے، کیونکہ یہ دھوکہ ہے، اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ وگ اصل بالوں کے ساتھ مصنوعی بالوں کا ملانا، بالوں کا مصنوعی طریقہ سے بڑھانا یا اصل بالوں کے بجائے مصنوعی بالوں کا استعمال کرنا اور یہ سب حرام اور معلون ہے۔(۲)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

سوال: بعض عورتیں بازار سے مصنوعی بال خرید کر اپنے بالوں میں لگا لیتی ہیں، تاکہ بال بڑے معلوم ہوں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا و توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب: اگر یہ بال انسان کے ہوں، تو ان کا لگانا گناہ کبیرہ ہے اور اس پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے، اگر کسی دوسرے جانور کے ہوں، تو جائز ہے:

" قال العلامه ابن عابدينؒ : تحت ( قوله وشعر الإنسان) ولا يجوز

(۱) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۸۷۳

(۲) چند فقہی معاملات کی شرعی حیثیت، ص: ۳۷

الانتفاع به، لحدیث لعن الله الواصله والمستوصله، وإنما یرخص فیما یتخذ من الوبر، فیزید فی قرون النساء وذوائبهن هدایه"۔(۱)

جس طرح خواتین کو بلاضرورت سر کو منڈوانے اور چھوٹا کرنے سے روکا گیا ہے، اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح عورتوں کو اپنے بالوں میں مزید دوسرے بالوں کو جوڑ کر اضافہ سے بھی منع کیا گیا ہے۔

مفتی کمال الدین احمد الراشدی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"موجودہ دور میں وگ یعنی بناوٹی بالوں کا استعمال بہت عام ہے، اور جدید سائنس نے اس میں بھی کافی ترقی کی ہے اور نئے نئے انداز سے بال لگوائے جانے کے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں، شرعی اعتبار سے ان طریقوں کو دو صورتوں میں بیان کر سکتے ہیں۔(۲)

## انسان اور خنزیر کے بالوں کی وگ:

حدیث شریف کی رو سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسانی بالوں کی وگ لگوانا جائز نہیں ہے، اسی طرح خنزیر کے بالوں کی وگ لگوانا بھی جائز نہیں، حرام ہے۔ خواہ وگ کے بال مشین کے ذریعہ اس طرح لگوائیں کہ وہ جسم کے ساتھ مستقل پیوست (فٹ) ہو جائیں اور وہ جسم سے الگ نہ ہو سکتے ہوں، یا اس طرح نہ لگوائیں، بلکہ عارضی طور پر لگوائیں، کہ جب چاہئیں اسے پہن لیں اور جب چاہئیں اسے اتار لیں، ان میں سے کسی صورت میں بھی انسانی بالوں کی وگ لگوانا جائز نہیں۔(۳)

## جانور کے بالوں یا مصنوعی بالوں کی وگ:

انسان اور خنزیر کے بالوں کے علاوہ کسی جانور کے بالوں کی وگ یا مصنوعی بالوں کی

(۱) ردالمحتار: ۴/۱۰۵۔ احسن الفتاویٰ: ۸/۷۵

(۲)

(۳) مشکوۃ شریف ۱/۳۸۱

وگ لگانا اور لگوانا شرعاً جائز ہے، اگر ان بالوں کی وگ جسم میں مستقل پیوست (فٹ) کر کے لگایا جائے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں جائز ہے، اور اگر مستقل طور پر نہ لگایا جائے یعنی جب چاہئیں لگالیں اور جب چاہئیں ہٹادیں، تو یہ بھی جائز ہے۔(۱)

## بالوں کی پیوندکاری کا طریقہ:

اس طریقہ علاج میں جہاں بال لگانا مقصود ہو، وہاں بہت باریک سوراخ بنائے جاتے ہیں، جنہیں مائکروسلٹ کہا جاتا ہے، ان سوراخوں میں بال لگا کر سوراخ بند کردئے جاتے ہیں، جیسے پودا لگا کر ارد گرد مٹی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو سائیڈوں سے اچھی طرح دبادیا جاتا ہے، بال لگانے کے بعد ایک سے تین ہفتے کے بعد لگائے گئے تمام بال گر جاتے ہیں، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی پودا کسی جگہ سے اکھاڑ کر نئی جگہ لگایا جائے، تو نئی جگہ لگنے کے بعد پودا مرجھا جاتا ہے اور اس کے پتے گر جاتے ہیں، لیکن باوجود مرجھانے اور پتے جھڑنے کے زمین سے جب ان جڑوں کو نمکیات، پانی اور غذا ملنا شروع ہو جاتی ہے، اور وہ اپنی نئی کونپلیں نکالنا شروع کر دیتا ہے، چنانچہ اس کی افزائش شروع ہو جاتی ہے۔

بالوں کی پیوندکاری بھی اسی طرح ہے، بال لگانے کے بعد اوپر کے بال ایک مرتبہ گر جاتے ہیں، پھر جب ان کو اور ان کی جڑوں کو سر سے خون کے ذریعے غذا ملنا شروع ہو جاتی ہے، تو تین سے چھ ماہ میں دوبارہ اگ آتے ہیں، جو عام بالوں کی طرح بڑھتے ہیں اور ان کو کاٹنا بھی پڑتا ہے، دوسرا ایک سینٹی میٹر سکوائر پر کم از کم ۴۰ بال لگنے چاہئیں۔ ۹ نو ہزار تک بال تین گھنٹوں میں ایک ڈاکٹر لگا سکتا ہے، تین سے پانچ یوم میں یہ سارا عمل مکمل ہوتا ہے تاہم بعض ڈاکٹر بہت جلد یہ عمل مکمل کر لیتے ہیں۔

## پیوندکاری کے دو معروف طریقے:

سرجیکل طریقہ علاج میں اس کے دو بڑے طریقے ہیں:

(۱) بناؤ سنگھار کے احکام:

پہلا طریقہ: Punch grafting

دوسرا طریقہ: Single falliculer grafting

ان دونوں طریقوں میں مریض کو اس کے اپنے ہی بال لگائے جاتے ہیں، جو کانوں کے درمیان سے سر کی پچھلی جانب سے لئے جاتے ہیں، ضرورت کے مطابق وہاں سے تقریبا ۱۵ سینٹی میٹر لمبی اور ۵۔۲ سینٹی میٹر چوڑی پٹی بالوں کی جڑوں سمیت نکال لی جاتی ہے بالوں کو بعد میں ایک ایک بال کیا جاتا ہے اور اس کو انتہائی باریک سوراخوں میں لگا دیا جاتا ہے، جو ان کے لئے پہلے سے بنائے گئے ہوتے ہیں۔

پنچ گرافٹنگ میں صرف سر کے بال ہی لگائے جاتے ہیں، جبکہ سنگل فولیکولز گارفٹنگ میں نہ صرف سر کے بلکہ داڑھی، موچھوں اور بھنوؤں کے بال بھی لگائے جاسکتے ہیں۔

## پیوندکاری کی مختصر تاریخ:

انسانی بالوں کے گرنے کا مسئلہ ۳۵۰۰ قبل مسیح پرانا ہے، عورتوں کی نسبت مردوں میں یہ مسئلہ بہت زیادہ ہے، سائنسدانوں نے سال بسال کی تحقیق اور تجربات کے بعد اس مسئلے کا حل نکالا ہے، جسے ہیر ٹرانسپلانٹ کہتے ہیں۔

ہیر ٹرانسپلانٹ یا بالوں کی پیوندکاری سرجری (جراحت) کا ایک ایسا طریق کار ہے جس کے ذریعے صحت مند مضبوط اور نہ گرنے والے بالوں کو جڑ سمیت اکھاڑ کر بغیر بالوں والے حصے میں لگا دیا جاتا ہے، بالوں کی پیوندکاری کا عمل سب سے پہلے ۱۹۳۰ء میں جاپان میں شروع ہوا، جہاں آنکھوں بھنوؤں اور پلکوں پر بالوں کی پیوندکاری کی گئی، اس کے بعد ۱۹۵۰ء میں امریکی ماہر امراض جلد نورمن اور نشریچ نے گنجے مردوں کے سروں پر اس طریقے سے بالوں کی پیوندکاری شروع کی، جس سے وہ صحت مند بالوں کی طرح نشونما پا سکیں۔

۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر بی ایل لمر نے سٹریو مائکروسکوپ کی مدد سے باریک پیوندکاری کو رواج دیا، حتی کہ ایک مربع سنٹی میٹر جلد پر پچاس گرافٹ (جلدی پیوند) لگائے جاسکتے تھے۔

۲۰۰۰ء تک اس فن نے مزید ترقی کی اور تر چھے شگافوں والی پیوندکاری کو رواج دیا گیا،

تا کہ بال سر پر سیدھے کھڑے ہونے کے بجائے کھوپڑی کو ڈھانپ لیں۔

تاریخ قبل از مسیح میں ''جولیس سیزر'' سر کے گنج پن کو چھپانے کے لئے پھولوں کا تاج پہنا کرتا تھا، سر کے بال انسانی شخصیت اور وقار میں کتنا اہم کردار ادا کرتے ہیں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پچھلی صدی تک تمام یورپی اشرافیہ کے لئے لمبی زلفیں رکھنا یا مصنوعی وگ لگانا امر لازم تھا، چند سال پہلے تک اعلی عدالتوں کے جج صاحبان کے لئے بھی سفید وگ لباس کا لازمی حصہ تھا۔

طبی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مردانہ گنج پن جو کہ دنیا کی تقریبا نصف آبادی کو اپنا شکار بناتا ہے، مردانہ جنسی ہارمون کا مرہون منت ہے، گویا بچے اور خواتین اس مرض سے قطعی متاثر نہیں ہوئے، ماسوائے ان چند خواتین کے، جن میں جنسی اعضاء کے سرطان (Tumer) کی وجہ سے غیر فطری ہارمون کی مقدار زیادہ ہو جائے، اس حقیقت کا ادراک فلسفی افلاطون اور ارسطو بھی کر چکے تھے کہ خواتین اور مخنث افراد اس مرض میں مبتلا نہیں ہوئے، لیکن طبی سائنس کو اس کا علاج دریافت کرنے کے لئے بھی کئی ہزار سال انتظار کرنا پڑا۔

۱۹۴۰ء کی دہائی میں چند فرانسیسی اور امریکی ڈاکٹرز نے یہ مشاہدہ کیا کہ شدید سے شدید گنج پن کے شکار افراد کے بھی سر کا کچھ حصہ ایسا باقی رہ جاتا ہے، جہاں کے بال کبھی بھی نہیں گرتے یعنی اگر پیشانی سے لے کر سر کے پچھلے حصے کے تمام بال گر جائیں، تو بھی دونوں کانوں کے اوپر (کنپٹی) اور گدی occiput کے بال ہمیشہ سلامت رہتے ہیں، خواہ ایک باریک سی جھالر کی شکل میں کیوں نہ ہوں، گویا مذکورہ حصے کے بال گنج پن سے مزاحم ہونے کی فطری صلاحیت رکھتے ہیں، طبی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بال اس طرح Genetically progrmmed ہیں کہ شدید ترین گنج پن میں بھی اپنا وجود برقرار رکھ سکتے ہیں۔

اس مقام کے بالوں کو انہی خوبیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہیر ٹرانسپلانٹ کی کوشش کی گئی اور حسب توقع یہ بال جب نئی جگہ یعنی گنج شدہ علاقے میں پیوست کیے گئے، تو وہاں

ایک بار جڑ پکڑنے کے بعد ساری زندگی نہ صرف موجود رہے، بلکہ ان میں دراز ہونے کا عمل بھی تمام عمر جاری وساری رہا۔

دیگر جسمانی اعضاء مثلاً دل یا گردوں کے برخلاف ہیئر ٹرانسپلانٹ کے عمل میں بال ایک شخص سے دوسرے کے سر پر ہرگز نہیں لگائے جاسکتے، بلکہ حامل ہذا ہی کے بالوں کو سر کے ایک حصے سے جلد کے مختصر حصے سمیت نکال کر مطلوبہ حصے میں سرجری کے ذریعے پیوست کیا جاتا ہے، گویا اس عمل میں کو ٹرانس پلانٹ سے زیادہ جگہ کی منتقلی اور از سر نو بحالی Hair restoration s relocation کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

گنج پن بیس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد کسی بھی وقت شروع ہوسکتا ہے اور عمر کے اسی دوران میں حسن اور آرائش کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، سر کے بال گو انسانی صحت یا جسم فعال کے لئے قطعی ضروری نہیں، لیکن ان کی غیر موجودگی حامل کے ذہن اور نفسیات پر شدید منفی اثرات ڈالتی ہے، مذکورہ افراد اپنی شخصیت کو نامکمل سمجھ کر نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بدقسمتی سے اس عمر میں ہیئر ٹرانسپلانٹ کئی وجوہ کی بناء پر نامناسب ہے، اور اکثر ذمہ دار اور مخلص سرجن ان نوجوانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ چند سال کے انتظار کے بعد تشریف لائیں...... گنج پن کے شکار نوجوانوں کا سماجی حلقے میں جن تضحیکی کلمات سے استقبال کیا جاتا ہے وہ انہیں نفسیاتی مریض بنانے کے لئے کافی ہیں، ایسے نوجوان جلد سے جلد سابقہ حالت پر واپس آنا چاہتے ہیں، جو کہ اکثر مقامات پر قابل حصول نہیں ہے، چونکہ بال گرنے کا عمل تمام عمر جاری رہتا ہے اور ایک صحت مند انسان کی اوسط عمر ۷۰ سال فرض کرلی جائے تو ابھی ۴۰ سے ۴۵ سال مزید بال گریں گے اور اگر جوانی میں ایک مختصر حصے میں بال لگا بھی دئے جائیں تو آئندہ چند سال میں سر کا مزید حصہ بالوں سے محروم ہو جائے گا، جو کہ مذکورہ مرد کے لئے پھر بے اطمینانی اور رنج کا سبب ہوگا، اگر کوئی سرجن کسی نوجوان کی ضد سے مجبور ہو کر یا کسی اور محرک کے باعث سرجری کر بھی دے تو یہ امر طے شدہ ہے، کہ چند سال بعد اس کے اور سرجن کے تعلقات یقیناً خراب ہو جائیں گے، اس کے برعکس پختہ عمر کے افراد زیادہ

برباد اور حقیقت سے قریب تر ہوتے ہیں، ان کے مطالبات اور خواہشات بھی زیادہ نہیں ہوتیں۔

کاسمیٹک سرجری کے بعد ان کی شخصیت میں ذرا سا بھی جمالیاتی اضافہ ہو جائے تو اسے غنیمت جان کر شکر ادا کرتے ہیں مزید یہ کہ بال گرنے کے عمل میں کمی یا ٹھراؤ آچکا ہوتا ہے، لہٰذا سرجن کے نقطہ نظر سے ٹرانسپلانٹ کی بہتر عمر ۳۰ سال کے بعد ہے، ٹرانسپلانٹ کے حوالے سے سر یا چندیا کو دو نام دیئے گئے ہیں، ایک Donor حصہ ہے جہاں سے بال حاصل کئے جائیں اور دوسرا وہ حصہ جو ان بالوں کو وصول کریں Recipient حصہ۔

برخلاف عام مفروضے کے کہ بالوں کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ پیوست نہیں کیا جاتا بلکہ ڈونر حصے سے پوری جلد اپنی مکمل موٹائی کے ساتھ عمل جراحی کے ساتھ نکالی جاتی ہے اور اس دوران آپریشن کے تمام تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جراثیم سے پاک ماحول رکھنا ہوتا ہے، ڈونر سائڈ سے جلد کی پٹی نکالنے کے بعد اس حصے کو ٹانکے لگا کر بند کر دیا جاتا ہے اور حاصل شدہ جلد کے ٹکڑے کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

یہ احتیاط رکھنی لازمی ہے کہ فولیکل بناتے وقت بالوں کی جڑیں زخمی نہ ہوں ورنہ Recipientsite میں ان کی پیدائش اور بالیدگی ممکن نہیں ہوگی اور آپریشن ناکام ہو جائے گا، اگلے مرحلے میں مطلوبہ حصے پر باریک سوراخ نما نشانات کسی آلہ پر لیزر کے مدد لگائے جاتے ہیں، جہاں فولیکل کو پیوست کیا جاتا ہے۔

اس تمام سرجری میں سر کی جلد کو سن کیا جاتا ہے اور کلائنٹ اپنے مکمل ہوش وحواس میں رہتا ہے، یہ فولیکلز جن میں بالوں کی جڑ کے ساتھ ساتھ جلد کا حصہ بشمول اپنی خون کی نالیوں کی موجود ہوتا ہے، جس میں چند ہفتوں کے دوران ہی خون بحال ہو جاتا ہے، اور بالوں کی جڑیں از سر نو اپنی زندگی کا آغاز کر لیتا ہے جو نئے بالوں کو جنم دے دیتی ہے، یہ ضرور ہے کہ ڈونر سائڈ سے حاصل شدہ بال اس منتقلی کے دوران شائد خشک ہو کر گر جائیں اور نئے بالوں کے نمودار ہونے میں ہفتوں اور مہینے لگ جاتیں بالکل اسی طرح جیسے اگر کسی پودے کو گملے سے نکال کر زمین میں لگایا جائے تو اس کے پتے خشک ہو کر جھڑ جاتے ہیں، لیکن اگر جڑ

سلامت ہے تو کچھ عرصے بعد نئے پتے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

گویا ٹرانسپلانٹ سرجری کے دوسرے دن ہی سے بال بڑھنا شروع نہیں ہوں گے بلکہ پہلے مرحلے میں تمام پرانے بال گر جائیں گے اور چند ہفتوں تک یہ احساس ہوگا کہ شائد یہ آپریشن ناکام ہو گیا ہے لیکن کچھ انتظار کے بعد بالوں کی نئی فصل نمودار ہوگی۔

## ہیر ٹرانسپلانٹ کا شرعی حکم:

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس طریقے میں آپریشن کے ذریعے صرف اپنے ہی بال لگائے جا سکتے ہیں، کسی دوسرے انسان کے بال نہیں لگائے جا سکتے، شائد بعد میں یہ صورت بھی پیدا ہو جائے، لیکن ابھی تک ایسا ہوا نہیں ہے۔

اگر ایک انسان کے بال دوسرے انسان کو لگائے جائیں، تو یہ بالکل حرام ہے، علامہ علاء الدین سمرقندیؒ فرماتے ہیں:

”ویکرہ للمرأۃ أن تصل شعرھا المقطوع بشعرھا وکذا بشعر غیرھا“۔(۱)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

”ولا بأس للمرأۃ أن تجعل فی قرونھا وذوائبھا شیئا من الوبر ویکرہ أن تصل شعرھا بشعر غیرھا“۔(۲)

اس کے علاوہ بہت سے فقہاء کرامؒ نے انسانی بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ ملانے کو حرام قرار دیا ہے۔

مذکورہ صورت میں چونکہ اپنے ہی بال آپریشن کے ذریعے لگائے جاتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اپنے ہی بالوں کی پیوندکاری جائز ہے، یا ناجائز ہے؟

مذکورہ صورت میں بعض فقہاء کرام تو یہی کہتے ہیں کہ یہ بھی جائز نہیں ہے، جیسا کہ

---

(۱) تحفۃ الفقہاء، کتاب الاستحسان:

(۲) فتاویٰ قاضی خان، کتاب الحظر والاباحۃ:(۴/۳۱۷)

عبارات سے واضح ہے۔

لیکن اکثر فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ اپنے بالوں کی پیوند کاری کرنا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر فقہاءؒ نے اپنے ہی عضو کو اپنے بدن میں استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی ہند نے اپنے ہی عضو کے استعمال کی اجازت دی ہے، لکھتے ہیں:

"اسی طرح ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے"۔(۱)

بدائع الصنائع میں ہے:

اگر کسی کا دانت گر جائے، تو دوبارہ اس کو اسی جگہ پر لگایا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں ناجائز ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں جائز ہے: "وقال ابو یوسفؒ لا بأس بسنه" اپنا دانت دوبارہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۲)

بدائع الصنائع میں ہے کہ:

" ان استعمال جزء منفصل عن غیره من بنی آدم اهانة بذلك الغیر والآدمی بجمیع أجزاء ه مکرم ولا اهانه فی استعمال جزء نفسه فی الاعادة الی مکانه "۔(۳)

وہ جزء جو کسی غیر کے بدن سے جدا ہو اس کا استعمال کرنا اس غیر کی اہانت ہے اور آدمی (انسان) اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مکرم و محترم ہے اور اپنے جزء کو اپنے بدن میں استعمال کرنا یہ اہانت نہیں ہے۔

ہیئت کبار العلماء (سعودی عرب) نے بھی اس سلسلے میں ایک تجویز پیش کی، جس میں اپنے بدن کے حصے کو اپنے بدن میں استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے:

---

(۱) اہم فقہی فیصلے، ص:۱۲

(۲) بدائع الصنائع: ۵/۳۱۶۔ المکتبہ حقانیہ

(۳) بدائع الصنائع: ۵/۳۱۶۔ المکتبہ حقانیہ

"وبعد المناقشه وتداول الآراء قرر المجلس بالاجماع جواز نقل عضو أو جزئه من انسان حي مسلم أو ذمي الى نفسه اذا ادعت الحاجة اليه، و أمن الخطر في نزعه و غلب على الظن نجاح زرعه"۔(۱)

ایک زندہ مسلمان یا ذمی کا ایک عضو یا کوئی جزء اپنے بدن کی طرف منتقل کرنا جائز ہے، جب اس کی ضرورت ہو، اور عضو اتارنے میں خطرہ بھی نہ ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ جہاں عضو لگایا جارہا ہے، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی نے بھی اپنے عضو کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"انسانی جسم سے کوئی حصہ لینا، تاکہ اسی انسان کے جسم میں پیوند کاری کی جائے، مثلا کھال یا ہڈی کا کوئی ٹکڑا لے کر جسم کے کسی دوسرے مقام پر بوقت ضرورت لگایا جائے"۔(۲)

## اعتراض اور اس کا جواب:

امام ابو یوسفؒ کے قول پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ قول امام ابو حنیفہؒ کے قول کے خلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک اپنا دانت دوبارہ لگانا مکروہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے، دوسرا امام صاحبؒ سے بعد میں اس کی عدم کراہت بھی منقول ہے، اس لئے کراہت کا قول مرجوع عنہ ہوا، اور عدم کراہت کا قول شیخین کا ہوا۔

المحیط البرہانی میں ہے:

"انه اذا سقط ثنية رجل، فأن أباحنيفة رضي الله عنه يكره أن يعيدها

(۱) ابحاث ھیئۃ کبار العلماء: ۷/۴۲۔ قرار ھیئۃ کبار العلماء رقم ۹۹ وتاریخ ۶/۱۱/۱۴۰۲ھ

(۲) عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص: ۱۵۸۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

ويشدها بذهب أو فضة وكان يقول: هي كسن ميتة يشدها مكانها: ولكن يتخذ شاة ذكية ويشد مكانها وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ، لا بأس بأن يشدها سنة مكانه قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ بين سنه وبين سن الميتة فرق ، وان لم يحضرني قال ابويوسفؒ سألت أباحنيفة رضي الله تعالىٰ عنه عن ذلك فجلس في مجلس فلم ير باعادتها بأسا"۔(۱)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ لا بأس بايعاد سن نفسه وان يشدها وان كان سن غيره يكره ذلك كذا في السراج الوهاج ، قال بشر قال ابويوسفؒ في مجلس آخر سألت أبا حنيفةؒ عن ذلك فلم ير باعادتها بأسا ، كذا في الذخيرة "۔(۲)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اپنا دانت لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کو باندھ سکتا ہے اور اگر غیر کا دانت ہو تو مکروہ ہے، اسی سراج الوھاج میں ہے۔ بشر فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک دوسری مجلس میں فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا اس کے بارے میں تو انہوں نے اپنا دانت لگانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا (یعنی جائز قرار دیا)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول امام ابو یوسفؒ کی طرح اعادہ سن کے غیر مکروہ ہونے کا ہے۔

باقی صاحب بدائع الصنائع نے جو ساقط شدہ دانت کے اعادہ کے مکروہ ہونے کا قول طرفین کی طرف منسوب کیا ہے، اس کی نسبت ہم کو معلوم نہ ہو سکی، اس لئے اس نسبت کی تصدیق پر بھی محل نظر ہے، اور پھر یہ امام صاحب کا مرجوع عنہ قول ہے، امام صاحب کا

(۱) المحیط البرھانی: ۵۲/۸۔ کتاب الکراہیۃ والاستحسان

(۲) الفتاویٰ الہندیہ، الباب العاشر فی استعمال الذہب والفضۃ

آخری قول دانت کے اعادہ کے جواز کا ہے۔

بلکہ باقی فقہاء کے نزدیک بھی اپنے بدن سے جدا شدہ عضو کا استعمال کرنا اور اپنے بدن میں لگانا جائز ہے، چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ مالکیہ کا راجح مذہب ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فظهر أن الراجح في مذهب المالكية طهارة العضوء المبان، فيجوز اعادته الى محله، ولو عاد وثبت والتحم، حكم بطهارته وجواز الصلاة فيه على القولين جميعا"۔(۱)

اس سے ظاہر ہوگیا کہ مالکیہ کے ہاں راجح مذہب الگ کئے گئے عضو کا پاک ہونا ہے، پس جائز ہے اس کا لوٹانا اپنی جگہ کی طرف، اگر وہ عضو لوٹایا اور وہ ثابت ہوگیا اور اس پر گوشت چڑھ گیا، تو اس کی پاکی کا حکم لگایا جائے گا اور اس میں نماز پڑھنا بھی جائز ہوگا دونوں اقوال کی بناء پر۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

"قلع سن انسان، أو قطع أذنه ثم أعادها الى مكانه وصلى أو صلى وفي كمه سنه أو أذنه، تجوز صلاته في ظاهر الرواية"۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے عضو کو اپنے بدن میں لگانا جائز بھی ہے اور پاک بھی ہے، اس میں نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔

## جامعہ دارالعلوم کراچی کا فتویٰ:

سوال: بالوں کے متعلق مجھے مشورے کی ضرورت ہے، آیا بالوں کا ٹرانسپلانٹ کرانا جائز ہے یا حرام؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سر کے جس حصہ پر گھنے بال ہوتے ہیں، اس سے بال لے کر سر کے ایسے حصے کو منتقل کئے جاتے ہیں کہ

(۱) بحوث قضایا فقہیہ معاصرہ: ۱/۲۸۰

(۲) فتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۷، فصل فی النجاسۃ تصیب الثوب

جہاں بال موجود نہیں ہوں، یا کم ہوں۔ اور اس میں دوسرے کسی شخص سے بال نہیں لئے جاتے۔

الجواب: صورت مذکورہ میں بالوں کا ٹرانسپلانٹ (Transplant) کروانا اس وقت جائز ہے، جب بال مرض کی وجہ سے یا قدرتی طور پر وقت سے پہلے گر گئے ہوں، تو یہ طریقہ استعمال کرنا تغییر خلق اللہ میں داخل نہیں، بلکہ ازالہ عیب ہے، اس لئے اس طریقہ کار سے بال لگوانے کی گنجائش ہے، جبکہ اپنے ہی بدن کے بال ہوں۔(۱)

اپنے ہی بالوں کے پیوندکاری کے جواز کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایک جائز طریقہ سے عیب کا ازالہ کرنا ہے، پھر اپنے گنج پن کو چھپانا یہ کوئی ناجائز امر نہیں ہے، بلکہ عیب کو ختم کرنا ہے، یہ مستحسن امر ہے، جس میں کسی حرام چیز کا ارتکاب بھی لازم نہیں آتا، خصوصاً جب عیب جوانی میں پیدا ہو جائے، یہ ایک طریقہ علاج ہے جو بالکل جائز ہے، اس میں کسی ممنوع امر کا ارتکاب بھی لازم نہیں آتا، جس کی بناء پر اس کو ناجائز کہا جائے۔

البتہ عام حالات میں بہتر یہ ہے کہ گنجے پن کو چھپانے کے لئے اگر سنت کے مطابق ٹوپی یا پگڑی کا اہتمام کیا جائے، تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

## پیوندکاری کی صورت میں وضوء اور غسل کا حکم:

سر پر اگر مصنوعی بالوں کی وگ لگا رکھی ہو، تو اگر وگ ایسی ہو کہ وگ کے ہوتے ہوئے غسل کرتے ہوئے پانی سر تک پہنچ جاتا ہو، تو غسل کے دوران وگ پر ہی پانی بہا دینا کافی ہوگا اور غسل ہو جائے گا، وگ کو ہٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وضوء میں اگر وگ پر مسح کرتے ہوئے مسح کی تری سر تک پہنچ جائے، تو وضو درست ہوگا۔

لیکن اگر وگ ایسی ہے کہ بآسانی وگ کو ہٹایا بھی جا سکتا ہو اور اس کے ہوتے ہوئے پانی

---

(۱) حلال غذا، جدید طب اور سائنس، ص:۹۷

(تری) سر تک نہ پہنچ پاتا ہو، تو ایسی صورت میں وگ پر مسح کرنے سے مسح نہ ہوگا، وگ ہٹا کر غسل میں دھونا اور وضو میں ہٹا کر مسح کرنا ضروری ہوگا۔

لیکن اگر وگ ایسا ہے کہ جو مستقل پیوست شدہ ہو، یا اپنے ہی بالوں کی پیوندکاری کی گئی ہو اور ان بالوں کا وگ کا ہٹانا بغیر آپریشن کے ممکن نہ ہو، تو غسل میں ان پر پانی بہا دینا کافی ہوگا اور وضوء میں ان پر مسح کر لینا کافی ہوگا، موجودہ دور میں بالوں کی پیوندکاری میں بال جڑ میں مضبوط لگ جاتے ہیں اور اصلی بالوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اس لئے ان کا حکم وہی ہوگا جو اصلی بالوں کے دھونے یا مسح کرنے کا ہے۔

مولانا سیف اللہ خالد رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

"بالوں کے مصنوعی جوڑے جو ہمارے زمانے میں عورتیں بکثرت استعمال کرنے لگی ہیں، اور جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اگر کو باندھ ہی لیں، تو سوال یہ ہے کہ وضو غسل میں ان کا کیا حکم ہوگا؟

چونکہ یہ بال اس کے جسم کا حصہ نہیں ہیں اور نہ ہی کسی ضرورت کی بناء پر لگائے گئے ہیں، اور نہ ان کا نکالنا چنداں دشوار ہے، اس لئے اس کی حیثیت ایک خارجی چیز کی ہوگی، غسل میں تو یوں بھی عورتوں کے لئے بال کی جڑوں تک پانی پہچانا کافی ہے، بال دھونا ضروری نہیں ہے:

"ولیس علی المرأة أن تنقض ضفائرها في الغسل اذا بلغ الماء أصول الشعر"۔

وضو میں بھی ان کی حیثیت یہی ہوگی مثلاً اگر کوئی خاتون اس طرح سر کا مسح کرے کہ صرف مصنوعی بالوں کے حصہ پر مسح ہو اور اصلی بالوں پر کم از کم چوتھائی سر کے مقدار میں بھی مسح نہ ہو پائے، تو کافی نہ ہوگا، ان کو اپنے اصل بالوں پر مسح کرنا چاہئے"۔(۱)

---

(۱) جدید فقہی مسائل، ص: ۳۲۔ مکتبہ فارقلیط لاہور

## ہیر ٹرانسپلانٹ کے نقصانات:

اگر چہ فی نفسہ ہیر ٹرانسپلانٹ کرنا جائز ہے، لیکن طبی لحاظ سے یہ نقصان دہ بھی ہے، یہاں ہم اس کے کچھ نقصانات ذکر کرتے ہیں، جو ڈاکٹروں نے اس کے ذکر کئے ہیں۔

ہیر ٹرانسپلانٹ ایک ایسا سرجیکل طریقہ علاج ہے جس میں جسم کے کسی حصے سے بالوں کے فولیکلز کو سرجری کے ذریعے سر میں لگایا جاتا ہے، یا پھر کسی بھی جگہ بال ٹرانسپلانٹ کئے جاتے ہیں، بہر حال! ٹرانسپلانٹ زیادہ سر کے بالوں کے لئے مخصوص ہے، اس کے حوالے سے ہم ذیل میں اس کے چند مضر اثرات پر بحث کریں گے:

☆ عام طور پر ہیر ٹرانسپلانٹ کے عمل میں سر کے پچھلے حصے سے سرجری کے ذریعے بال بمعہ جلد اکھاڑ لئے جاتے ہیں اور انہیں سر کے خالی حصے (گنج) پر ٹرانسپلانٹ کر دیا جاتا ہے، اس سے نہ صرف جگہ متاثر ہوتی ہے، بلکہ جہاں سے بال اکھاڑ لئے جاتے ہیں، وہ عمر بھر کے لئے مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

☆ اس سے اکثر اوقات درد سر، سوجن اور سر میں سرخی کی شکایت ہو جاتی ہے۔

☆ اکثر اوقات یہ ٹرانسپلانٹ کا طریقہ بری طرح ناکام ہو جاتا ہے اور سر کے تمام بال اور جلد خراب ہو جاتی ہے اور بال آہستہ آہستہ گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

☆ ہیر ٹرانسپلانٹ کے تکلیف دہ عمل سے سر کی جلد سرخ ہو کر سوج جاتی ہے، اس سرجری سے آنکھوں کی بینائی بھی بہت زیادہ متاثر ہو جاتی ہے۔

☆ سرجری سے پہلے اور بعد میں ہائی پوٹینسی اینٹی بائیوٹیک ادویات استعمال کروائی جاتی ہیں، جن کے مضر اثرات مزید صحت کو متاثر کرتے ہیں، جن سے معدے کا السر اور تیزابیت پیدا ہو جاتی ہے، اینٹی بائیوٹک ادویات سے گھبراہٹ متلی، الرجی اور بھوک کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

☆ ہیر ٹرانسپلانٹ کے بعد سر کی جلد میں خارش ہونے سے بعض اوقات چھوٹے چھوٹے دانے بن جاتے ہیں جو کہ زیادہ شدید صورت میں زخم بن جاتے ہیں اور

اس سے بال دوبارہ گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

☆ ہیر ٹرانسپلانٹ کے عمل سے پہلے ڈاکٹر مریض کو جنرل این تھیز یا کے ذریعے بے ہوش کرتے ہیں، تاکہ سرجری کا عمل بہتر طریقے سے انجام دیا جا سکے، لیکن دراصل اس سے بعض مریضوں کو سانس کے امراض کے علاوہ بے خوابی کی بھی شکایت ہو جاتی ہے۔

اس لئے سرجری کے مضرات چونکہ بعد میں ظاہر ہوتے ہیں اس لئے عام حالات میں جتنا ہو سکے ہیر ٹرانسپلانٹ سے اجتناب کیا جائے۔

# (۱۳)

# تیرھواں باب

# سرجری برائے ختنہ

وہ سرجری جس میں مرد کے عضو خاص کی اس چمڑی کو جو حشفہ کو چھپائے ہوتی ہے، اور عورت کے فرج کے اعلیٰ حصہ کے ادنیٰ جزء کو کاٹا جاتا ہے، احناف کے نزدیک سنت ہے، اس لئے سرجری کی یہ صورت نہ صرف جائز، بلکہ مسنون ہے۔

یہاں پر ہمارا مقصد ختنہ کی تفصیل بیان کرنا نہیں ہے، صرف ضروری مسائل جو ختنہ کے متعلق ہیں، ان کو بیان کریں گے۔(۱)

## ختنہ کا لغوی معنی:

ختنہ کا لفظ ''ختن'' سے ہے، جس کا اصل مادہ ''خ۔ت۔ن'' ہے، ''الختن'' کا لغوی معنی ''القطع'' کے آتے ہیں، یعنی کاٹنا۔ یہ باب ضرب یضرب اور نصر ینصر دونوں سے آتا ہے، ختنہ کرنے والے کو ''خاتن'' کہا جاتا ہے اور جس کا ختنہ کیا جائے اس کو ''ختین'' یا ''مختتن'' کہا جاتا ہے، اس کا اطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔

---

(۱) ختنہ کے بارے میں مزید تفصیلی مسائل کے لئے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی ریاض محمد بلگرامی مدظلہ العالی کی مدلل اور مفصل کتاب ''مسائل ختنہ'' کا مطالعہ کیا جائے، جو اس بارے میں انتہائی مفید کتاب ہے، یہ کتاب مکتبہ عثمانیہ پنڈی سے شائع ہو چکی ہے۔

## ختنہ کا اصطلاحی معنی:

کتاب القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا میں ختنہ کی اصطلاحی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

"ختان الرجل: هو قطع جميع الجلدة التي تغطي الحشفة، حتى ينكشف جميع الحشفة، وختان المرأة: هو قطع أدنىٰ جزء من الجلدة التي في أعلىٰ الفرج، فوق مدخل الذكر، وتكون كالنواة أو عرف الديك تدعى الخفاض"۔(۱)

یعنی مرد کا ختنہ یہ ہے کہ ذکر کے حشفہ کو جو کھال ڈھانپے ہوئے ہوتی ہے اس سب کو کاٹ دینا، یہاں تک کہ سارا حشفہ ظاہر ہو جائے اور عورت کا ختنہ یہ ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں ذکر کے دخول کی جگہ کے اوپر گٹھلی یا مرغی کی کلغی کی طرح ایک گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے، جسے خفاض کہا جاتا ہے اس میں سے تھوڑا سا حصہ کاٹ دیا جائے۔

## ختنہ کے مزید نام:

مرد کے ختنے کو اعذار اور عورت کے ختنے کو خفض اور خفاض بھی کہا جاتا ہے۔

## ختنہ امور فطرت میں سے ہے:

متعدد احادیث میں ختنہ کو امور فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے، چند احادیث پیش خدمت ہیں:

(۱) عن أبي هريرةؓ عن رسول الله ﷺ الفطرة خمس: الختان، و الاستحداد، وقص الشارب، وتقليم الأظفار، نتف الابط"۔(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

(۱) القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا ص:۱۱۲

(۲) سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، ذکر الفطرۃ والاختتان: (۱/۷)

پانچ چیزیں فطرت ہیں، ختنہ کرنا، زیر ناف بال کاٹنا، لبوں کے بال کاٹنا، ناخن کاٹنا، بغل کے بال اکھاڑنا۔

(۲) عن أبی أیوبؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أربع من سنن المرسلین الحیاء، ویروی الختان، والتعطر، والسواك، والنکاح"۔(۱)

حضرت ابوایوبؓ سے مروری ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چار چیزیں انبیاء کی سنت میں سے ہیں، حیاء کرنا اور ایک روایت میں ختنہ کرنا بھی ہے، خوشبو لگانا اور مسواک اور نکاح کرنا۔

(۳) عن أبی هریرةؓ روایة الفطرة خمس أو خمس من الفطرة الختان والاستحداد، ونتف الابط، وتقلیم الأظفار، وقص الشارب"۔(۲)

ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے ختنہ کو امور فطرت میں شمار کیا ہے، فطرت سے مراد سنت ہے۔

فائدہ: مردوں میں سب سے پہلے ختنہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کرایا تھا، یہ بات متعدد احادیث سے ثابت ہے، جس وقت ان کا ختنہ ہوا اس وقت ان کی عمر صحیح قول کے مطابق اسی سال تھی۔

## ختنہ کی شرعی حیثیت:

۱)......احناف کے ہاں مردوں کا ختنہ سنت مؤکدہ اور شعائر اسلام میں سے ہے۔

درمختار میں ہے:

"والأصل أن الختان سنة، کما جاء فی الخبر، وهو من شعائر الاسلام وخصائصه"۔(۳)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

(۱) ترمذی۔ بحوالہ مشکوۃ، باب السواک: ۱/۴۴

(۲) صحیح البخاری، کتاب اللباس باب قص الشارب: ۲/۸۷۵

(۳) الدرالمختار: ۶/۷۵۱، کتاب الفرائض

"واختلفوا في الختان قيل: أنه سنة وهو الصحيح كذا في الغرائب"۔(۱)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ احناف کے ہاں ختنہ سنت ہے اور سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ختنہ کو امور فطرت میں سے شمار کیا ہے۔

۲)......امام مالکؒ کے ہاں بھی ختنہ سنت ہے۔

۳)......شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق ختنہ واجب ہے، چاہے مرد ہو یا عورت، دونوں کے لئے یکساں حکم ہے۔

## لیڈی ڈاکٹر سے ختنہ کرانے کا حکم:

لیڈی ڈاکٹر سے بچے کا ختنہ کروانا جائز ہے، کیونکہ چھوٹے بچے کا ستر عورت واجب نہیں ہے۔آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

سوال: ہمارے ہاں میٹرنٹی ہوم میں لڑکے کا ختنہ لیڈی ڈاکٹر کرتی ہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی اہمیت اور اس کے جائز ناجائز ہونے کا تعین کریں، کیونکہ بعض لوگ اس کو غلط اور مکروہ کہتے ہیں۔

جواب: شرعاً کوئی حرج نہیں۔(۲)

## ختنہ کے میڈیکل فوائد:

(ا) سپاری کے اوپر کی کھال کٹنے سے انسان ضرر رساں چکنے مادے سے محفوظ ہوجاتا ہے اور ان ناپسندیدہ رطوبات سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے، جن سے انسانی طبیعت نفرت کرتی ہے اور گندگی کے جمع ہونے اور اس جگہ کے بدبودار ہونے سے بچ جاتا ہے۔

---

(ا) ہندیہ:۵/۸۵، کتاب الکراہیۃ

(۲) آپ کے مسائل اور کا حل:۸/۵۱

(۲) اس کھال کے کاٹنے سے اس خطرے سے بچ جاتا ہے کہ سپاری عضو کے پھیلاؤ کے وقت اندر ہی محبوس اور بند رہے۔

(۳) ختنہ کی وجہ سے سرطان کے مرض سے کافی حد تک بچاؤ ہو جاتا ہے اور تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ایسے لوگوں کو سرطان زیادہ ہوتا ہے، جنکی سپاری کے اوپر والی کھال تنگ ہوتی ہے۔

(۴) بچے کا ختنہ اگر جلدی کر دیا جائے، تو اس کے ذریعے بچوں کو بستر پر پیشاب کرنے کی بیماری سے ایک حد تک بچایا جا سکتا ہے۔

(۵) جوان لوگوں میں جلق (مشت زنی) کی جو عادت پڑ جاتی ہے، اس کا ایک حد تک تدارک ختنے سے ہو جاتا ہے۔

(۶) ختنہ جنسی تعلق کے لئے مفید ہے۔

(۷) ختنہ مدتِ جماع میں درازی کا سبب ہے، مشہور محقق ''فلنجری'' نے تحقیق کے دوران ختنہ کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ختنہ کا اصلی مقصد غالب رائے کے مطابق مدت جماع کی درازی ہے، کیونکہ انتہائی لذت تک رسائی جس قدر ختنہ کے گئے اعضاء میں محسوس ہوتی ہے، غیر مختون عضو میں اس کا ادارک کم ہوتا ہے۔

(۸) ختنہ احتلام سے بچاؤ کا ذریعہ ہے، کیونکہ ختنہ نہ کرانے سے عضو مخصوص میں میل کچیل جمع جاتی ہے، جس سے خارش پیدا ہوتی ہے اور خارش سے احتلام کی شکایت بڑھتی ہے۔

(۹) ختنہ عضو مخصوص میں مختلف قسم کے جراثیم کے ہونے سے مانع ہے۔

(۱۰) ختنہ بانجھ پن کی بیماری کے رفع کرنے میں مفید ہے۔

(۱۱) ختنہ کی وجہ سے پیشاب کے قطرے عضو میں جمع نہیں ہوتے۔

(۱۲) اسی طرح ختنہ کی وجہ سے حشفہ میں گندگی جمع نہیں ہوتی، بلکہ آسانی سے ڈھلتی رہتی ہے۔

(۱۳) ختنہ شدہ انسان پیشاب میں تکلیف محسوس نہیں کرتا، ختنہ کی وجہ سے پیشاب کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے، جب کہ غیر مختون پیشاب کرنے میں تکلیف محسوس کرتا ہے۔

(۱۴) ختنہ صحت کا باعث ہے۔

(۱۵) ختنہ سرعت انزال کو کنٹرول کرتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی ختنہ کے بے شمار فوائد ہیں جو علماء نے ذکر کیے ہیں۔